وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

جس میں عقیدہ حیات النبی، عرض اعمال، عقیدہ استشفاء،
زیارات فضیلت روضہ رسول، عقیدہ توسل، حیات شہداء کرام

اَلتَّحْقِيْقُ الْمَتِيْن
فِي
حَيَاتِ النَّبِيِّ الْاَمِيْن

مؤلف:

مولانا محمد امین مدظلہ

مدرس مدرسہ عربیہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر

جس میں عقیدہ حیات النبی صلوٰۃ وسلام، عرض اعمال،
عقیدہ استشفاء، زیارات روضۂ رسول فضیلت روضۂ اطہر،
عقیدۂ توسل، حیات شہداء کرام

اَلتَّحقِیقُ المَتِین
فِی
حَیَاتِ النَّبِیِّ الاَمِین

مؤلف

مولانا محمد امین مدظلہ

استاد مدرسہ عربیہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر

پسند فرمودہ

محدث دوراں استاد العلماء حضرت
مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

مناظر اسلام شاہین ختم نبوت
مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

اِدَارَۂ تَالِیفَاتِ خَتمِ نُبُوَّت

۳۸۔ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ فون 37232926 - 042

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا محمد امین مبارکپوری مدظلہ

مدرسہ عربیہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر کے مدرس مولانا محمد امین صاحب بہت ہی قابل اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے عنوان پر لکھنا شروع کیا۔ ترتیب دیتے ہوئے سب سے پہلے اس عقیدہ کو قرآن پاک، پھر حدیث شریف، پھر اجماع امت، پھر علماء اسلام، بالخصوص علماء دیوبند کی عبارات کو لائے ہیں، جس کو ۲۰۱۳ء میں ''التحقیق المتین فی حیات النبی الامین'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب کو اس مجموعہ میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ناشر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

انتساب

دین اسلام اور عقیدہ حیات النبی ﷺ کے تحفظ کی اس کاوش کو بندہ ناچیز ''اپنے والدین مشفقین اعلی اللہ درجتین'' کے نام منسوب کرتا ہے۔ جن کی پرخلوص دعاؤں سے بندہ دینی خدمات میں یہاں تک پہنچا۔

اور...... اپنے چچا جان شاہین ختم نبوت مناظر اسلام فاتح چناب نگر ''حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم العالیہ'' کے نام جن کی آغوش شفقت میں ذوق تعلیم و تعلم نصیب ہوا۔

اور...... اپنے جملہ ''اساتذہ کرام'' کے نام جن کی شب و روز کی تعلیمی و تربیتی جدو جہد کے طفیل اللہ تعالی نے اس بندۂ عاجز کو اس عظیم خدمت حصہ لینے کی توفیق عطاء فرمائی۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للہ الذی بیدہ تصریف الاحوال و تخفیف الاثقال
والصلوٰۃ والسلام علی سید الھادین الی محاسن العقائد، والاعمال
وعلی آلہ وصحبہ المضارعین لہ فی الصفات والاعمال!

ایسے نازک وقت میں جب کہ عالم کے آخری نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ اور دنیا کے سچے رہبر و ہادی احمد مجتبیٰ ﷺ کو رحلت فرمائے ہوئے ساڑھے چودہ سو برس بیتنے کو ہیں۔ مذہب اسلام کے سچے قانون اور اجماعی واتفاقی عقیدوں پر مخالفین کی طرف سے جو بھی حملے ہوئے یا ہوں گے چنداں قابل تعجب نہیں۔ ہر دور میں آپ ﷺ کے لگائے ہوئے باغیچہ کو دشمنان اسلام نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مختلف انداز میں ختم کرنے کی کوششیں کی ہیں اور کر رہے ہیں۔ صرف دشمن ہی نہیں بلکہ اب تو دوست نما اصحاب بھی ان کے جانشین بنے ہوئے ہیں اور اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمانوں کے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا دور بھی آئے گا کہ ایسے اجماعی واتفاقی عقیدوں کا انکار کیا جائے گا؟ اور پر خاش، معاندین، خفیف العقل اور سطحی سوچ کے لوگ بھی بڑی دیدہ دلیری اور جانفشانی سے تعرض کریں گے اور غلط تاویلیں کر کے دین حق کی مسلمات سے انحراف کریں گے اور فتنہ انگیزی میں یہاں تک بڑھ جائیں گے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ جیسے متفق علیہ مسئلہ کا بھی انکار کر دیں گے اور اس بات کی ضرورت پڑے گی کہ آپ ﷺ کی حیات اقدس پر بھی کچھ لکھا جائے اور ان ملحدین کا رد کر کے امت مسلمہ کو ان کے فتنہ سے بچایا جائے۔ بے شک بات بڑی انوکھی ہے۔ لیکن زمانہ کے انقلاب اور نئے نئے فتنوں کی پیدائش نے خدا جانے کتنے محالات کو ممکن بنا دیا ہے۔ انہی فتنوں میں سے ایک فتنہ ''انکار حیات النبی ﷺ'' ہے۔ جو خالصتاً پاکستانی فتنہ ہے۔ دن رات ایک کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سعی نافرجام کر رہا ہے۔ لیکن زمانہ شاہد ہے کہ جب بھی کسی دور میں کسی فتنہ نے سر اٹھایا ہے۔ تو اہل حق نے ہر دور میں ہر فتنہ کا خوب مقابلہ کیا ہے۔ قرآن وسنت کے مظبوط دلائل کی روشنی میں احقاق حق وابطال باطل کا خوب فریضہ سرانجام دیا۔ تحریر وتقریر، مناظرہ ومجادلہ کی صورت میں۔

زیر نظر صفحات انہی اکابر کے رشحات قلم سے دریوزہ گری کر کے بندہ ناچیز نے خامہ فرسائی کی ہے۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دور حاضر میں اجماعی واتفاقی عقیدوں خصوصاً عقیدہ حیات النبی ﷺ کے حوالہ سے خلقت خدا کو جو گمراہ کرنے کی مذموم سعی کی جارہی ہے۔ اللہ عزوجل کی رضاء کے لئے ان کا تعاقب مقصود ہے۔ بندہ نے جو کچھ پیش کیا ہے، اپنے اکابرین کی تعلیمات اور تحریرات کی روشنی میں پیش کیا ہے اور انہیں کی تقلید کو بندہ اپنے لئے طرۂ امتیاز اور سند نجات سمجھتا ہے۔

کتاب کو کچھ یوں ترتیب دیا ہے کہ ہر عقیدہ کو پہلے قرآن پاک، پھر حدیث شریف، پھر اجماع امت، پھر علماء اسلام بالخصوص علماء دیوبند کی عبارات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر آخر میں واقعات کے ساتھ تائید بھی حاصل کی ہے اور کتاب کو ترتیب دیتے ہوئے انتہائی کوشش کی ہے کہ کسی مقام پر کوئی کمی نہ رہ جائے۔ لیکن انسان پھر بھی انسان ہے۔ اس سے غلطی کا نہ ہونا بہت بعید ہے۔ ہوسکتا ہے کہ باوجود کوشش کے کوئی غلطی رہ گئی ہو اور کہیں کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو جس کو آپ حضرات ضروری سمجھتے ہوں۔ تو آپ سے مؤدبانہ اور عاجزانہ التماس ہے کہ

جس جگہ آپ کو غلطی نظر آئے بندہ کو ضرور اس سے مطلع فرمائیں۔ بندہ آپ کا بے حد مشکور ہوگا اور انشاء اللہ! دوسرے ایڈیشن میں اس کمی کوتاہی کو دور کرنے کی بھر پور کوشش کی جائے گی۔

بندہ اپنی گزارشات کے آخر میں ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس میں ہر قدم پر دامے، درمے سخنے غرض جس انداز میں بھی میری مدد اور رہنمائی کی ہے۔ ان سب کا تہہ دل سے شکرگزار ہے۔ خصوصاً اپنے چچا جان شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم کا جنہوں نے ہر موڑ پر حوصلہ آفزائی فرمائی ہے اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب دین پوری دامت برکاتہم کا جنہوں نے پروف پڑھنے میں سرتوڑ کوشش فرمائی اور اسی کے مطابق کتاب کا نام تجویز کیا اور برادر صغیر حضرت مولانا محمد شاہد ندیم صاحب اور برادر محترم جناب یوسف ہارون کا جنہوں نے کتاب کی تصحیح میں وسعت سے زیادہ تعاون کیا اور برادرِ محترم حضرت مولانا محمد انس صاحب کا جنہوں نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری انتہائی مدد کی۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین!

دعاء ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کو اپنی بارگاہ قبول فرما کر بندہ اور اس کے تمام متعلقین کے لئے ذخیرہ آخرت اور پڑھنے والوں کے لئے نافع بنائے۔ آمین!

محمد امین مبارکپوری
فاضل جامعہ باب العلوم کہروڑپکا
۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

تقریظ: شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی ۰ امابعد!

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں۔ دنیاوی اجسام مبارکہ کو قبور مبارکہ میں حیات کا درجہ حاصل ہے: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کی تصریح پر امت محمدیہ کا ایسا اتفاق واتحاد ہے کہ اس میں کسی ایک قابل ذکر شخصیت نے تفرد نہیں کیا۔ جب دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق امت کا یہ عقیدہ ہے تو نبی الانبیاء وخاتم الانبیاء رحمت عالم ﷺ کی ذات اقدس کو تو بدرجہ اولیٰ واتم یہ مقام ومنصب حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور سے درود شریف پڑھا جانے والا آپ ﷺ کی ذات اقدس کے حضور پہنچایا جاتا ہے اور جو آپ ﷺ کے در اقدس روضہ طیبہ پر سلام پڑھا جائے آپ ﷺ نہ صرف سماعت فرماتے ہیں بلکہ جواب سے بھی سرفراز فرماتے ہیں۔ زھے نصیب العظمۃ للّٰہ ولرسولہ وللمئومنین!

زیر نظر کتاب ''التحقیق المتین فی حیات النبی الامین'' کا یہی موضوع ہے۔ اس عنوان پر دلائل وبراہین ان پر منکرین حیات النبی ﷺ کے شکوک وشبہات کے جامع ومدلل عقلی ونقلی جوابات، منکرین حیات النبی ﷺ کے بزعم خود دلائل کا تجزیہ وتنقیہ بہت علمی ومعقول انداز میں کیا گیا ہے۔

مدرسہ عربیہ ختم نبوت مسلم کلونی چناب نگر کے صدر المدرسین حضرت مولانا غلام رسول صاحب دین پوری مدظلہ نے کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھا ہے اور جامعہ باب العلوم کہروڑپکا کے استاذ الحدیث وشیخ التفسیر علامۃ الدھر حضرت مولانا منیر احمد صاحب مدظلہ نے چیدہ چیدہ مقامات سے پڑھا۔ ان دونوں حضرات کی تصویب، کتاب کی ثقاہت کے لیئے کافی ہے۔ برادر عزیز مولانا محمد امین صاحب جو مدرسہ عربیہ ختم نبوت مسلم کلونی چناب نگر کے اعلیٰ کتب کے اساتذہ میں شامل

ہیں، ان کی تصنیف کردہ یہ کتاب ہے۔ حق تعالیٰ ان کی مخلصانہ محنت کو شرف قبولیت اور قبولیت عامہ سے سرفراز فرمائیں۔ ان کے لئے اور ان کے والدین واعزہ کے شفاعت نبوی ﷺ اور نجات خداوندی کا ذریعہ بنائیں۔ مصنف کو حق تعالیٰ بیش از بیش اس کی برکات سے دارین میں مالا مال فرمائیں۔ آمین بحرمت النبی الکریم!

محتاج دعا و دعا گو: فقیر اللہ وسایا

۲۹ / جمادی الاوّل ۱۴۳۴ھ

تقریظ: استاذ الحدیث حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم۔ محمد و آله و صحبه اجمعین اما بعد!

موجودہ دور کے فرقہ معتزلہ ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے متعدد عقائد اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے خلاف ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اپنے آپ کو دیوبندی مشہور کر کے دیوبندی مدارس، مساجد اور دیوبندی علماء کے لئے بدنامی کا سبب بن رہے ہیں۔

اگرچہ بعض دیگر علماء نے مسئلہ حیات کے علاوہ اس فرقہ کے علماء دیوبند سے جدا عقائد کا خاکہ پیش کیا ہے۔ لیکن مولانا محمد امین مبارکپوری فاضل جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا ہزار مبارکباد کے مستحق ہیں کہ بتوفیق الٰہی انہوں نے اس فرقہ معتزلہ کے مسئلہ حیات سمیت دوسرے عقائد باطلہ کا علماء دیوبند کے عقائد صحیحہ کے ساتھ باحوالہ تقابل کر کے عقائد حقہ کو مفصل اور مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نواز کر دنیا میں گمراہ لوگوں کے لئے ہدایت کا اور اہل ہدایت کے لئے استقامت کا اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائیں۔ آمین!

منیر احمد غفرلہ

۵ / ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ: قاطع مماتیت حضرت مولانا ابو احمد نور محمد تونسوی قادری مدظلہ

(مہتمم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ)

حامداً و مصلیاً و مسلماً!

حضرت مولانا محمد امین صاحب زید مجدہ بندہ عاجز کے پاس اپنی اس کتاب کا مسودہ لے کر تشریف لائے اور مجھے اپنی یہ کتاب سنائی۔ ماشاء اللہ مولانا موصوف نے بہت خوب لکھا۔ بلکہ تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

''فرقہ مماتیہ اشاعتیہ'' عصر ہذا کے معتزلہ اور علماء اہل سنت دیوبند کے مابین پندرہ بڑے عقائد میں اختلاف ہے۔

ویسے منکرین حیات قبر کا علماء اہل حق سے بیسیوں مسائل میں اختلاف ہے۔ لیکن بڑے بڑے مسائل یہی پندرہ ہیں۔ جن پر مولانا نے قلم اٹھایا ہے۔

ترکیب یہ رکھی ہے کہ ہر مسئلہ میں پہلے اہل حق کا عقیدہ لکھتے ہیں۔ پھر باطل پرستوں کے عقیدہ کو باحوالہ لکھتے ہیں۔ پھر بعدہ کتاب وسنت کے روشن دلائل سے اہل حق کے مسلک کو مبرہن فرماتے ہیں اور باطل پرستوں کے نام نہاد دلائل کا مدلل رد فرماتے ہیں اور ان کے تمام اوہام اور وساوس کو طشت از بام فرماتے ہیں۔

مولانا نے ہر مسئلہ میں سیر حاصل بحث کی ہے اور کسی گوشہ کو تشنہ تکمیل نہیں چھوڑا۔

عقلی اور نقلی دلائل سے اہل حق کے مسلک کو واضح فرمایا۔ پھر علماء اسلام کی کتابوں سے حوالہ جات کا انبار لگا دیا۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل سنت کا مسلک حق ہے اور اجماع امت کی ان کو تائید حاصل ہے۔

مولانا کی یہ تالیف خاصی ضخیم ہے۔ لیکن کوئی بات فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ میری دانست کے مطابق مولانا کی یہ پہلی تالیف ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کمیاب رہے ہیں۔

بندہ عاجز کو کتاب میں موجود تمام عقائد ومسائل میں پورا پورا اعتماد ہے جو اہل علم اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں گے۔ وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گے جس پر بندہ عاجز پہنچا ہے۔

بندہ عاجز علماء وطلباء سے درخواست کرتا ہے کہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ! آپ کو بہت فائدہ پہنچے گا۔

آخر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالی ہمارے مولانا کی پرخلوص محنت کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور منظور فرمائے۔ مولانا کے لئے آخرت کا ذخیرہ اور ذریعہ نجات بنائے اور عامۃ المسلمین کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی مولانا کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے اور اس قسم کی دینی خدمات کی ہمیشہ ہمیشہ توفیق عطاء فرمائے اور ان کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم ﷺ!

فقط: املاء ابواحمد نور محمد قادری تونسوی
خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ
۳ رشوال ۱۴۳۳ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقریظ: استاذ الحدیث پروفیسر حضرت مولانا محمد مکی صاحب مدظلہ

(مہتمم جامعہ امدادیہ حبیب المدارس یاکیوالی)

عقیدہ حیات النبی ﷺ دین اسلام کے مسلمہ اور غیر مختلف فیہ عقائد میں سے ہے۔ جس میں آج تک اہل سنت والجماعت کے جمیع طبقات متفق ہیں۔ چنانچہ جن ادوار میں اس عقیدہ حقہ کے خلاف کام ہوا ہے۔ اس کے پس پردہ یہود ونصاریٰ ہنود قادیانیت کی قوتیں کارفرما رہی ہیں۔ جو امت مسلمہ کے اذہان سے مقام نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو مجروح کر کے خصائص نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے تنکیر پر لانے کی ناپاک سعی کا تسلسل ہے۔ جو نتیجتاً سلب ایمان کا موجب ہے۔

پروردگار کائنات کی حکمت خاصہ ہے کہ اس نہج کے فتن ابھرتے ہیں اور بزعم خویش قرآن وسنت کا سہارا لیتے ہیں۔ متقدمین اسلاف، امت اسلامیہ سے انحراف کی فضاء پیدا کرتے ہیں۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کا طعن صرف اور صرف ذات نبوت علیہ السلام ومتعلقات نبوت علیہ السلام پر ہوتا ہے۔ تاکہ امت ہدیٰ اپنے مرکز رشد وہدایت سے منقطع ہو جائے۔ یا کم از کم ان کی حیثیت حقیقی سے تزلزل عقیدگی پیدا ہوجائے۔ جس پر ایمان وعمل کی تباہی کے ساتھ بے ادبی نبوت اور اہانت رسالت ﷺ کی مرتکب ہوکر دنیا وآخرت میں نامراد ہوجائے۔ (اعذنا اللہ)

پھر اس پر دینی قوتیں ابھرتی ہیں شخصیات بقاء دین کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔ علمی خزانہ بعد کی ذریت اسلامیہ کے لئے جمع ہوتا ہے۔ تاکہ قیام قیامت تک کے لئے امت اسلامیہ جمیع فتن اور ان کے سدباب کے عوامل کا مشاہدہ وادراک کرے اور صیانت ایمان کے اسباب ذخیرہ کرسکے۔

چنانچہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا ان کا راسی سلسہ کی ایک کڑی ہے۔ جس کے دفاع کے لئے امت محمدیہ علی صاحبا الصلوٰۃ والسلام بلاامتیاز اجماعی طور ہر سامنے آتی ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب ایمان اور محبت نبوت سے لبریز ہیں اور سرمایہ دنیا وآخرت ہیں۔

زیر نظر ضخیم کتاب التحقیق المتین فی حیاۃ النبی الامین جس میں مؤلف حضرت مولانا محمد امین مدظلہ نے انتہائی فصاحت وتفصیل سے ہدایت وضلات، حق وباطل محبت نبوت ﷺ واہانت نبوت کے جمیع پہلو اجاگر کئے ہیں۔

اور منفرد یکتا انداز میں قرآن وسنت واکابر کی عبارات طیبہ ونظریات حقہ اور اہل ضلال کی ضلالت آمیزیاں مبرہن کی ہیں اور تفصیلاً وتمثیلاً، سوالاً وجواباً ہر نوع کے ساتھ اس عقیدہ حقہ کا دفاع فرمایا ہے۔

جو انشاء اللہ ایک طرف تو اس غلیظ طبقہ منکرین حیات النبی ﷺ کے وجہ موہن پر طمانچہ ہے اور دوسری طرف عشق نبوت، محبت نبوت تعلق نبوت کے اظہار کے ساتھ میدان محشر میں قرب نبوت، شفاعت نبوت کی خیرات کے حصول کی سعی تمام کے مترادف ہے۔

دعاء ہے کہ پروردگار مؤلف موصوف مدظلہ کو اجر جزیل مرحمت فرمادیں اور تالیف ہذا کو قبولیت خاصہ نصیب فرمادیں اور موت تک اپنے اسلاف اکابر علماء دیوبند کثرہم اللہ تعالیٰ پر اعتماد تامہ نصیب فرمادیں۔ آمین!

(پروفیسر) محمد مکی عفی عنہ

۶ رجمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ: حضرت مولانا غلام رسول صاحب دین پوری مدظلہ

(صدر مدرس مدرسہ عربیہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر)

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

حضور رحمۃ العالمین شفیع المذنبین خاتم النبیین ﷺ کی امت مرحومہ متوسط ومعتدل ہے اور اس کی شریعت ودین بھی متوسط ومعتدل بحمد اللہ! چودہ سو برس سے اسی دین وشریعت اور افراط وتفریط سے خالی عقیدہ پر امت

مرحومہ قائم ودائم چلی آرہی ہے جس نے بھی جادۂ مستقیم وطریق مستوی سے علیحدہ راہ اختیار کی تو امت مرحومہ نے اسے ناسور سمجھ کر علیحدہ کردیا۔ جوں جوں زمانہ دور نبوت سے دور ہوتا گیا خودرو گھاس کی طرح فتنے رونما ہوتے گئے اور امت مرحومہ کی مقتدر شخصیات ائمہ دین مجتہدین وعلماء راسخین نے آڑے ہاتھوں ان کا تعاقب کیا اور انہیں زیر زمین دفن کر کے دم لیا۔ دور حاضر میں انگریز کے پیدا کردہ فتنوں میں سے ایک فتنہ ''انکار حیات النبی ﷺ'' کا فتنہ ہے۔ جو سابقہ ''فرقہ معتزلہ'' کا نیا انڈیشن ہے۔ جس نے آیات قرآنیہ کی تحریف معنوی اور احادیث صحیحہ کا انکار کر کے ''ضال ومضل'' کا صحیح مصداق بنے۔ تو اکابرین علماء دیوبند نے اس فتنہ کی سرکوبی کی اور اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔

تقریر وتحریر! غرض ہر لحاظ سے اور ہر میدان میں اس کا قلع قمع کر کے امت مسلمہ کو ضلالت کے دہانے سے بچایا۔ صرف اسی پر اکتفاء نہ کیا۔ بلکہ اپنی گراں قدر تصانیف سے بھی امت کو نوازا بالخصوص ''آب حیات، المہند علی المفند، علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، تسکین الصدور، مقام حیات، الحیات بعد الممات سید الکائنات'' وغیرہ جیسی ٹھوس اور مستحکم کتب تا قیامت یادگار چھوڑ گئے۔ جو انشاء اللہ گم کردہ راہ لوگوں کے لئے مشعل کا کام دیں گی اور باطل کا ناطقہ بند کرتی رہیں گیں۔

رفیق محترم، برادر مکرم، حضرت مولانا محمد امین صاحب نے بھی اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چل کر اس سنت کو زندہ کیا اور ایک مضبوط اور مستحکم کتاب ''التحقیق المتین فی حیات النبی الامین ﷺ'' کے نام سے تحریر فرمائی ہے۔ جو اکابرین علماء اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے سلسلۃ الذھب کی ایک مضبوط کڑی ہے۔

اس کتاب میں برادر عزیز نے فتنہ انکار حیات کی تاریخ، عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام بالخصوص عقید حیات امام الانبیاء سید الاولین والاخرین حضور خاتم النبیین ﷺ کو قرآنی آیات واحادیث نبویہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) سے محلیٰ ومزین فرمایا ہے۔ اس کے ضمن میں عام مؤمنین کی حیات وسماع کا مسئلہ، آداب زیارت قبور، بالخصوص آداب حاضری روضۂ اطہر ﷺ بھی ذکر فرماتے ہیں۔ مزید براں مسئلہ توسل واستشفاع، بحث شرعی وعرفی قبر بھی لائے ہیں۔

علاوہ ازیں مسائل ایصال ثواب، وشرائط ایصال ثواب برائے افادہ عوام تحریر فرمائے ہیں۔ مذکورہ بالا جمیع مباحث ودعاوی کو مدلل ومبرہن کرنے کے ساتھ ساتھ فائدہ کا عنوان دے کر ہر ہر مسئلہ اور ہر ہر جزئی کی شاندار عام فہم انداز میں توضیح وتبیین فرمائی ہے۔

بندہ نے مکمل کتاب حرف بحرف پڑھی ہے۔ پڑھ کر دل سے دعاء نکلی ہے کہ: ''اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو''

اس نوع عمری میں اتنی ضخیم کتاب کا لکھنا خاص عنایت خداوندی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں امید وثیق ہے کہ کتاب مذکور کو اس فرقہ ضالہ ومضلہ کے لئے بالخصوص باعث ہدایت فرمائیں گے اور بقیہ امت مسلمہ کے لئے بالعموم اور اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ برادر محترم کی اس اولین کاوش کو شرف قبول بخشیں اور مؤلف موصوف وقارئین کو دارین میں جزائے خیر سے نوازیں۔ آمین • ثم آمین • بحرمة خاتم النبیین ﷺ! والسلام!

محتاج دعاء غلام رسول دین پوری

۱۰ ر جمادی الاوّل ۱۴۳۴ھ

اہل سنت والجماعت اور منکرین حیات وسماع کے درمیان عقائد کا فرق

علماء دیوبند	منکرین حیات وسماع
(۱) تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی مزارات مقدسہ میں بالخصوص سید الانبیاء ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں روح کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ عقیدہ اجماع اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ (نشر الطیب ص ۲۱۰، مقام حیات ص ۲۶۷)	(۱) تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بالخصوص آپ ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ نہیں۔ روح کا قبروں میں رکھے ہوئے جسم عنصری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جو حیات والا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ بدعتی ہیں، گمراہ ہیں۔ (المسلک المنصور ص ۶۳، شرک کیا ہے ص ۴، مسلک الاکابر ص ۴۵، البرہان المحکی ص ۱۴۴)
(۲) مدینہ طیبہ میں روضۂ اطہر کے قریب پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ "دور سے پڑھے ہوئے درود شریف کو فرشتے روضۂ اطہر میں آپ ﷺ کو پہنچا دیتے ہیں اور آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں۔" (تسکین الصدور ص ۵۰، المہند ص ۴، تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۴، نشر الطیب ص ۲۱۱، آب حیات ص ۴۰)	(۲) مدینہ منورہ میں یا دور سے پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ نہ سنتے ہیں، نہ جواب دیتے ہیں۔ (کیا مردے سنتے ہیں ص ۴۰، عقائد علماء اسلام ص ۸۴، مسلک الاکابر ص ۳۱، القول المسند ص ۱۹)
(۳) عرض اعمال روضہ مبارک میں آپ ﷺ کے پاس ہمارے یعنی امت کے اعمال اجمالی طور پر روزانہ پیش ہوتے ہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۵۱۸، تفسیر عثمانی ص ۳۸۸، نشر الطیب ص ۲۱۰)	(۳) عرض اعمال والا عقیدہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔ (عقائد علماء اسلام ص ۴۴۹، اقامت البرہان ص ۲۴۵، تسکین القلوب ص ۱۰۳، تحفہ عجیبہ ص ۳۴۰)
(۴) استشفاع یعنی آپ ﷺ سے عاجزانہ درخواست کرنا کہ یا رسول اللہ آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں۔ یہ جائز ہے۔ عند قبر النبی ﷺ۔ (معارف القرآن ص ۴۵۹، نشر الطیب ص ۲۴۵، آب حیات ص ۴۰)	(۴) آپ ﷺ سے دعاء کی استدعاء کرنا بدعت سیہ ہے۔ گمراہی ہے۔ (القول المسند ص ۳۱، اقامت البرہان ص ۳۱۲، المسلک المنصور ص ۶۷، عقائد علماء اسلام ص ۶۴۹)
(۵) آپ ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے جانا اور صرف زیارت ہی کی نیت سے سفر کرنا فرائض وواجبات کے علاوہ سب سے بڑی نیکی ہے۔ افضل ترین عبادت ہے۔ انتہائی ثواب کا ذریعہ ہے اور یہی نیت کر کے جانا واجب کے قریب ہے اور اجماع سے ثابت ہے۔ (وفاء الوفاء ص ۱۳۷۷ ج ۴، فتح القدیر ص ۱۸۰ ج ۳، در مختار ص ۲۶۳ ج ۲)	(۵) روضہ کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔ بدعت ہے۔ سلف صالحین میں سے کسی نے اس کو مستحب قرار نہیں دیا۔ (تحقیق الحق ص ۴۵، کتاب التوحید فی العبادات الالوہیہ)
(۶) زمین کی وہ جگہ جو آپ ﷺ کے جسد اطہر کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ جہاں آپ ﷺ آرام فرما ہیں۔ وہ جگہ کائنات کی ہر شے سے افضل، اعلیٰ، ارفع ہے۔ اس کے مقابل کوئی شے نہیں۔ حتیٰ کہ عرش وکرسی بھی اس کے مقابل کچھ نہیں۔ (فضائل حج ص ۱۷۷، تاریخ مدینہ ص ۱۳، تسکین الاذکیاء ص ۴۸۶)	(۶) وہ جگہ جو آپ ﷺ کے جسم کو لگی ہوئی ہے۔ وہ عام جگہوں کی طرح ایک جگہ ہے۔ عرش وبیت اللہ سے بھی افضل نہیں۔ کوئی قبر جنت کا باغ نہیں۔ آپ ﷺ کی قبر عام قبروں کی طرح ایک قبر ہے۔ اس کی کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا عقیدہ رکھنے والے غلطی پر ہیں۔ (عقائد علماء اسلام ص ۴۸۶، ندائے حق ص ۴۷۶)

(۷) آپ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کے وسیلے اور ان کے طفیل اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا اور یوں عرض کرنا کہ: "اے اللہ! ان بزرگوں کے واسطہ سے میری دعاء قبول فرما۔ میری مشکلات آسان فرما۔" جائز ہے۔ بعد از وفات ہو یا قبل از وفات ہو۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۲۲، معارف القرآن ص ۱۰۰ ج ۱)	(۷) انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء کرام رحمہم اللہ کے وسیلے سے دعاء کرنا وفات کے بعد شرک ہے۔ بدعت ہے۔ مشرکین کا عمل ہے۔ کلام الٰہی کی تردید ہے۔ جو توسل کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ بدعتی ہیں۔ (کشف الحجاب ص ۹۳، البرہان الجلی ص ۲۰۰، شرک کیا ہے ص ۱۸، ازالہ اوہام ص ۲۵، البصائر ص ۲۵۲)
(۸) شہید کی حیات روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ شہید کی روح کو جن انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ اس میں جسم برابر کا شریک رہتا ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ (نیل الاوطار ص ۱۱۳ ج ۳)	(۸) روح کے جسم عنصری سے نکلنے کے بعد شہید بھی عام مردوں کی طرح بالکل بے جان ہو جاتا ہے۔ جتنے انعامات کا وعدہ ہے۔ وہ سب کچھ روح کے لئے ہیں۔ جیسے کہ ندائے حق میں ہے کہ: "ابدان عنصریہ سے تعلق روح مان لیا جائے تو یہ شرع کے خلاف ہے۔" (ندائے حق ص ۳۲۶)
(۹) معجزات وکرامات کا جس طرح زندگی کی حالت میں انبیاء کرام اور اولیاء کرام سے ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح انتقال کے بعد بھی معجزات وکرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ (فتاویٰ فریدیہ ص ۵۴۵ ج ۱)	(۹) کرامات بعد الموت کے ایک اعتبار سے بھی قائل نہیں۔ (تحقیق حق ص ۷)
(۱۰) قرآن وحدیث میں جہاں لفظ قبر آیا ہے اس سے مراد یہی زمینی قبر ہے۔ جہاں عذاب وثواب کی بات آئی ہے۔ اس سے مراد بھی یہی زمینی قبر ہے۔ یہ قبر حقیقی، شرعی، لغوی، عرفی قبر ہے۔ علیین اور سجین کو کسی نے قبر شرعی نہیں کہا۔ (تسکین الصدور ص ۸۲، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۴۶۲، معارف الحدیث ص ۲۰۴)	(۱۰) اصل شرعی قبر علیین، سجین ہے۔ یہ زمین والی قبر عرفی قبر ہے۔ یہ اصل میں گڑھا ہے۔ اس گڑھے میں کچھ نہیں ہوتا۔ زمینی گڑھے کو قبر کہنا قرآن کا انکار ہے۔ (حیات جاودان ص ۱۶، اقوال مرضیہ ص ۱۹، مسلک المنصور ص ۷۳، عقائد علماء اسلام ص ۶۱۷)
(۱۱) جب انسان فوت ہو جاتا ہے اس کو دفنانے کے بعد روح اسی زمینی قبر میں لوٹا دی جاتی ہے۔ سوال وجواب کے بعد علیین یا سجین میں چلی جاتی ہے۔ لیکن اس کا تعلق اس جسم کے ساتھ جو زمین والی قبر میں رکھا ہے باقی رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے میت دکھ سکھ، آرام و تکلیف محسوس کرتی ہے۔ یہ عقیدہ اجماع سے ثابت ہے۔ (تسکین الصدور ص ۸۲، فتاویٰ عزیزیہ ص ۴۳ ج ۲)	(۱۱) میت کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم کی طرف بالکل نہیں لوٹائی جاتی۔ جیسے البرھان الجلی ص ۱۷۳ پر ہے کہ: "اعادہ روح قبر میں نہیں ہوتا۔" اور اقامۃ البرھان میں ہے کہ: "کتاب وسنت کے نصوص صریحہ اور مسلک جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ومردود ہے۔"
(۱۲) میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو روح کا تعلق اس سے قائم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے میت قبر میں عذاب وثواب، دکھ سکھ محسوس کرتی ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۰۱، کتاب الروح ص ۷۲)	(۱۲) عذاب قبر اس گڑھے میں نہیں ہوتا۔ روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس جسم عنصری کو کوئی راحت وتکلیف نہیں ہوتی۔ یہ جسم سڑ گل جاتا ہے۔ روح کا تعلق ماننے والے جاہل ہیں، معتزلی ہیں، باطل مردود ہیں۔ قرآن کے مخالف ہیں۔ اہل سنت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ (البرہان الجلی ۱۸۱، اقامت البرہان ص ۱۶۱، المسلک المنصور ص ۷۳، عقائد علماء اسلام ص ۶۱۷، صواعق الرسلہ ص ۲۵۸)

(۱۳) مردے قبر میں سلام، کلام، تلاوت سنتے ہیں۔ خوش بھی ہوتے ہیں۔ آنے والے کو پہچانتے ہیں۔ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ یہی راجح قول ہے۔ لیکن یہ سننا سنانا انسان کی قدرت میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ سناتے ہیں یہی قانون ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۸ ج ۳)	(۱۳) سماع موتی شرک ہے، کفر ہے۔ شرک کا ذریعہ ہے۔ جو مردوں کے سننے کے قائل ہیں۔ وہ کافر ہیں، بے دین ہیں۔ (رجوع الی الحق ص ۱۶، کیا مردے سنتے ہیں ص ۴۹، اقوال مرضیہ ص ۵۶، ناشر القرآن ص ۱۲۲، شفاء الصدور ص ۱۰۷)
(۱۴) ایصال ثواب برحق ہے۔ خواہ زندہ کو کیا جائے یا فوت شدہ کو۔ مالی صدقات کے ساتھ ہو یا دوسری عبادات کے ساتھ ہو۔ اس کا فائدہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ (راہ سنت ص ۲۴۹)	(۱۴) اگر مردے کو ایصال ثواب کیا جائے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ روح کا جسم عنصری سے کوئی تعلق نہیں۔
(۱۵) تمام انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص آپ ﷺ اپنی اپنی مزارات مقدسہ میں بعد الوفات بھی اسی طرح حقیقتاً نبی و رسول ہیں جس طرح عالم دنیا میں تھے۔ موت کی وجہ سے اس صفت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ (رحمت کائنات ص ۳۵۷)	(۱۵) رسالت اور نبوت دراصل روح کی صفت ہے نہ کہ جسم عنصری مع الروح کی۔ (ندائے حق ص ۵۰۸ ج ۱)

اشاعت التوحید والسنۃ کا تعارف اور ابتداء

قارئین! انسانوں میں لڑائی ناچاقی تو ابتداء انسانیت سے چلی آرہی ہے۔ یہ لڑائی اور اختلاف کبھی تو ذاتی عناد پر مبنی ہوتا ہے اور کبھی نظریاتی بنیاد پر۔ لیکن نظریاتی اختلاف اس وقت وجود میں آتا ہے جب انسان اپنے اکابر و بزرگان کی اتباع اور پیروی چھوڑ کر اپنی ناقص عقل کو کامل سمجھ کر اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہے۔ قرآن و حدیث کو اپنی عقل کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتا ہے جو کچھ اس کو سمجھ میں آجائے۔ چاہے غلط ہو یا صحیح اس پر اکڑ جاتا ہے۔ اگر اب اس کی سمجھ کے خلاف کوئی حدیث یا قول یا کوئی اصول پیش کیا جائے۔ تو بجائے اس کے وہ اس پر غور کرے۔ جو صحیح ہو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ نہیں! بلکہ پہلے تو پیش کردہ حدیث وغیرہ کی اپنے مسلک اور سمجھ کے مطابق تاویل کرے گا۔ اگر اس کے مسلک کے بالکل عین مطابق آگئی تو ٹھیک۔ ورنہ اس کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ مثلاً کبھی یہ کہے گا کہ یہ حدیث اور روایت بالکل جھوٹی ہے۔ کبھی کہے گا کہ اس کی سند کمزور ہے۔ کبھی کہے گا کہ اس کی سند میں فلاں راوی کمزور ہے۔ کبھی کہے گا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ جعلی ہے۔ جن کا کوئی اعتبار نہیں۔ کبھی کہے گا کہ یہ خبر واحد ہے۔ اس کے مطابق عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ کبھی کہے گا یہ حدیث نہایت ضعیف اور بے اصل ہے۔ یعنی اپنی بات اور اپنے عقیدہ پر نظر ثانی نہیں کرے گا۔ بلکہ منقول شدہ روایت و عقائد کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ پھر بھی اس کو کوئی نیک آدمی خیر خواہی کے طریقہ پر سمجھانا چاہے گا تو اس سے خواہ مخواہ لڑے گا، الجھے گا، شور مچائے گا۔ اب اس کے شور مچانے پر لوگ جمع ہو جائیں گے تو لوگوں کو یہ اپنے عقائد قرآن و حدیث کے مطابق سنانے کے بجائے عقل سے ان کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔ عقلی واقعات سنائے گا۔ لوگ ان کو سن کر ششدر رہ جائیں گے۔ کچھ عقل پرست اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیں گے۔ کرتے کرتے ایک مستقل جماعت اور ایک فرقہ بن جائے گا۔ اب نئی آنے والی نسل بجائے اس کے کہ کچھ تحقیق کرے، حالات پڑھے۔ بلکہ ''قالو اوجدنا علیہ آباءنا'' کا مکمل

مصداق بنتی چلی جائے گی۔ حالانکہ اختلاف کے وقت عقل منداس طریقہ کار پر چلتا ہے جس میں انسان کی دنیا وآخرت کی بھلائی ہو۔ صحیح راہ، راہِ اعتدال، راہِ مستقیم کو تلاش کرے گا۔ تو انشاء اللہ! اسی راستے پر علماء دیوبند کو شروع سے چلتا ہوا دیکھے گا۔ اب راہِ اعتدال راہِ مستقیم کیسے تلاش کرے گا؟ اس کے دو طریقے ہیں:

۱...... اصل طریقہ یہ ہے کہ جو علماء اہل حق ہیں ان کی صحبت اختیار کرے۔ ان کی مجلسوں میں شرکت کرے۔ ان کے عمل اور علم سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور ان کی تحقیقات پر مکمل اعتماد کرے اور پوری زندگی دل وجان سے ان کا احترام کرے۔ انشاء اللہ! کبھی بھی عقائد واعمال میں ٹھوکر نہیں کھائے گا اور نہ پریشان ہوگا۔

۲...... دنیا کا اصول ہے کہ جب بھی کوئی دو آدمی یا فرقے اور جماعتیں لڑ پڑیں تو لوگ دونوں طرف ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ایک فرقے کو صحیح اور دوسرے کو غلط کہتے ہیں اور کچھ دوسرے کو صحیح اور پہلے کو غلط کہتے ہیں۔ لیکن جو عقل مند ہوتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا اور سوچتا ہے کہ لڑائی شروع کس نے کی ہے؟ لڑائی کی بنیاد کیا ہے؟ لڑائی کیوں ہوئی؟ یعنی بجائے کسی ایک طرف ہونے کے وہ اس لڑائی کی وجوہات تلاش کرتا ہے۔ جو وجوہات تلاش کرے گا۔ اس کو پتہ چل جائے گا کہ دونوں میں کھرا کون ہے۔ کھوٹا کون ہے۔ ان دونوں میں سے قصور کس کا ہے؟ بے قصور کون ہے۔ چونکہ آج کل زیادہ تر پہلے طریقہ کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اور دوسرا طریقہ گھر بیٹھے بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اسی دوسرے طریقے کی بنیاد پر ہم ''اشاعت التوحید والسنۃ'' کی تاریخ کو دیکھتے ہیں کہ یہ کب وجود میں آئی؟ کیوں آئی؟ ان کا عقیدہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے۔ جب یہ بغور پڑھیں گے تو انشاء اللہ! صورت حال نکھر کے سامنے آجائے گی۔

اشاعت التوحید والسنۃ یہ جماعت کب اور کیوں بنی؟

اس کا مختصر تذکرہ یہ ہے کہ ۱۳۲۶ھ میں جناب احمد رضا خان ہندوستان سے مکہ مکرمہ جانے لگے تو علماء دیوبند کی کتابوں سے مختلف مقامات سے عبارات نکال کر ان کا غلط مطلب تیار کر کے ساتھ لے گئے اور جا کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء کو یہ باور کرایا کہ علماء دار العلوم دیوبند ہندوستان کے عقائد یہ ہیں۔ جو پہلے سے اس نے تیار کر رکھے تھے وہ سامنے کر دیئے۔ انہوں نے اس پرچہ کو دیکھ کر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ جو کہ مفتی حضرات کا فرض منصبی ہے۔ ہندوستان واپس آ کر ''حسام الحرمین'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کر دیا اور پورے ملک میں یہ افواہ پھیلا دی کہ علماء دیوبند کافر ہیں۔ اندیوبند سے بچنا ضروری ہے جس پر ابھی تک اس کی ذریت عمل کر رہی ہے۔ جب علماء دیوبند کو پتہ چلا تو اس کا تحریری اور تقریری جواب دینا شروع کیا۔

تحریری جواب ''المھند علی المفند'' کی شکل وصورت میں سامنے آیا اور تقریر پہلے ہر ایک اپنے اپنے انداز میں کرتا رہا۔ بال آخر فضلاء دیوبند کی ایک کمیٹی بیٹھی مشورہ کیا کہ ایک ایک ہوتا ہے اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔ ہر ایک علیحدہ علیحدہ کام کرنے کی بجائے آپس میں مل کر صلاح ومشورہ سے کام کریں۔ تاکہ جناب احمد رضا خاں صاحب نے جو مختلف نئے طریقے سے نئے عقائد گھڑے ہیں۔ ان کا کوئی مستقل بندوبست ہو سکے۔ چونکہ اس نے جو نئے کام شروع کئے تھے۔ وہ بدعات پر مشتمل تھے۔ شرک کے قریب قریب تھے۔ ان کے مقابلہ کے لئے کمیٹی نے ایک پلیٹ فارم تیار کیا۔ تاکہ اس سے توحید وسنت کا پرچار اور توحید سے شرک کی روک تھام ہو۔ تو جس طرح ''المھند'' کتاب پر جید علماء سے دستخط کرائے گئے۔ اسی طرح اس پلیٹ فارم کو مضبوط اور مستند کرنے کے لئے ان علماء نے دیوبند کے

بڑے علماء کو اپنے اس پلیٹ فارم پر لاکھڑا کیا۔ جس کا نام ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' رکھا گیا۔ اس وقت ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے تمام علماء عقائد اور مسلک کے لحاظ سے بالکل ٹھیک، سب کے سب مسلکاً دیوبندی۔ آپس میں بڑا پیار اور محبت و اخلاص اور اخلاق وتعاون کی کوخوش گوار فضاء۔ ایسے لگتا تھا جیسے یہ تمام افراد خانہ ہیں۔ رحماء بینھم! کی مثال قائم کی۔ ایک دوسرے کے مدرسوں میں جانا، مسجدوں میں جانا، خانقاہوں اور جلسوں میں بڑے زور شور سے بغیر کسی تکلف وتصنع کے خود بخود پہنچ جانا۔ ان سب کی آپس میں استاذی، شاگردی، پیری، مریدی۔ ایک دوسرے کی تعریف وتحسین ایک دوسرے کی ہر لحاظ سے پشت پناہی۔ غرض ایک ہم مسلک اپنے دوسرے ہم مسلک بھائی کے لئے جو کچھ کرسکتا تھا۔ اس سے بڑھ کر کیا۔ اس تعاون کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ! علماء دیوبند نے جس شان وشوکت سے سفر کرنا شروع کیا تھا۔ اسی طرح سے آج ہی جاری ہے۔ روز بروز نئے مدرسے اور نئی مسجدیں آباد ہورہی ہیں۔ یہ تھی پہلی ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' جو علماء دیوبند کی پوری پوری ترجمانی کرتی تھی۔ (اقتباس از یادگار خطبات ص ۲۴۴)

موجودہ دور کی ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کی تشکیل

وہی ''اشاعت التوحید والسنۃ'' چلتی رہی۔ بالآخر وہی کچھ ہوا جو ''ھابیل اور قابیل'' کے درمیان ہوا تھا۔ دل خون کے آنسو روتا ہے جب اس اختلاف کو دیکھتا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہوا۔ اپنے ہی چراغ سے گھر کو آگ لگ گئی۔ کسی اور نے شرارت کی یا اللہ تعالیٰ ناراض ہوگئے کہ جو وحدت اور شان وشوکت چل رہی تھی وہ ٹوٹ گئی۔ جس کی بنیاد اکابر نے رکھی تھی۔ بالآخر ۱۹۵۶ء میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے سرکردہ رہنما سید عنایت اللہ شاہ گجراتی نے جامعہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ پر جو اپنے دل ودماغ میں پہلے سے لاوہ پکا چکے تھے۔ اس کو اسٹیج پر بیان کردیا اور عقیدہ حیات النبی ﷺ جو اجماعی واتفاقی چلا آرہا تھا۔ اس کا انکار اپنا موضوع سخن بنالیا۔ چونکہ عوام مسلکاً دیوبندی تھی۔ اس نئے عقیدے سے بالکل ناواقف تھی۔ نیا عقیدہ سن کر حیران وپریشان ہوگئی۔ پورا جلسہ اطمنان سے جو پہلے ہو رہا تھا۔ وہ اختلاف کا شکار ہوگیا۔ لوگوں میں چہ مے گوئیاں شروع ہوگئیں۔ ہر ایک دوسرے کو یہ کہہ رہا تھا کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار ابھی ہمارے سامنے شروع ہورہا ہے یا قرآن وحدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے؟ مسلمان بیچارے شک میں پڑ گئے۔ ساری عوام بے چینی میں مبتلا تھی۔ بالآخر بڑے حضرات میں سے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ عوام کی پریشانی کو دور کریں۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے پرزور تقریر کی جس میں شاہ صاحب کے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے علماء دیوبند کے مسلک کو دلائل کے ساتھ اس طرح واضح کردیا کہ اس عقیدہ میں کسی قسم کا تھوڑی دیر پہلے ڈالا ہوا شک وشبہ باقی نہ رہا اور شاہ صاحب کی موجودگی میں یہ بات کہی کہ اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ ونظریہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً آپ ﷺ اپنی اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں۔ اسی جسم عنصری کے ساتھ اور عند القبر پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ جب سب کے سامنے شاہ صاحب کی محنت پر پانی پھر گیا تو وہ لوگ اس جگہ سے اٹھ کر چلے گئے۔

اس مسئلہ پر بجائے اس کے کہ نظر ثانی کرتے۔ الٹا عزت نفس کا مسئلہ بنالیا اور پورے ملک میں تقریر کے لئے یہی عنوان اختیار کرلیا۔ چونکہ علماء دیوبند کے نام سے خوب تشہیر ہوچکی تھی۔ جگہ جگہ اپنے نظریے کی تشہیر کی۔

جس سے نیا گروہ بنالیا۔ جس کی جدید شکل آپ کے سامنے ہے۔ ان لوگوں نے اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کو تکلیف دی ہے۔ آپ ﷺ کی اعلیٰ زندگی کو مردہ کہا۔ بے جان کہا۔ اسی کے ساتھ دیگر نئے عقائد انہوں نے اختراع کئے اور علماء دیوبند کی جماعت سے نکل کر بدعتی اور معتزلیوں کے ساتھ جا کھڑے ہوئے۔

صلح کی پہلی ناکام کوشش

قارئین کرام! جب حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں ''المھند'' کے حوالہ سے پرزور دلائل کے ساتھ یہ واضح کردیا کہ علماء دیوبند کا وہ عقیدہ نہیں جس کو سید عنایت اللہ گجراتی نے بیان کیا ہے۔ اس پر شاہ صاحب آگ بگولہ ہوگئے۔ جامعہ خیر المدارس کے میزبانوں کی طرف سے اسی موقع پر علماء کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ تاکہ افہام وتفہیم کے ذریعے اس مسئلہ کا حل نکالا جائے۔ اجلاس میں بڑے بڑے علماء دیوبند نے شاہ صاحب کو سمجھایا۔ لیکن شاہ صاحب بجائے علماء دیوبند کا مسلک قبول کرنے کے الٹا اور زیادہ بگڑ گئے۔ اجلاس ختم ہوگیا۔ مسئلہ حل نہ ہوسکا۔ علماء دیوبند کو چند سال پہلے جیسے ایک فتنہ نے پریشان کردیا تھا اور اس کے مقابلے میں یہی اشاعت التوحید والسنۃ بنائی گئی تھی۔ بالکل اسی طرح آج پھر ایک فتنہ نے بے چین کردیا۔ اب یہ اشاعۃ التوحید والسنۃ والی جماعت چونکہ علماء دیوبند اہل سنت والجماعت سے بالکل علیحدہ ہوچکی تھی اور انکار حیات النبی ﷺ کا خالصتاً پاکستانی فتنہ بن چکی تھی۔ اب اس گروہ اور فتنہ نے اپنے ذاتی نظریات کی ہر جگہ برملا اعلانا تبلیغ وتشہیر شروع کردی اور ملک کے طول وعرض میں اپنے اختراعی مسائل عوامی سطح پر مشہور کردیئے۔ اب اس کا دفاع ان کی روک تھام اور عوام کو اختلاف وانتشار سے بچانا اور حق بات پہنچانا جو علماء حق کی ذمہ داری اور فرض منصبی ہے اور علماء دیوبند کا اختیاری وصف ہے۔ اس نئے گروہ کی روک تھام کے لئے ویسے تو تمام کے تمام علماء دیوبند متفکر ہوچکے تھے۔ لیکن سرفہرست حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان دونوں حضرات نے ان کا خوب تعاقب کیا۔ جس طرح کہ کرنے کا حق تھا۔ پورے ملک میں ان کا ناطقہ بند کردیا تھا۔ اب جب کہ نظریاتی جنگ شروع ہوگئی تو اشاعت التوحید والسنۃ کی طرف سے جو پیش پیش تھے۔ وہ سید عنایت اللہ شاہ گجراتی، حضرت مولانا غلام اللہ خان، حضرت مولانا قاضی نور محمد، حضرت مولانا قاضی شمس الدین، حضرت مولانا احمد حسین سجاد بخاری، حضرت مولانا منور حسین صدیقی وغیرہ شامل تھے۔

صلح کی دوسری ناکام کوشش

بالآخر کچھ عرصہ کے بعد شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹ر جون ۱۹۶۰ء کو اپنے مرکز شیرانوالا دروازہ لاہور میں دونوں فریقوں کے بڑے بڑے علماء کا ایک خاص اجلاس طلب کیا۔ تاکہ صلح کی کوئی راہ نکل آئے اور مسئلہ کا کوئی حل تلاش کیا جاسکے۔ اس اجلاس کے ساتھ نام نہاد اشاعتیوں نے یہ حشر کیا کہ سید عنایت اللہ شاہ گجراتی اور ان کے رفقاء مختلف علاقوں سے عوام کی بسیں بھر کر لے گئے۔ اجلاس تھا صرف خاص خاص علماء کا۔ ان حضرات نے عوام میں یہ بات مشہور کردی کہ مناظرہ ہے۔ مجادلہ ہے، چلو، لاہور چلو۔ جب اتنی عوام جمع ہوگئی تو صلح کی یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ اس کے بعد پھر ملک بھر میں جنگ وجدال کا بازار گرم رہا۔ مخلص حضرات دیوبندیت کو پارہ پارہ دیکھ کر خود پارہ پارہ ہورہے تھے۔

صلح کی تیسری ناکام کوشش

تیسری دفعہ پھر چند اکابر نے صلح کی کوشش شروع کردی۔ چنانچہ ۵/جنوری ۱۹۶۱ء کو سکھر میں دونوں حضرات کے علماء کا ایک بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں یہ طے ہوا کہ فیصلہ کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو فیصل تسلیم کرلیا جائے۔ ان کے سامنے ایک نشست قائم کی جائے۔ جو وہ فیصلہ کریں دل وجان سے تسلیم کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ۱۷/اور ۱۸/جنوری کو سکھر میں اجلاس رکھا گیا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی انہی دنوں میں ایک تقریر کے سلسلہ میں گرفتاری کا حکم نامہ جاری ہوگیا۔ اجلاس نہ ہوسکا۔ اس کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احتشام الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سہولت کے لئے دونوں فریقوں سے تحریری طور پر موقف طلب کیا۔ تاکہ اس تحریر کی روشنی میں فیصلہ تک رسائی آسان ہوجائے اور ان کا مؤقف بھی تحریری طور پر واضح ہوجائے۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مدعا اور موقف لکھ کر بھیج دیا۔ لیکن شاہ صاحب نے اپنا موقف اور نظریہ لکھنے سے انکار کردیا۔ جس پر آج بھی اس کی ذریت عمل پیرا ہے۔ صلح کی یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی۔

صلح کی چوتھی کوشش

حسن اتفاق سے ۲۶/اپریل ۱۹۶۲ء میں مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے۔ صورت حال اخباروں اور رسالوں کے ذریعے آپ کو معلوم ہوچکی تھی۔ حضرت مولانا غلام اللہ خان اور سید عنایت اللہ شاہ نے لاہور کے قیام میں حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نزاع وجدال کا پرزور شکوہ کرتے ہوئے اس صورت حال کے نقصان کی طرف توجہ دلائی۔ جس پر دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ ہم بھی اس صورت حال سے دل گرفتہ ہیں اور دلی تنگی محسوس کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم کو اہل سنت والجماعت علماء دیوبند سے خارج قرار دیا جارہا ہے۔ آپ مہربانی فرمائیں۔ واسطہ بن کر اس مسئلہ کو ختم کرادیں۔ حضرت نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے بھرپور کوشش شروع کردی۔ چنانچہ اس محنت کا ثمرہ ۲۲/جون ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی کے اجلاس میں ظاہر ہوا۔　　(عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا عبدالحق خان بشیر ص ۱۹)

درج ذیل تحریر فریقین کے سامنے رکھی کہ: ”وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بتعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔“

اس تحریر پر حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام اللہ خان، حضرت مولانا قاضی نور محمد نے دستخط فرمادیے۔ لیکن سید عنایت اللہ شاہ گجراتی اس اجلاس میں شریک نہ ہوئے اور نہ ہی مذکورہ تحریر پر دستخط کیے۔ دستخط کرنے والے حضرات نے حضرت شاہ صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنی روایتی ضد پر قائم رہے۔ جو مسئلہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشترک طور پر لکھا تھا۔ اس پر شاہ صاحب نے دستخط کرنے سے صاف انکار کردیا۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا قاضی شمس الدین اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ مل کر

دوبارہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے روانگی سے صرف ایک دن پہلے ان کی رہائش گاہ پر جا پہنچے اور اپنی تحریر میں جو کچھ پہلے لکھا گیا تھا اس میں ردو بدل کی درخواست کی۔ جس پر حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے کو حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر کے واپس دیوبند تشریف لے گئے اور ایک خط لکھ کر حضرت خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو روانہ فرمایا جس میں اپنا تاثر یوں ظاہر کیا کہ راولپنڈی میں جو صلح ہوئی تھی۔ وہ دو تحریریں تھیں۔ ایک نفس مسئلہ کے بارہ میں اور دوسری سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کے بارہ میں۔ وہ دوسری تحریر یہ تھی کہ ہم یعنی حضرت مولانا قاضی نور محمد اور حضرت مولانا غلام اللہ خان اس بات کی پوری کوشش کریں گے کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ والی تحریر پر حضرت شاہ گجراتی سے دستخط کرائیں۔ اگر اس نے دستخط نہ کئے تو ہم مسئلہ حیات النبی ﷺ کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کریں گے اور اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات النبی ﷺ پر تقریر نہ کرائیں گے۔ اگر اس مسئلہ پر کوئی مناظرہ وغیرہ ہوا تو ہم اس کی معاونت نہ کریں گے۔ آگے دستخط کر دیئے۔

اس دوسری تحریر میں کچھ پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں اور اندازہ یہ کیا جا رہا ہے کہ اس میں توازن باقی نہیں رہے گا اور بہت ممکن ہے کہ عملی میدان میں اس کی پابندی دشوار ہو جائے اور اس معاہدے کے توڑنے کا کسی فریق پر الزام آئے۔ اس لئے آپ مہربانی فرما کر دونوں حضرات کے چیدہ چیدہ حضرات کو دوبارہ جمع کریں اور اس دوسری تحریر کی بجائے نیا عملی معاہدہ قلم بند کر دیں۔ جس سے یہ مصالحت بھی برقرار رہے اور کوئی فریق پابند اور مقید ہو کر بھی نہ رہ جائے۔ اگر آپ کی موجودگی اور سرکردگی میں دونوں فریق اس میری تحریر کو ختم کر کے دوسری تحریر مرتب کریں تو بندہ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ احقر کی رائے یہ ہے کہ جب تک دوسری تحریر مرتب نہ ہو اس میری تحریر کو کالعدم تصور کریں۔ اس لئے نئی تحریر مرتب کرانے میں امکانی حد تک عجلت سے کام لیا جائے۔ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فریقین کے پانچ پانچ علماء کو جامعہ خیر المدارس میں بتاریخ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۲ء کو طلب کر لیا۔ بحث و مباحثہ کے بعد یہ فیصلہ لکھا گیا کہ سید عنایت اللہ شاہ گجراتی، مولانا غلام اللہ خان کسی جلسہ اور طلباء کے سامنے کبھی بھی مسئلہ حیات النبی ﷺ پر تقریر نہیں کریں گے اور مولانا غلام اللہ ان سے اپنی برأت نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ مناظروں میں شرکت کریں گے (جو مناظرے حیات النبی ﷺ کے علاوہ ہوں گے) نیز یہ قرار پایا کہ موجودہ تلخی دور کرنے کے لئے مولانا غلام اللہ اور سید عنایت اللہ مع اپنی جماعت کے اور مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ مع اپنی جماعت کے کسی سٹیج پر اور نہ کسی مدرسہ کے طلباء کے مجمع میں اس مسئلے پر مفصل تیاریاں کرائیں گے۔ (آگے دستخط)

دستخط......علمائے دیوبند	دستخط......منکرین حیات وسماع
خیر محمد عفا اللہ عنہ، بمقام خیر المدارس ملتان	لاشئی غلام اللہ خان
محمد علی جالندھری بقلم خود	عنایت اللہ
لال حسین اختر بقلم خود	احقر شمس الدین عفی اللہ عنہ
عبدالرحمٰن میانوی بقلم خود	احقر احمد حسین سجاد بخاری
محمد عبداللہ بقلم خود	محمد یار عفی اللہ عنہ۔۔۔۔منور حسین صدیقی بقلم خود

صلح کے بعد عہد شکنی

قارئین کرام! اس متفقہ تحریر کے بعد ہر دیوبندی نے سکون و اطمنان کا اظہار کیا۔ ایک دفعہ پھر ایسے لگا جیسا مسلکی فضاء خوش گوار بن گئی ہے۔ لیکن شومئ قسمت بعض عناصر کو یہ صلح پسند نہ تھی اور یہ فیصلہ دل و جان سے قبول نہ تھا۔ اسی وقت سے ان حضرات نے دوبارہ اس صلح کو ختم کرنے اور معاہدہ کو توڑنے اور علماء دیوبند کو دولخت کرنے کے لئے اپنی زیر زمین سرگرمیاں آہستہ آہستہ شروع کردیں۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ صلح کرنے والے دونوں طرف سے بڑے حضرات دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کو میدان خالی نظر آیا۔ جو صلح ان کے اکابر نے کی تھی۔ اس کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی سرگرمیوں کو وسیع کرنا شروع کردیا۔ پہلے صرف ایک مسئلہ میں اختلاف تھا۔ اب ان لوگوں نے درجنوں مسائل کے اندر نمایاں اختلاف کیا اور حقیقی طور پر دیوبند سے خارج ہوئے۔ اختلاف کو ایسے ہوا دی جیسے یہ اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف ہے۔ ادھر ہمارے حضرات حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق احتیاط اور اجتناب سے کام لیتے رہے۔ بالآخر اب مجبور ہوکر وہ بھی میدان میں اتر آئے۔ حقیقی فیصلہ اب ”مالک یوم الدین“ کے پاس ہوگا۔ البتہ اس صلح کا علماء دیوبند کو نقصان یہ ہوا کہ جب صلح کی خبریں پورے ملک میں اخباروں اور رسالوں کے ذریعے پہنچ گئیں تو صلح کی خبروں نے اور علماء دیوبند کی احتیاط نے ان لوگوں کے لئے میدان بالکل خالی کر دیا۔ ان عیار لوگوں نے وقت کو ضائع کئے بغیر اپنے اپنے خاص عقیدتمندوں اور اپنے مدرسہ کے طلباء کو اپنے مخصوص نظریات خوب پڑھائے۔ خصوصاً دورہ ہائے تفسیر کے طلباء کو ان لوگوں نے خوب آشکارا کیا۔ اپنے مدرسوں اور مسجدوں میں طلباء کی ایسی ذہن سازی کی کہ وہ اب ان کے عقائد و مسائل ہی کو علماء دیوبند کے مسائل سمجھتے ہیں۔ اب ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس نئی نسل کو حقیقت سے بالکل بے خبر رکھا جو کہ اہل باطل کا طریقہ ہوتا ہے۔ ان کو ابتداء سے انتہاء تک یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہم ہی اصل اہل سنت دیوبند ہیں اور شروع سے چلے آرہے ہیں۔ ہمارے اوپر ظلم ہو رہا ہے کہ ہم کو دیوبند سے خارج کہتے ہیں۔ اس ظلم سے بچنے کے لئے تقیہ کا طریقہ اپناؤ۔ ان کے مدرسہ میں جاؤ تو اپنے عقائد چھپا کر رکھنے ہیں۔ ظاہر نہیں کرنے۔ ان کی خوب خوشامد کرو۔ تاکہ ان کو یقین ہوجائے کہ یہ ہمارے ہی دیوبندی ہیں۔ ایسے ہی عام لوگوں میں تقیہ کی چادر اوڑھ کر رکھو اور سادہ لوح عوام کو دھوکہ دے کر گمراہ کرتے رہو۔ یہی تمہارا مشن ہے۔ اسی پر دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ اسی مشن کو لے کر یہ خود بھی اور ان کی نئی نسل بھی آگے بڑھ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ علماء حقہ کو جزائے خیر عطاء فرمائے جنہوں نے ان کے مقابلہ میں سرتوڑ کوشش کی اور ان کے مشن کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ اسی مشن کو خاک میں ملانے کے لئے ہر ایک نے اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق کام کیا۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ہے۔ آپ ﷺ کے وسیلہ اور برکت سے عاجزانہ اور فقیرانہ دعا کرتا ہوں اور قارئین کرام سے بھی التجاء ہے کہ آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔ آمین! (مزید تفصیل معیار صداقت از مولانا نور محمد تونسوی، سوانح و افکار مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھئے)

نوٹ: یاد رہے کہ اس نام نہاد فرقہ کو بندہ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ سمجھاتے ہوئے جہاں کہیں بھی لکھا ہے تو ”منکرین حیات“ یا ”منکرین حیات وسماع“ کے نام سے لکھا ہے۔ محض اس لئے کہ اس فرقہ کو اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے۔ دوسرا مسلمانوں کو ان کے فتنہ اور فریب سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

عقیدۂ حیات النبی ﷺ...... پہلا اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

اہل السنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں اسی دنیا والے جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہ حیات اور زندگی، حیات برزخی، حیات حسی، حیات جسمانی اور حیات دنیوی اور روحانی کہلاتی ہے۔ نام مختلف ہیں۔ مطلب سب کا ایک ہے۔ اسی حیات کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام بطور تلذذ کے اپنی اپنی مزات مقدسہ میں اللہ رب العزت کی عبادت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ حیات ہم کو محسوس نہیں ہوتی اور ہمارے شعور میں نہیں آسکتی۔ یہی عقیدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے۔ اسی عقیدے کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک کا آپ کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے رزق اور اجسام کی بقاء، ادارک وشعور، احساس وعلم، حاصل ہیں۔ صرف اور صرف یہ سمجھ لینا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو حیات روحانی اور معنوی اور حیات برزخی حاصل ہیں۔ جو عام مومنین کو بھی حاصل ہے۔ یہ صحیح نہیں بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت اور عام مومنین کی موت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی اور عام لوگوں کی حیات برزخی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات کا عقیدہ اور نظریہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت اور عام لوگوں کی موت میں میں کوئی فرق نہیں۔ موت کے بعد کسی کو بھی اس زمین والی قبر میں کسی قسم کی کوئی حیات حاصل نہیں ہوتی۔ چاہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام ہوں یا عام مردے ہوں۔ کسی کی روح کا جسم عنصری کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے نہ ان کو حیات دنیویہ حاصل ہے، نہ حیات جسمانیہ، نہ حیات حسیہ۔ نہ کچھ ان کو شعور ہوتا ہے۔ نہ آنے جانے والوں کا کوئی احساس۔ نہ علم نہ رزق حاصل ہوتا ہے۔ نہ کسی کا سلام سنتے ہیں، نہ کلام اور نہ ہی کوئی جواب دیتے ہیں۔ گویا جیسے پتھر اور لکڑی کو کچھ حیات نہیں۔ ایسے ہی تمام فوت شدگان کو کچھ حیات نہیں۔ (عقائد علماء اسلام اور عقیدۃ الامت مولوی شہاب الدین ص ۱۸)

منکرین حیات کا عقیدہ ان کی عبارات سے

۱...... ''انبیائے کرام زمینی قبروں میں زندہ نہیں۔'' (السامیر النار یہ ص ۱۹۱)

۲...... ''مسئلہ حیات النبی ﷺ شرکیات وبدعات کا بنیادی بیج ہے۔'' (۱۳۵ سوالات مولوی ایاز ص ۱۰)

۳...... ''حیات النبی ﷺ پر دلائل دینے والے شرک کے کھیت کے دہقان ہیں۔'' (شرک کیا ہے ص ۴)

۴...... ''لان الحياة و تعلق الروح بالبدن هذه الحفرة ليس بثابت من القرآن و لا من الحديث الصحيحه'' (الصوعق المرسلہ ۲۷۵)

۵...... ''حیات روحانی ہے۔ بالاجساد نہیں۔'' (اقوال مرضیہ ص ۲۷)

۶...... ''قانون یہ ہے کہ آپ ﷺ عند القبر نہیں سنتے۔'' (القول المسند ص ۹)

۷...... ''روضہ میں زندہ سمجھنا بریلوی، روافض کا مسلک ہے۔'' (التقید الجوھری ص ۸)

۸...... ''قبر سے مراد انبیاء کے لئے علیین ہے۔ وہاں زندہ ہیں جسم مثالی کے ساتھ۔'' (سیف الاورکزائی محمد جمیل ص ۶۸، ۷۳)

قارئین! دلائل سے پہلے آپ حضرات چند باتیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔ تا کہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص آپ ﷺ کی حیات کا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جائے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر دنیا میں موت آئی ہے۔ اس موت کے آنے کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ اگر چہ کیفیت موت میں انبیاء علیہم السلام اور دیگر عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن قانون موت میں انبیاء وغیرہم مشترک ہیں۔ اسی موت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی تریسٹھ سال زندگی ہے۔ اسی موت کی وجہ سے آپ ﷺ کو کفن دیا گیا اور قبر مبارک میں اتارا گیا اور خلافت راشدہ کا سلسلہ چلا۔ وغیرہ وغیرہ! دوسری بات یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح اور بالخصوص آپ ﷺ کی روح مبارک اپنے اپنے ٹھکانہ میں زندہ ہے۔ اس روح پر کسی قسم کی کوئی موت واقع نہیں ہوئی اور نہ ہو گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دنیا والا اصلی جسم عنصری اپنی اپنی قبروں میں تر و تازہ پھول کی طرح محفوظ و موجود ہے۔ ان تینوں باتوں میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص آپ ﷺ کی روح مبارک کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق ہے۔ اسی وجہ سے وہ زندہ ہیں۔ منکرین حیات نے ۱۹۵۸ء میں یہ عقیدہ بنایا کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اجساد کو کوئی حیات حاصل نہیں ہے۔ جب مسئلہ اور اختلاف بالکل واضح اور صاف ہو گیا تو اب آنے والے دیوبندی عقیدہ کے دلائل سب کے سب اس بات پر ہوں گے کہ ارواح کا اجساد کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اجساد زندہ ہوتے ہیں۔ جب کہ منکرین حیات وہ دلائل دیں گے جن سے پہلے والی تین باتیں ثابت ہوں۔ یعنی موت کا واقع ہونا۔ ارواح کا زندہ ہونا۔ جسم کا محفوظ ہونا۔ جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ جس میں اختلاف ہے اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ ہی قرآن و حدیث سے اور نہ ہی کسی صحابی رضی اللہ عنہ یا تابعی رحمۃ اللہ علیہ یا تبع تابعی رحمۃ اللہ علیہ یا امام و مجتہد کا قول۔ نہ ہی منکرین حیات کوئی ایسی دلیل اور قول پیش کر سکتے ہیں جس میں اس بات کی صراحت ہو کہ روح کا جسم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اسی زمینی قبر میں کسی کو کچھ حیات نہیں۔ قیامت تک ان کے ہاں سے نہ دلیل ملے گی اور نہ اب تک ملی ہے۔ جب بھی دلیل دیں گے تو دھوکہ یہ دیں گے کہ دیکھو روح زندہ ہے۔ موت واقع ہے۔ روح علیین میں رہتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اس کا کوئی تعلق جسم سے نہیں۔

قارئین! ان کی باتوں پر ذرا غور فرما لیا کریں تو انشاء اللہ! کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ کیونکہ اگر روح علیین اور سجین میں ہو تو اس سے یہ بات کہاں سے ثابت ہو گئی کہ اس کا تعلق اجسام کے ساتھ کچھ نہیں۔ جیسے کہ منکرین کہتے ہیں۔

حیات دنیویہ کا مطلب

انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص آپ ﷺ اسی دنیا والے جسموں کے ساتھ قبور مبارکہ میں زندہ ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ موت ہی ان پر واقع نہیں ہوئی۔ جیسے کہ منکرین حیات الزام لگاتے ہیں کہ حیات دنیاوی کا دیوبندی حضرات یہ مطلب لیتے ہیں کہ موت ہی واقع نہیں ہوئی۔ یہ سراسر غلط بیانی اور بہتان ہے دیوبندی حضرات پر۔

حیات برزخی کا مطلب

قارئین! حیات برزخی کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا سے جانے کے بعد اسی دنیا والے جسموں کے ساتھ عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ یعنی ان کو حیات برزخیہ حاصل ہے اور عالم برزخ کہا جاتا

ہے کہ مرنے کے وقت سے لے کر قیامت کے دن تک کا جو وقت ہے۔ وہ عالم برزخ ہے۔ اسی وجہ سے حیات قبر کو حیات برزخ یا برزخیہ کہتے ہیں۔ حیات دنیوی کہنے سے حیات برزخیہ کا انکار بالکل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ منکرین حیات دھوکا دیتے ہیں کہ دیوبندی حیات دنیاوی مانتے ہیں اور حیات برزخی کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا کوئی انکاری نہیں۔ کیونکہ مرنے کے فوراً بعد حیات برزخی خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ جب موت مانتے ہیں تو حیات برزخی خود بخود مان لی۔ جب موت کا کوئی انکاری نہیں تو حیات برزخی کا بھی کوئی انکاری نہیں۔

حیات جسمانی کا مطلب

عالم برزخ وقبر میں چونکہ اسی دنیا والے اجسام مطہرہ کو حیات اور زندگی حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حیات جسمانی انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔

حیات حسی کا مطلب

انبیاء کرام علیہم السلام کو قبر مبارک میں جو حیات حاصل ہے۔ وہ خود ان کے حق میں حسی ہے۔ بایں طور کہ وہ اپنے جسم مبارک کے تمام اعضاء شریفہ میں حیات کے آثار محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح کہ دنیا میں ایک تندرست انسان روح کا اثر اپنے تمام اعضاء میں محسوس کرتا ہے۔ بخلاف مفلوج اور مشلول (فالج اور شل جسم والا انسان) کہ فالج کی وجہ سے ان کے اعضاء کام نہیں کرتے۔ یعنی اپنے اعضاء میں وہ حس نہیں پاتے۔ (تسکین الصدور ص ۳۸۵) یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اسی دنیا والے اجسام مطہرہ کے ساتھ زندہ ہیں تو ان کو شعور احساس، ادراک، علم، رزق، سب چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ سب چیزیں جب حاصل ہیں تو احساس خود بخود ثابت ہو گیا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کو حیات حسیہ حاصل ہے۔

حیات روحانی کا مطلب

چونکہ عالم برزخ میں ارواح مقدسہ ومطہرہ اصل ہیں اور اجسام ارواح کے تابع ہوتے ہیں۔ یعنی ہر کام میں روح مقدم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حیات روحانیہ یا روحانی حاصل ہے۔ جو ایک عام انسان کو حاصل ہے وہ اور ہے اور جو انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے وہ اور ہے۔ ان کا آپس میں اتنا فرق ہے جتنا چراغ اور سورج کا۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اقویٰ اعلیٰ ہوتی ہے بمقابلہ عام مؤمنین کے۔

عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام قرآن کریم کی روشنی میں

دلیل نمبر ۱...... ’’واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الهة يعبدون (زخرف: ۴۵)‘‘ (اور آپ ان سب رسولوں سے سوال کیجئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے کہ ہم نے رحمن کے علاوہ دوسرے معبود بنا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے) یعنی سارے نبی صرف اور صرف توحید کا ہی پیغام لے کر آئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فائدہ! تفسیر کبیر ص ۲۱۶ ج ۲۷، تفسیر مظہری ص ۳۶۴ ج ۱۰، تفسیر نسفی ص ۱۲۰ ج ۱۴ اور ان کے علاوہ کئی تفسیروں میں یہ بات آئی ہے کہ معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام انبیاء کرام کو اکٹھا کیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

نماز میں سب کی امامت کرائی۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو کہا یا محمد: "من ارسلنا من قبلک" کہ اب سب انبیاء کرام علیہم السلام موجود ہیں۔ آپ ﷺ ان سے پوچھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کوئی معبود بنایا ہے کسی زمانے میں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے۔ مجھے کوئی شک نہیں۔ لہذا میں نہیں پوچھوں گا۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے حیات انبیاء کرام علیہم السلام ثابت ہے۔ اب آپ حضرات غور فرمائیں کہ وہ حیات کس طرح ثابت ہے؟ جب رسولوں کے ساتھ ملاقات ہو رہی ہے تو رسول صرف روحیں تھیں؟ یا رسول جسم مثالی کے ساتھ تھے؟ یا کہ جسم عنصری کے ساتھ بدخول روح کے رسول تھے۔ یہ آخری بات متعین ہے کہ سب رسول جسم عنصری کے ساتھ بدخول روح موجود تھے۔ تو وہ روح اب تو جسموں میں داخل نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ سب رسول وانبیاء کرام علیہم السلام پہلے سے اپنی قبروں میں زندہ تھے ان کو بیت المقدس میں جمع کیا گیا۔

اعتراض...... اگر انبیاء کرام علیہم السلام سارے کے سارے یہاں زندہ تھے تو پھر قبروں میں کیا تھا؟ جو آپ ﷺ دیکھ کر آئے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے؟

جواب...... اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ معراج تو ہے ہی سارا قدرت خداوندی کا کامل نمونہ۔ جب آپ ﷺ مسجد حرام سے بیت المقدس تک اتنے تھوڑے وقت میں پہنچ سکتے ہیں تو باقی انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں سے اجسام مطہرہ کے ساتھ وہاں تشریف لے آئیں تو کیا حرج ہے؟ اس میں کونسا استحالہ لازم آ گیا ہے؟

دلیل نمبر ۲ ......"یا ایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (حجرات: ۲)"
(اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو)

فائدہ! اہل سنت اور جمہور مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ روضۂ پاک کے قریب کامل ادب اور کامل احترام کا خوب لحاظ رکھنا چاہیے۔ جس طرح کے آپ ﷺ کی زندگی کے میں تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کی حدود میں اپنی آوازوں کو ہمیشہ پست اور آہستہ رکھنا چاہیے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور سنتے ہیں۔ تاکہ آپ ﷺ کو ہماری آوازوں سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "آپ ﷺ کے سامنے اپنی آواز بلند کرنا جائز نہیں۔ نہ وفات سے پہلے۔ نہ وفات کے بعد۔" (شفاء السقام) اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ: "دو آدمی اپنی آواز کو مسجد نبوی ﷺ میں بلند کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بلوا کر پوچھا کہ کس علاقے سے تعلق رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم مسافر ہیں۔ طائف سے آئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مہمان نہ ہوتے اور مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا۔ اس لئے کہ تم مسجد نبوی ﷺ میں روضۂ رسول ﷺ کے سامنے اپنی آوازیں بلند کر رہے تھے۔" (بخاری شریف ص ۶۷ ج ۱، شرح الشفاء ص ۱۶۰ ج ۲)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنی آواز کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کرو۔" (مرقاۃ ص ۲۲۳ ج ۲) دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ: "آپ ﷺ زندہ ہیں موت کے بعد بھی۔ جیسا کہ حالت حیات میں تھے۔" (شرح الشفاء ص ۱۶۰ ج ۲)

دلیل نمبر ۳ ......"ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ۰ بل احیاء ولکن لاتشعرون (بقرہ: ۱۵۴)" (اور تم مت کہو ان کو مردہ جو اللہ کے راستے میں قتل کیے جائیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم نہیں جانتے اور شعور نہیں رکھتے)

فائدہ! تفسیر جلالین میں ہے کہ ’’شہداء حیات اخروی جسم اور روح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں۔‘‘ ’’شہداء کی حیات جسمانی ہے۔ کیونکہ شہداء کی حیات کو دنیا والی حیات سے ممتاز اور اعلیٰ بتایا گیا ہے اور اعلیٰ تب ہوسکتی ہے جب یہ حیات جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہو۔ اگر صرف روحانی ہو اور صرف روح کو حیات حاصل ہو جسمانی نہ ہو تو دنیا کی حیات سے ہرگز بہتر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہاں حیات روح اور جسم دونوں کو ہے۔ وہاں صرف روح کو۔ گویا آدمی حیات ہوئی دنیا والی حیات کے مقابلہ میں۔ اس لئے یہ کہنا ضروری ہوگا کہ شہداء کی حیات روح مع الجسد کے مانی جائے۔ جب شہداء کی حیات روح مع الجسد کے ثابت ہوگئی تو انبیاء کرام علیہم السلام جو ان سے درجے میں کئی حصے بڑھ کر ہیں۔ وہ بطریق اولیٰ زندہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ شہداء سے اعلیٰ، افضل اور اولی ہیں۔ حتیٰ کہ اس حیات انبیاء کرام کے اثرات دنیا میں بھی باقی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ازواج مطہرات سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد نکاح بالکل جائز نہیں رکھا گیا اور میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی۔ بخلاف شہداء کے۔ ان کی ازواج سے نکاح جائز ہے اور میراث بھی تقسیم ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ شہداء کی حیات انبیاء کی حیات سے افضل نہیں ہے۔‘‘ (تفسیر روح المعانی ص ۲۰ ج ۲، تفسیر مظہری ص ۲۶۲ ج ۱) قارئین! اسی آیت کے تحت تمام مفسرین نے کہ حیات شہداء روح مع الجسد کو ثابت کیا ہے اور انبیاء کرام علیہ السلام کی حیات کو بھی ثابت کیا ہے۔

دلیل نمبر ۴ ...... ’’ولقد آتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائه (سجده: ۲۳)‘‘ (البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) دی ہے۔ پس آپ اس کی ملاقات میں شک نہ کریں)

فائدہ! اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’لقائه‘‘ کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس آیت میں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونے کی خبر دی جارہی ہے اور یہ فرمایا جارہا ہے کہ آپ ﷺ اس میں شک نہ کریں اور آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ گندمی رنگ، لمبا قد اور گھونگریالے بال۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قبیلہ شنوءۃ کے ایک آدمی ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۳۸ ج ۱) اسی طرح شیخ الاسلام علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں کہ: ’’آپ ﷺ کو فرمادیا کہ تمہاری جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شب معراج میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ سچ اور حقیقت ہے۔ کوئی دھوکہ یا نظر بندی نہ تھی۔‘‘ قارئین! آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں کہ یہ ملاقات بھی موسیٰ علیہ السلام کی حیات پر واضح دلالت کرنے والی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی روح مع الجسد کے ساتھ زندہ ہیں۔ کیونکہ آپ علیہ السلام نے وہ صفات بیان فرمائی ہیں جو دنیا والے جسم کی صفات ہیں۔ جیسا کہ گندمی رنگ، لمبا قد اور گھونگریالے بال وغیرہ۔ گویا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبروں میں زندہ ہونا حیات برزخی کے ساتھ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

اعتراض ...... آپ ﷺ کا یہ معجزہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر روح لوٹ آئی اور آپ ﷺ کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی اور آپ ﷺ نے ان کو دیکھا۔ لہٰذا اس سے باقی انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت نہیں ہوگی؟

جواب ...... معجزہ صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ بات بطور معجزہ کے ثابت نہیں کہ روح موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں لوٹ آئی۔ بلکہ روح پہلے سے تھی۔ پھر آپ ﷺ نے ملاقات کی اور دیکھا بھی۔ لہٰذا ملاقات اور دیکھنا معجزہ ہے نہ کہ روح کا جسم میں لانا معجزہ۔

اعتراض...... کیا آپ ﷺ کو ملاقات موسیٰ علیہ السلام میں شک تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شک نہ کرو۔ اگر شک نہیں تھا تو پھر یوں کیوں کہا گیا کہ آپ ﷺ شک نہ کریں ملاقات میں؟

جواب...... آپ ﷺ کو کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔ بلکہ آپ ﷺ کو مخاطب کر کے قیامت تک آنے والے ہر انسان کو خبردار کر دیا کہ تم نے شک نہیں کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کے زندہ ہونے میں اور ملاقات میں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ایسی قوم دنیا میں آئے گی جو شک بلکہ خود انکار کرے گی ملاقات کا اور حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا روح مع الجسد کے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بیان کر کے بتلا دیا کہ ان لوگوں کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ ذرا بچ کے رہنا۔

عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام احادیث کی روشنی میں

حدیث نمبر ۱...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الانبیآء احیآء فی قبورھم یصلون'' (انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں) (شفاء السقام ص ۱۳۴، الحاوی للفتاوی ص ۱۴۸ ج ۲، مجمع الزوائد ص ۲۱۱ ج ۸، مسند ابو یعلیٰ حدیث نمبر ۳۴۲۵، مرقات ص ۲۱۲ ج ۲، فیض الباری ص ۶۴ ج ۲، تبلیغی نصاب فضائل درود ص ۲۳)

اس کے علاوہ بھی کئی ساری کتابوں میں یہ حدیث آتی ہے۔ تقریباً پندرہ قسم کے محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

آپ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے۔ اس سلسلہ میں دلائل اور اخبار درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ (الحاوی للفتاویٰ ص ۱۴۷ ج ۲)

اعتراض...... بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی عبدالرحمن بن یزید بن جابر نہیں جو ثقہ ہے۔ بلکہ عبدالرحمن بن تمیم ہے۔ جو منکر الحدیث ہے۔ لہٰذا یہ روایت منکر ہوئی۔ آپ کی دلیل نہیں بن سکتی؟

جواب...... حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر رحمۃ اللہ علیہ تسکین الصدور میں فرماتے ہیں کہ: ''جن کتابوں کا ہم نے حوالہ دیا ہے ان تمام میں ابن جابر کی تصریح ہے۔ نہ کہ ابن تمیم کی اور خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن جابر سے روایات لی ہیں۔''

اعتراض...... آپ حضرات نے اگرچہ ثابت کر دیا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ منکر نہیں۔ لیکن یہ حدیث صحیح ہونے کے باوجود خبر واحد ہے اور خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ عقیدہ کے لئے خبر متواتر ہونی چاہیے؟

جواب: ۱...... اس حدیث کو علماء حضرات نے قدر مشترک کی وجہ سے حدیث متواتر قرار دیا ہے۔ جب متواتر قرار دیا ہے تو خبر متواتر سے عقیدہ کا اثبات صحیح ہوا۔ تمہارا اعتراض غلط ہے۔

فائدہ! تواتر قدر مشترک کا لفظ آیا ہے تو اسے بھی سمجھ لیجئے۔ وہ اس طرح کہ بعض دفعہ الگ الگ احادیث خبر واحد ہوتی ہیں۔ لیکن ان سب کو اگر جمع کر لیا جائے اور ملایا جائے تو بطور نتیجہ کے ایک بات نکل آتی ہے۔ وہ بات قدر مشترک ہوتی ہے جو متواتر کہلاتی ہے۔ مثلاً:

۱...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں کہ وہ جامع مسجد دمشق کے شرقی منار پر

اتریں گے اور مقام لد پر دجال کو قتل کریں گے۔ یاجوج ماجوج سے جنگ کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ احادیث اگرچہ الگ الگ خبر واحد ہیں۔ لیکن ان سب احادیث سے ایک بات بطور نتیجہ نکل رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ضرور ہوں گے اور مذکورہ امور انجام دیں گے۔ یہی بات جو بطور نتیجہ کے نکل رہی ہے۔ یہ قدر مشترک ہے۔ اس قدر مشترک کی وجہ سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کو متواتر کہتے ہیں۔

۲...... قبر میں سوال وجواب اور منکر نکیر کا آنا، عذاب وثواب، میت کا سلام سننا، پہچاننا وغیرہ۔ اگرچہ یہ ساری احادیث خبر واحد ہیں۔ لیکن ان سب کا نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہے اور اجسام اسی قبر میں زندہ ہوتے ہیں۔ یعنی ان کو ایک قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح بطور نتیجہ اور قدر مشترک یہ بات یقینی ہے کہ قبر میں عذاب وثواب ہوتا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو حیات خود بخود ثابت ہو گئی۔ کیونکہ عذاب وثواب زندہ کو ہوتا ہے۔ نہ کہ بے جان کو۔

۳...... عام طور پر آپ حضرات سنتے رہتے ہیں کہ اخبار میں یہ خبر آئی ہے کہ ''قندھار'' میں اتنے امریکی مردار ہو گئے۔ کابل میں اتنے مرے۔ خوست میں اتنے زخمی ہوئے اور مارے گئے۔ یہ سب خبریں خبر واحد ہیں۔ اگرچہ الگ الگ اخبار میں آئیں۔ لیکن ایک بات بطور نتیجہ کے یہ نکل آئی کہ امریکیوں کو افغانستان میں بہت مار پڑ رہی ہے۔ اس نتیجہ کو کہا جاتا ہے قدر مشترک اور قدر مشترک تواتر کے درجہ میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''عذاب قبر اور منکر نکیر کے سوال وجواب کی احادیث متواتر ہیں۔''

جواب ۲:...... حیات قبر تو پچاس سے زائد آیات سے ثابت ہے۔ اجماع امت سے ثابت ہے۔ لہٰذا ایسے پختہ اور قطعی دلائل سے ثابت ہونے والے عقیدہ کو یہ کہنا کہ خبر واحد سے ثابت ہے۔ پرلے درجہ کی حماقت و بے وقوفی، دھوکہ اور گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

حدیث نمبر ۲...... ''عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: اکثروا الصلوٰة علی یوم الجمعة فانه مشهود تشهد الملائکة وان احداً لن یصلی علی الاعرض علیّ صلوته حتی یفرغ منها قال قلت و بعد الموت؟ قال وبعد الموت ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبیُّ الله حی یرزق '' (ابن ماجہ ص۱۱۹، مرقات ص۱۴۱ ج۳، تفسیر ابن کثیر ص۵۱۴ ج۳، شرح الصدور ص۳۱۶، نیل الاوطار ص۳۰۴ ج۳، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۴۳۴ ج۱، خیر الفتاویٰ ص۱۰۱ ج۱، فیض القدیر ص۸۷ ج۲، نشر الطیب ص۲۴۸، سیرت المصطفیٰ ص۲۵۳ ج۳)

(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور تم میں سے کوئی شخص جب مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ موت کے بعد؟ (یعنی موت کے بعد بھی پیش کیا جائے گا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! موت کے بعد بھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کو کھائے۔ پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور رزق دیا جاتا ہے)

فائدہ! حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ثقہ راویوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اس کی سند جید ہے۔ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''وقد اخرج ابن ماجه باسناد جید... الخ'' (ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے جید سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے) (نیل الاوطار ص۲۶۴ ج۳)

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوگئی کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مزارات مقدسہ میں صحیح سالم جسد عنصریہ کے ساتھ زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے عطاء کردہ رزق سے خوب فرحت ولذت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ زندگی روح مع الجسد حاصل ہے اور آپ ﷺ جس طرح دنیا کے اندر رہتے ہوئے اپنی ذات مبارکہ کے لئے لفظ علیّ استعمال فرماتے تھے۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی یہ بات صراحت کے ساتھ بیان فرمادی کہ دنیا سے جانے کے بعد (علیّ) یعنی مجھ پر درود پیش کیا جائے گا۔ تو جیسے دنیا میں لفظ علیّ کا استعمال روح مع الجسد پر ہوتا تھا۔ بالکل اسی طرح دنیا سے جانے کے بعد بھی لفظ علیّ روح مع الجسد پر دلالت کرتا ہے۔ اب اگر کوئی احمق یہ کہے کہ نہیں دنیا میں تو لفظ علیّ روح مع الجسد کے لئے ہوتا تھا۔ لیکن فوت ہونے کے بعد صرف روح پر علیّ کا لفظ بولا جائے گا۔ تو اس کی بے بنیاد بات کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی اور یہ بات بھی قابل غور ہے۔ بعض کتابوں میں اس حدیث کے صرف یہ الفاظ آتے ہیں کہ: ''ان اللّٰہ عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیآء'' یعنی ''فنبی اللّٰہ حي یرزق'' کے الفاظ نہیں آتے۔ جیسے ابوداؤد ص ۱۵۷ ج ۱، نسائی ص ۲۰۳ ج ۱ وغیرہ کتب میں ہے۔ تو کج دل آدمی صرف اس حدیث کو پڑھ کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف اجساد الانبیاء تک عبارت ہے۔ آگے نہیں ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو اسی حدیث سے ہی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ قبروں میں زندہ ہیں اور زندہ آدمی کے جسم کو مٹی اور زمین نہیں کھاتی۔ اس حدیث سے حیات انبیاء علیہم السلام بالکل سورج کی طرح واضح تھی۔ لیکن آپ ﷺ کو چونکہ قیامت تک آنے والے فتنوں کا علم دے دیا گیا تھا۔ تو آپ ﷺ سمجھ گئے تھے کہ یہ جو فتنہ ہوگا انکار حیات والا۔ وہ بالکل عقل سے عاری ہوگا۔ وہ صرف ان لفظوں سے حیات انبیاء کو نہیں سمجھ سکے گا۔ آپ ﷺ نے شفقت فرماتے ہوئے پھر کئی مقامات پر یہ الفاظ بھی بیان فرمادیئے کہ ''فنبی اللّٰہ حي یرزق'' گویا یہ الفاظ ''ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء'' کی تشریح وتفسیر میں ہیں۔ جب تفسیر وتشریح آگئی تو اب جیسے یہ مانتے ہیں کہ اجساد قبروں میں محفوظ ہیں تو اس کی تفسیر بھی ضرور ماننی چاہیے۔ تاکہ آدھی حدیث کو ماننا لازم نہ آئے۔ ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ آدھی حدیث مانتے ہیں اور آدھی نہیں مانتے۔ آدھی کو ماننا اور باقی چھوڑ دینا یہ دھوکہ، فراڈ، حماقت اور بے وقوفی سے کم نہیں اور یہ بات جو میں نے لکھی ہے کہ اسی حدیث سے انبیاء کرام علیہم السلام کا زندہ ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ اس پر تائید یہ کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تأکل اجسام الانبیاء'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے۔ یعنی زمین کو روک دیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو نہ کھائے۔ اس میں ایک لطیف مبالغہ یہ بھی ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ زمین انہیں نہیں کھاسکتی۔ (تسکین الصدور ص ۳۱۶)

واقعہ بہاول پور

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بہاول پور کے علاقہ گرداں میں میرا جانا ہوا تو جب میں تقریر کے لئے کرسی پر بیٹھا۔ ابھی خطبہ شروع کرہی رہا تھا کہ اشاعتیوں نے (جو پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت آئے تھے) شور مچانا شروع کردیا۔ چونکہ شور زیادہ کر رہے تھے۔ اس لیئے میں خاموش ہوگیا اور میں نے کہہ دیا کہ بھائی پندرہ منٹ اپنی تقریر کے آپ کو دیتا ہوں۔ آپ حضرات جتنا شور کرنا چاہیں کرسکتے ہیں۔

اب سارے خاموش ہو گئے۔ میں کہوں کہ بھائی شور کرو۔ وہ پھر بھی خاموش تو پھر میں نے کہا شور نہ مچاؤ۔ بات کو سمجھو اور سنو۔ فرمایا: تمہارا اور ہمارا اس بات میں اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے جسم مبارک قبروں میں محفوظ ہیں اور آپ ﷺ کا جسم مبارک بھی جیسے پہلے تھا۔ اب بھی ویسے محفوظ ہے۔ تم بھی اس بات کو مانتے ہو؟ اب سب نے کہا جی ہاں بالکل اس بات کو مانتے ہیں کہ اجسام مبارکہ محفوظ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ قرآن پاک کی آیت یا حدیث اس پر پڑھو جس میں جسد اطہر کے محفوظ ہونے کا ذکر ہے۔ تو اب کہنے لگے کہ قرآن پاک میں تو نہیں البتہ حدیث میں جسد اطہر کی حفاظت کا ذکر ہے۔ مراد ان کی یہی حدیث ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' تو میں نے کہا یہ حدیث اگر جھوٹی مان لی جائے تو جسد اطہر کی حفاظت کی آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ تو میں نے کہا جب یہ حدیث صحیح ہے تو پھر اسی حدیث میں ''فنبی اللہ حی یرزق'' حیات کا بھی ذکر ہے۔ اگر حدیث ماننی ہے تو ساری مانو۔ جس میں دونوں باتیں ہیں۔ اگر انکار کرنا ہے تو پھر ساری کا انکار کردو۔ تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔ اب مجمع میں جو دس بارہ چیلے بیٹھے تھے۔ اپنے مولوی کو کہنے لگے کہ اٹھو اور لوگوں کو بتاؤ کہ مولوی صاحب! نے اچھی بات کہی ہے۔ آخرکار ایک مولوی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ سچی بات یہی ہے کہ ہمارے پاس جسد اطہر کے محفوظ ہونے کی کوئی دلیل اس حدیث کے علاوہ نہیں ہے جو آپ نے پڑھی ہے۔ تو پھر میں نے کہا کہ حدیث کو پورا ماننا چاہیے یا ادھورا؟ اس پر ان اشاعتیوں کے اٹھارہ بڑے بڑے زمیندار کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ جب اس حدیث کو آپ بھی صحیح مانتے ہو اور یہ بھی صحیح مانتے ہیں۔ تو پھر حدیث کو ادھورا کیوں مانیں؟ بلکہ ہم پوری حدیث مانیں گے۔ یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ آدھی حدیث مانی جائے اور آدھی حدیث کا انکار کر دیا جائے۔ (تسکین الاذکیاء مؤلفہ حضرت مولانا محمود عالم صفدر ص ۳۹۶)

قارئین! بات یہی ہے کہ اشاعتیوں کا اکثر یہی حال ہوتا ہے کہ آدھی بات مانتے ہیں آدھی نہیں مانتے۔ ان کے لئے دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست پر آنے کی توفیق دیں اور ان کو صحیح سمجھ عطاء فرمائیں۔ آمین!

<u>حدیث نمبر ۳</u>...... ''عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ما من احد یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتیٰ ارد علیہ السلام'' (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی بھی مجھ پر درود وسلام بھیجے ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں)

<u>فائدہ</u>! اس حدیث کو کئی محدثین نے ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ابوداؤد ص ۲۷۹ ج ۱، مسند احمد ص ۵۲۷ ج ۲، کنز العمال ص ۴۹۸ ج ۱ تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۴ ج ۳، سنن کبریٰ للبیہقی ص ۲۴۵ ج ۵، فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۳۶۱ ج ۴، فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۱۳۴ ج ۱، خیر الفتاویٰ ص ۹۸ ج ۱، نشر الطیب ص ۲۴۹ وغیرہ ہیں۔ یہ حضرات سرفہرست ہیں اور بہت سارے محدثین نے یہ بات کہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور وفاء الوفاء کتاب میں یہ بات صراحت کے ساتھ ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی، کوئی منٹ، سیکنڈ ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ ﷺ پر درود نہ پڑھا جا رہا ہو۔ نماز کے اندر یا نماز کے باہر۔ اس لئے حیات کا ہونا خود بخود لازمی ہو گیا۔ (کیونکہ جب روح لوٹ آئی تو حیات ثابت ہو گئی) نیز یہ نہ سمجھا جائے کہ جسم اطہر سے روح بالکل خارج ہو گئی تھی۔ پھر اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹا دیا گیا۔

چونکہ آپ ﷺ مدارج قرب و معرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں۔اس لئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کسی درجہ میں ہلکا کر دیتا ہے۔(دوسری جانب سے مراد بندوں کی جانب ہے) اس لئے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں سے ایک مزیت یہ بھی عطاء فرمائی گئی ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کو استغراق الی اللہ سے ذرا سا کم کر کے درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ کر دیا ہے اور آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے لئے دعا فرماتے ہیں۔(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۴۳ ج ۱) حضرت مولانا محمد منظور رحمۃ اللہ علیہ نعمانی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلانے کے لئے روح ڈال دیتا ہے۔ بلکہ شارحین نے رد روح کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ ﷺ کی روح پاک کی ساری توجہات دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور جمال کی طرف رہتی ہیں۔ پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے تو فرشتے کے ذریعے یا براہ راست آپ ﷺ تک پہنچتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے آپ ﷺ کی روح مبارکہ درود پڑھنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ پس اس روحانی توجہ اور التفات کو رد روح کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے۔ (معارف الحدیث ص ۳۸۷ ج ۵)

قارئین! اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ درود شریف کے وقت آپ ﷺ کی توجہ درود شریف پڑھنے والے کی طرف ہوتی ہے تو پھر مسلمانوں کو چاہیے کہ کثرت سے درود پاک پڑھا کریں۔تاکہ آپ ﷺ کی توجہ مبارک بھی ہماری طرف کامل ہو اور ہم کامل طور پر آپ ﷺ سے مستفیض ہو سکیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر مبارک میں نماز پڑھنا

حدیث نمبر ۴......"عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: مررت علیٰ موسیٰ لیلۃ اسریٰ بی عند الکثیب الاحمر وھوقائم یصلی فی قبرہ" (مسلم شریف ص ۲۶۸ ج ۲) (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر مبارک میں نماز پڑھ رہے تھے)

فائدہ! معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ قبر میں کھڑے ہو کر جو نماز پڑھ رہے تھے۔ زندہ تھے۔تبھی تو نماز پڑھ رہے تھے۔کیونکہ زندہ ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔لیکن یہ زندگی عالم قبر کی زندگی ہے جو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی ہے اور نہ ہی وہ دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:"جب بھی ان گھروں میں جو مسجد نبوی کے قریب تھے۔کوئی کیل میخ لگاتا یا آپ کوئی آواز سنتیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ خبردار آپ ﷺ کو (آواز سے) تکلیف مت دو۔" (شفاء السقام ص ۱۷۳)

فائدہ! معلوم ہوا کہ آپ ﷺ روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔تبھی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس کا برابر احساس رہتا تھا کہ کوئی بھی آپ ﷺ کو اذیت و تکلیف نہ پہنچائے۔

حدیث نمبر ۶......"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:"میں اپنے حجرے جس میں رسول ﷺ

آرام فرما ہیں۔ بغیر چادر کے داخل ہو جایا کرتی تھی۔ اس خیال سے کہ میرے شوہر اور میرے والد ہی تو ہیں۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں کو دفن کیا تو میں اللہ کی قسم پردے کے ساتھ ہی جایا کرتی تھی اور یہ پردہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کرنے کی وجہ سے تھا۔" (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۴ اروراہ احمد)

فائدہ! معلوم ہوا کہ روضہ اطہر میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں اور ان سے حیاء کرنے کی وجہ سے پردہ ہو رہا ہے۔ تو باقی بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔

یہ روایت عقلاً جھوٹی ہے

اعتراض...... عام طور پر اشاعتی یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث جو مسند احمد میں اور مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ یہ عقلاً جھوٹی ہے۔ کیونکہ ام المومنین ایسی جاہلانہ بات نہیں کر سکتیں کہ پہلے میں روضۂ اطہر میں بغیر چادر اور بغیر پردہ کے چلی جاتی تھی اور اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حیاء کی وجہ سے پردہ کے ساتھ جاتی ہوں۔ اس لئے کہ جو نظر چھ فٹ مٹی سے پار ہو سکتی ہے۔ وہ دوپٹہ سے بھی پار ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ احمقانہ بات ہے۔ ایسی بات ام المومنین نہیں کہہ سکتیں۔

جواب واقعہ کی صورت میں

حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جہلم میں میری تقریر تھی۔ وہاں سے فراغت کے بعد گجرات آیا۔ گجرات والے ساتھی کہنے لگے کہ آپ مہربانی فرمائیں۔ صبح درس دے دیں۔ تو میرا صبح درس طے ہو گیا۔ چونکہ ساتھی اکثر جہلم جلسے پر گئے ہوئے تھے۔ یہاں مجمع تھوڑا تھا تو عنایت اللہ شاہ گجراتی نے گیارہ آدمی تیار کر لئے مجھ پر حملہ کے لئے کہ اس کو صبح درس میں حملہ کر کے قتل کر دو۔ وہ گیارہ آدمی آئے۔ انہوں نے چٹ میں یہی سوال ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والا لکھا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ام المومنین نے ایسے کہا ہوگا؟ کیونکہ جو نظر چھ فٹ مٹی سے پار ہو سکتی ہے۔ تو کیا ایک چادر سے پار نہیں ہو سکتی؟ میں نے (مولانا محمد امین رحمہ اللہ) چٹ پڑھ کر یوں جواب دیا کہ دیکھو بھائی! لوہا جتنا بھی موٹا ہو۔ اس میں سے بجلی گزر سکتی ہے۔ لیکن اگر لوہے کے درمیان میں پتلی سی لکڑی رکھ دی جائے تو بجلی اس لکڑی سے جو بالکل پتلی سی ہے۔ اس میں سے نہیں گزر سکتی۔ انسان اگر اس لکڑی کو ہاتھ سے پکڑ لے تو کچھ نہیں ہوگا۔ اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے لکڑی میں بجلی روکنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ بالکل اسی طرح لباس میں بھی نظر کو روکنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ ان گیارہ آدمیوں میں سے ایک پروفیسر بھی تھا۔ اسے بات سمجھ آ گئی۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں لمبا سا ایک چھرا تھا۔ اس نے کہا حضرت آپ نے جس انداز سے بات سمجھائی ہے۔ آج تک کسی نے ہم کو یہ بات نہیں سمجھائی تھی اور آج ہم آپ کے قتل کے لئے آئے تھے اور ہمارا مشن صرف آپ کا قتل ہی تھا۔ لیکن بات یہ ہے آپ نے جس انداز سے مسئلہ سمجھایا ہے۔ ہمیں اس بارے میں کوئی شک نہیں رہا۔

لیکن! ہم اشاعتی جماعت کے معمولی آدمی نہیں۔ بلکہ بڑے کارکن ہیں۔ اس لئے جماعت کو چھوڑنے کے لئے ہمیں کوئی بہانہ چاہیے۔ آپ مہربانی فرما کر سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کے آمنے سامنے گھنٹہ آدھ گھنٹہ بات کریں۔ جو دوسرے اشکال ہیں۔ وہ بھی دور ہو جائیں گے اور یوں ہم جماعت چھوڑ دیں گے اور اعلان کر دیں گے کہ شاہ جی! آپ کی بات صحیح نہیں۔ مولوی امین کی بات صحیح ہے۔ اس وجہ ہم جماعت سے نکل رہے ہیں۔ حضرت مولانا نے ان کو فرمایا کہ

میں اپنے سکول ٹائم کے اعتبار سے چار سے پانچ گھنٹے ٹھہر سکتا ہوں۔اگر آپ ہمت کر کے اسی دوران بات کرا سکتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔میں بات کرنے کے لئے تیار ہوں۔پھر اس کے بعد میں چلا جاؤں گا۔اب وہ ساتھی جلدی سے گئے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد آئے اور کہنے لگے حضرت مولانا ہم نے شاہ جی! سے بات کی ہے اور پرزور گزارش کی ہے کہ آپ مولوی امین رحمۃ اللہ علیہ سے بات کریں۔لیکن انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑالی ہے کہ مولوی امین رحمۃ اللہ علیہ جاہل ہے۔اس لئے میں اس سے کسی قسم کی بات یا مناظرہ نہیں کروں گا۔مجھ سے مناظرہ کرواتا ہے تو پھر مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ یا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ چکوال والے ان کو لے آؤ یا پھر مولانا صفدر خاں رحمۃ اللہ علیہ کو لے آؤ۔ان کے علاوہ میں کسی سے بات کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔ہم نے شاہ جی اسے بہت کہا کہ اگر مولوی امین رحمۃ اللہ علیہ ان پڑھ اور جاہل ہے تو جلدی قابو میں آجائے گا۔پھر تو آپ ضرور بات کریں۔اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ ہمارے پلے بھی کچھ پڑے۔جس انداز سے اس نے درس دیا ہے اور ہمیں سمجھایا ہے۔ہم نے پہلی دفعہ اس کا یہ انداز دیکھا ہے جو بڑا ہی انوکھا ہے۔اس کے بعد نہ ہمارے ذہن میں کوئی عقلی شبہ رہ گیا ہے۔نہ قرآن کی کسی آیات کے بارے میں کوئی اشکال رہ گیا ہے۔آپ مہربانی کریں چلیں۔لیکن سید عنائیت اللہ نے بالکل صاف انکار کر دیا ہے۔وہ ساتھی کہتے ہیں کہ ہم نے جتنا زور لگانا تھا لگا لیا۔شاہ جی! بالکل تیار نہ ہوئے۔تو ہم یہ کہہ کر ان سے اٹھ کر آگئے کہ ہم تمہاری جماعت سے نکل رہے ہیں۔(تسکین الاذکیاء ص ۶۶۲) تمہارا اور ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔تونے ہمیں عرصہ دراز سے دھوکہ دیا ہے اور گمراہ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ ہم قائل ہونے سے بھی بچ گئے اور اشاعتیوں والا عقیدہ رکھنے سے بھی بچ گئے۔

عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام اجماع کی روشنی میں

قارئین! آپ حضرات اب ذرا اس عقیدہ کو اجماع کے حوالہ جات کی روشنی میں دیکھیں کہ عقیدۂ حیات پر امت مسلمہ نے کس طرح اجماع کیا ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔لہٰذا اس مسئلہ میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

۱...... علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ:"ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔آپ ﷺ کو وہاں رزق ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسد اطہر کو مٹی نہیں کھا سکتی اور اس عقیدہ پر اہل حق کا اجماع ہے۔ (القول البدیع ص ۱۷۲ ج۱)

۲...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:"انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے۔اس پر کسی کا اختلاف نہیں۔" (اشعۃ اللمعات ص ۶۱۳ ج۱)

۳...... نواب قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:"انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں کہ حیات وہاں (یعنی عالم قبر میں) حقیقی اور جسمانی ہے۔ (مظاہر حق ص ۲۲۵ ج۱)

۴...... علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:"انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔" (المنحہ ص ۶)

۵...... شیخ الاسلام علامہ یمنی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری فرماتے ہیں:"جن لوگوں نے آپ ﷺ کی قبر مبارک کی حیات کا انکار کیا ہے۔وہ معتزلہ ہیں۔لیکن صحیح اور یقینی بات یہ ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔مردہ نہیں ہیں۔

عقیدۂ حیات النبی ﷺ علماء دیوبند کی نظر میں

۱...... حضرت اقدس مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ذاتی صفت ہے۔ ذاتی صفت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سورج کی روشنی اپنی ہے۔ کسی کے واسطہ سے روشن نہیں ہے۔ جب کہ چاند کی روشنی ذاتی نہیں۔ بلکہ سورج سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے۔ دوسری مثال زمین پر اندھیرا زمین کی ذاتی صفت ہے۔ جہاں زمین ہوگی۔ وہاں اندھیرا لازمی ہوگا۔ ہاں! روشنی کرنے کے لئے آپ کو چراغ جلانا پڑے گا۔ جیسے رات کو چراغ جلاتے ہیں۔ دن کو اللہ تعالیٰ نے چراغ کا انتظام کر دیا ہے۔ جب یہ چراغ جلائیں گے یا سورج آئے گا۔ وہ اندھیرا صرف چھپ جائے گا کہیں۔ بھاگ نہیں جائے گا۔ وہیں موجود ہوگا۔ گویا سورج اور چراغ وغیرہ اندھیرے کے لئے ساتر ہیں۔ اندھیرے کو چھپانے والے ہیں۔ وجود سے ختم کرنے والے نہیں ہیں۔ اندھیرے کا وجود باقی رہے گا۔ جیسے ہی سورج چھپے گا یا چراغ بجھے گا اندھیرا خود بخود آ جائے گا۔ اسی طرح پانی کا ٹھنڈا ہونا بھی پانی کی ذاتی صفت ہے۔ یعنی پانی جہاں ہوگا۔ وہ ٹھنڈا ہی ہوگا۔ اگر گرم ہے تو وہ عارضی طور پر ہوگا اور کسی کے واسطے سے گرم ہوگا۔ جیسے آگ وغیرہ۔ جب گرم ہو گیا تو اگر اس کو تھوڑی دیر رکھ دو تو وہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور یہ ٹھنڈک اس کی ذاتی صفت ہے۔ تو خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔ گویا گرمائش پانی کی ذاتی صفت کے لئے ساتر بن جاتی ہے اور ٹھنڈک کو چھپا دیتی ہے۔ جیسے ہی گرمائش ختم ہوگی۔ تو وہ ٹھنڈک خود بخود ظاہر ہو جائی گی۔ بالکل اسی طرح آپ ﷺ کی حیات ذاتی صفت ہے۔ کسی کے واسطے سے نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت آپ ﷺ کو ذاتی صفت عنایت فرمائی ہے۔ درمیان میں کسی کو واسطہ نہیں بنایا۔ جب کہ باقی تمام انسان اور تمام دنیا جہان کی چیزیں ان کو جو حیات ملی ہے۔ وہ آپ ﷺ کی وجہ سے ملی ہے۔ آپ ﷺ کے واسطہ سے ملی ہے۔ اگر آپ ﷺ نے نہ آنا ہوتا تو دنیا جہان میں کوئی چیز نہ آتی۔ نہ پیدا کی جاتی۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ کی برکت اور صدقہ ہے۔ تو جب آپ ﷺ کی زندگی اور حیات ذاتی صفت ہے۔ یہ ذاتی صفت کبھی بھی جسم مبارک سے ختم نہیں ہو سکتی۔ البتہ موت کی وجہ سے چھپ جائے گی۔ یعنی آپ ﷺ کی موت آپ ﷺ کی حیات کے لئے ساتر ہے۔ چھپانے والی ہے۔ ختم کرنی والی نہیں۔ جیسا کہ سورج اندھیرے کو وجود سے ختم نہیں کرتا۔ گرمائش ٹھنڈک کو وجود سے ختم نہیں کرتی۔ بلکہ ہوتی ہے اور چھپ جاتی ہے۔ اس طرح آپ ﷺ کی موت بھی آپ ﷺ کی زندگی کے لئے ساتر ہے۔ چھپانے والی ہے۔ وجود سے ختم کرنے والی نہیں کہ موت کی وجہ سے آپ ﷺ کی حیات آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ختم ہو جائے ''کل نفس ذائقة الموت'' موت ایک ذائقہ ہے۔ جو ہر ایک نے چکھنا ہے اور ذائقہ تھوڑی سی چیز چکھنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح موت بھی بس تھوڑی سی دیر کے لئے آئی۔ آپ ﷺ نے ذائقہ چکھ لیا۔ اب موت بالکل ختم۔ جب موت ختم تو آپ ﷺ کی ذاتی صفت جو حیات تھی۔ وہ خود بخود ثابت ہو گئی۔ حیات جب ختم ہوئی ہی نہیں تو میراث بھی جاری نہیں ہوگی اور ازواج مطہرات سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت بھی بالکل نہیں ہوگی۔ مسجد نبوی میں موجود سارے حضرات اپنی آواز کو بلند بھی نہیں کریں گے اور آپ ﷺ کا جنازہ مبارک جیسا کہ عرف عام میں پڑھا جاتا ہے۔ ایسے پڑھا نہیں جائے گا۔ (آب حیات ص ۲۰۹)

فائدہ! اب قائلین حیات یعنی حضرات علماء دیوبند یہ کہتے ہیں کہ موت ایک ذائقہ تھا اور اس کا وجود تھا۔ یہ فعل غیر ممتد تھا۔ ختم ہو گیا۔ جب کہ منکرین حیات کہتے ہیں کہ نہیں موت اگرچہ ذائقہ تھا۔ لیکن ابھی تک وہ موت کا

ذائقہ چکھ رہے ہیں۔ وہ موت ختم نہیں ہوئی۔ یہ موت فعل ممتد ہے جو باقی رہنے والا ہے۔ موت حیات کو ختم کرنے والی ہے۔ زائل کرنے والی ہے۔ اس نے آپ ﷺ کی ذاتی صفت کو ختم کر دیا۔ جب موت آئی تو اب آپ کے جسم مبارک میں حیات کا ذرہ بھی باقی نہیں۔ حیات بالکل ختم ہوگئی۔ اب آپ تمام مردوں کی طرح بے جان ہیں۔ آپ ﷺ میں نہ نبوت والی صفت باقی ہے۔ نہ سننے والی صفت باقی۔ سب صفات ختم۔ گویا موت نے ہر چیز کا حق ہی ختم کر دیا۔ یہ ہے عقیدہ منکرین حیات کا۔ اللہ تعالیٰ ایسے عقیدے رکھنے سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

موت کا معنی اور موت کا ممتد وغیر ممتد ہونا اور موت کا وجودی ہونا

قارئین! آپ حضرات یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں مشرکین میں یہ عقیدہ پایا جاتا تھا کہ موت صرف اور صرف نام ہے عدم کا۔ یعنی موت آئی تو اس نے ہر شئے کو ختم کر دیا۔ کچھ بھی باقی نہ رہا۔ نہ روح باقی رہی۔ نہ وجود باقی رہا۔ اسلام نے آکر اس ذہنیت کی نفی کی کہ مرنے کے بعد قبر میں ہر شئے مٹی نہیں ہو جاتی۔ گل سڑ نہیں جاتی۔ بلکہ موت کے بعد ہر شئے محفوظ رہتی ہے۔ کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں رہتا ہے۔ چاہے جس صورت میں ہو۔ ذرات کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں ہو۔ موت عدم محض کا نام نہیں۔ بلکہ موت ایک وجود کا نام ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "الذی خلق الموت والحیوۃ (ملک: ۲)" (اللہ وہ ذات ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا) جو چیز پیدا ہوتی ہے۔ اس کا وجود ہوتا ہے۔ جیسے ہوا کا وجود ہے۔ اگرچہ نظر نہیں آتی۔ اسی طرح موت کا بھی وجود ہے۔ اگرچہ نظر نہ آئے۔ جب اس کا وجود مان لیا گیا تو اب اس کا آنا اور پھر ختم ہو جانا ایک فعل ہوا۔ جیسے ہوا کا آنا۔ ہوا کا فعل ہے۔ ایسے ہی کسی انسان کا کہیں سے آنا اور جانا، کمرے میں داخل ہونا، کمرے سے نکلنا۔ یہ انسان کے افعال ہیں۔ فعل یعنی جس طرح کا کام اس نے کیا۔ اب ختم ہو گیا۔ مثلاً داخل ہونے والا ایک کام کیا۔ داخل ہوا تو دخول والا کام ختم ہو گیا۔ یوں نہیں کہ وہ آ رہا ہے اور داخل ہو رہا ہے۔ دخول فعل غیر ممتد ہے۔ بالکل اسی طرح موت ایک آنے والی چیز ہے۔ آئی اور اس کا آنا اب ختم ہو گیا۔ لہٰذا موت فعل غیر ممتد ہوئی۔ یعنی ایسا فعل ہوئی جو کافی دیر تک نہ رہے۔ بلکہ فوراً ختم ہو جائے۔ اب آپ سمجھیں کہ آپ ﷺ کی حیات جو ذاتی صفت تھی۔ وہ بالکل ظاہر ہو گئی۔ جیسے دنیا میں جسم اور روح دونوں کے ساتھ حیات تھی۔ اب بھی ایسے ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ لیکن وہ حیات ہمارے شعور میں نہیں۔ جب کہ منکرین حیات نے موت کا وہی معنی یاد رکھا ہوا ہے جو جاہلیت والا تھا کہ موت آئی اور اس نے روح کے علاوہ سب کچھ فنا کر دیا۔ ہر چیز گل سڑ گئی۔ اب دنیا سے جانے والے انسان کا کچھ باقی نہیں۔ یہ جو ظاہری جسم ہے۔ اسے کچھ دنوں کے بعد مٹی کھا جائے گی۔ جب مٹی نے کھا لیا تو اب قصہ ہی ختم۔ اب صرف روح کے ساتھ سب کچھ ہوگا۔ یہ نظریہ فرقہ معتزلہ کا تھا۔ جن کے جانشین آج منکرین حیات بنے ہوئے ہیں۔ موت کو فعل ممتد مانتے ہیں۔ حالانکہ دنیا جہان میں کوئی فعل ایسا نہیں جو ہمیشہ رہے۔ کچھ افعال اگر باقی بھی رہتے ہیں تو کچھ دیر کے لئے باقی رہتے ہیں۔ جیسے کسی انسان کا سواری کرنا۔ سونا اور جاگنا۔ روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ افعال بھی کچھ دیر کے لئے ہوتے ہیں۔ بعد میں ختم ہو جاتے ہیں تو فعل چاہے ممتد ہو یا غیر ممتد۔ اس نے لازمی ختم ہونا ہے۔ لیکن منکرین حیات یہ کہتے ہیں کہ نہیں موت ایسا فعل ممتد ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ جس کی وجہ سے وہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اگر اسی معنی کو تعصب کے بغیر منصفانہ عینک چڑھا کر اچھی طرح سمجھ لیں۔ تو انشاء اللہ! سارا اختلاف ہی ختم ہو جائے گا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا محققانہ قول جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر موت آنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف آپ ﷺ کو موت کا ذائقہ چکھانا تھا۔ کیونکہ یہ قانون خدوندی ہے۔ جو پورا ہونا تھا اور ذائقہ ایسے چکھایا کہ روح جسم سے علیحدہ ہوئی ہی نہیں۔ بلکہ روح پورے جسم میں جو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ روح اب سکڑ اور سمٹ کر آپ ﷺ کے دل مبارک میں جمع ہوگئی۔ اب صرف موت کے وقت دل زندہ تھا اور باقی اعضاء مبارکہ پر موت کے اثرات تھے۔ جو موت کے فوری بعد ختم ہوگئے۔ پھر اسی طرح سب اعضاء میں روح نے کام کرنا شروع کردیا۔ لیکن اب جہان تبدیل ہوچکا ہے۔ پہلے سب کچھ نظر آتا تھا۔ اب نظر کچھ نہیں آئے گا اور دفن کے بعد حسب سابق روح جسم مبارک میں منتشر ہوگئی اور آپ ﷺ روضۂ اطہر میں چلہ نشینوں کی طرح گوشہ نشین ہیں۔ جیسے ہم کسی گوشہ میں علیحدگی اختیار کرلیں۔ آپ ﷺ نے بھی اگلے جہان میں برزخ اور قبر والے جہاں میں گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے اور ہم سے روپوش ہوگئے ہیں۔ جہان تبدیل ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ باقی کچھ تبدیل نہیں ہوا۔ (آب حیات ص ۲)

اعتراض...... منکرین حیات اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب وہ دنیا والی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ تو پھر چلتے پھرتے کیوں نہیں۔ جب کہ دنیا میں تو چلتے پھرتے تھے۔ کھاتے پیتے تھے۔ اگر اب بھی زندہ ہیں تو بولتے کیوں نہیں؟ کھاتے کیا ہوں گے؟ پیتے کیا ہوں گے؟ وغیرہ!

جواب...... منکرین حیات نے اگلے جہان کے حالات کو اس جہان کی حالت پر قیاس کیا ہے۔ اس لئے راہ راست سے ہٹ گئے ہیں۔ حالانکہ اگلے جہان کے احکام ہماری عقلوں میں آ ہی نہیں سکتے۔ جتنا قرآن اور حدیث نے بتلایا ہے۔ اس پر ہم ایمان رکھیں۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ اگلے جہان کی چیزیں ہم یہاں نہیں سمجھ سکتے۔ آپ ﷺ نے جب فرمادیا کہ: ''فنبی االلّٰہ حی یرزق (ابن ماجہ ص ۱۱۸)'' (اللہ کا نبی زندہ ہے۔ رزق دیا جاتا ہے) اب وہ رزق کیا ہوتا ہے۔ اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ پھر چونکہ آپ ﷺ جہاں آرام فرما ہیں بالیقین وہ بقعہ مبارک جنت کا خطہ ہے۔ از روئے احادیث مرشح ہے۔ قضائے حاجت وغیرہ کی قطعا حاجت نہیں ہو گی۔ لہٰذا سرے سے یہ اعتراض ہی غلط ہے کہ وہاں کیا کھاتے ہوں گے؟ کیا پیتے ہوں گے؟ وغیرہ!

اعتراض...... آپ کے ذہن میں یہ سوال اٹھے گا کہ ان کے علماء حضرات ایک بات کیوں نہیں کہتے کہ ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ روح علیین میں ہے۔ اس کا تعلق جسد اطہر کے ساتھ ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ روح تو جسد اطہر میں ہے۔ لیکن اس کا تعلق علیین کے ساتھ ہے۔

جواب...... ان کی باتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں کے قول صحیح ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی زبردست بات لکھی ہے۔ جس سے دونوں کے قول صحیح ثابت ہوجاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''آپ کی روح مبارک کا عالم علوی سے بھی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے آپ ﷺ کی روح مبارک سیر وتفریح کے لئے اعلیٰ علیین اور ملکوت السموات والارض میں جہاں چاہے جاتی ہے۔ یعنی روح کا سیر کے لئے جانا۔ اس کے منافی نہیں کہ تعلق ہی ختم ہوگیا۔'' (سیرت مصطفی ۱۲۶)

بات صاف ہوگئی کہ روح اصل میں جسد اطہر میں ہے سیر کے لئے عالم علوی میں جاتی ہے۔ اعلیٰ علیین میں ہو تو تب بھی اس کا تعلق جسد عنصری سے ہوتا ہے۔ اگر جسد عنصری میں ہو تو تب بھی اس کا تعلق اعلیٰ علیین میں ہوتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ اب یہ کہنا کہ اگر وہاں اعلیٰ علیین میں ہے تو اس کا تعلق جسد اطہر سے کیسے ہوسکتا ہے؟ تو میں کہوں گا

کہ یہ تعلق ایسے ہوسکتا ہے جیسے سورج زمین سے بہت دور ہے۔لیکن اس کا زمین کی چیزوں کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہے کہ سورج کی روشنی سے ہر چیز روشن ہے اور پکنے والی چیزیں پک جاتی ہیں۔گویا کہ سورج کی وجہ سے ان کو حیات ملی ہوئی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو یہ چیزیں نہ روشن ہوتیں اور نہ کبھی پکتیں۔خراب ہو جاتیں۔مردہ ہو جاتیں۔اسی طرح چاند کے زمین کے ساتھ تعلق کی وجہ سے آثار مرتب ہوتے ہیں کہ پھلوں میں مٹھاس آتی ہے۔یہ ان کی حیات ہے۔اگر چاند نہ ہو تو مٹھاس نہیں آئے گی۔یہ ہے ان کا مردہ ہونا۔اگر چاند اور سورج کے اتنا دور رہنے کے باوجود زمین کی چیزوں کو حیات مل سکتی ہے۔تو پھر آپ ﷺ کی روح جس کی وجہ سے خود چاند اور سورج کو حیات ملی ہے۔اس کی طاقت اور اس کا اثر سورج کی طاقت اور اثر سے اربوں کھربوں زیادہ ہے۔جب روح مبارک کا اثر زیادہ ہوا تو اس کی وجہ سے جسد اطہر کو حیات مل سکتی ہے۔

نوٹ: اہل دانش حضرات متوجہ ہوں کہ روح اعلیٰ علیین میں ہے۔لہٰذا اس کا تعلق نیچے زمین میں جسد اطہر کے ساتھ نہیں ہے۔یہ مفہوم مخالف ہے۔جس کا احناف اعتبار ہی نہیں کرتے۔کیونکہ اعتبار کرنے سے بعض دفعہ تو کفر لازم آتا ہے۔اس وجہ سے مفہوم مخالف کا احناف کے ہاں اعتبار نہیں۔منکرین حیات یا تو احناف کا یہ اصول مان کر اس بات کا اقرار کریں کہ جب مفہوم مخالف مراد نہیں لیا جا سکتا اور ہم لیتے ہیں۔ہم سے غلطی ہوئی ہے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

۲...... حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''چونکہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب زندہ ہیں۔اس لئے ان کی وراثت کے آگے چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' (الکوکب الدرری ص ۴۲۳ ج ۱) پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں ''نبی اللّٰہ حی یرزق'' (ھدایۃ الشیعہ ص ۱۸)

۳...... حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ہمارے مشائخ کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔'' (المھند)

۴...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ اور تمام انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبروں والی زندگی دنیا والی زندگی کی طرح ہے۔بلا مکلف ہونے کے۔'' (المھند)

۵...... حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ کے اس ارشاد کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں کا مطلب یہ نہیں فقط ان کی روح زندہ ہوتی ہے۔بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔'' (تحیۃ السلام ص ۳۶)

۶...... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ کی قبروں والی حیات اور مشاغل مثلاً اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا، نماز پڑھنا، سلام سننا، سلام کا جواب دینا، سب چیزیں ثابت ہیں۔'' (نشر الطیب)

۷...... حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ جیسا کہ سب مانتے ہیں کہ زندہ ہیں اور اپنی قبر میں آذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔(بلا مکلف ہونے کے)'' (فتح الملھم ص ۴۱۴ ج ۲)

۸...... حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ سب عام مؤمنین کو حاصل ہے۔بلکہ جسمانی بھی ہے جس طرح دنیا میں تھی۔بلکہ بہت سی وجوہ سے اس دنیا والی حیات سے بھی اقویٰ اور قوی تر ہے۔ (مکتوبات نمبر ۱۳۰ ج ۱)

۹...... حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''انبیاء کرام کی حیات فی القبر کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابرین علماء دیوبند کا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی مزارات مقدسہ میں زندہ ہیں اسی جسد عنصری کے ساتھ جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالم برزخ کے برزخی بھی ہے۔ (مقام حیات ص ۲۷ از مولانا خالد محمود)

فائدہ! علماء دیوبند کے بارے میں مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ علماء دیوبند میں کبھی بھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ میرے خیال میں ہر صاحب بصیرت اور عقل سلیم رکھنے والا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر نہیں ہوسکتا۔ (حوالہ ایضاً) جب اکابر کا یہ عقیدہ ہے تو اصاغر کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ عوام الناس غلط قسم کے عقائد رکھنے والوں سے ہوشیار رہیں۔

عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم واقعات کی روشنی میں

قارئین! اب ذرا واقعات سے اس بات کا اندازہ لگائیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے مزارات میں اور خاص طور پر کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

مدینہ منورہ کے مستند مؤرخ علامہ نورالدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''وفاء الوفاء ج ۱'' میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ سلطان نورالدین رحمۃ اللہ علیہ زنگی نے اپنی سلطنت کے زمانہ میں تین راتیں مسلسل خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو بد بخت انسانوں کی طرف اشارہ فرما کر یہ حکم دے رہے ہیں کہ مجھے ان بدبختوں سے بچاؤ۔ سلطان نے تیسرے دن اپنے سعادت مند وزیر جمال الدین موصلی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو اس نے مشورہ دیا کہ اب یہاں بیٹھنا نہیں چاہیے۔ بلکہ خفیہ طور پر بغیر کسی کو بتائے فوراً مدینہ منورہ پہنچ کر اس صورت حال سے نمٹنا چاہیے۔ چنانچہ سلطان نورالدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے ۲۰/خدام خاص اور کافی سارا مال لے کر ۱۶/دن سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور حکم دیا کہ سب مدینہ والے میرے پاس آئیں۔ میں نے انعام تقسیم کرنا ہے۔ وہ آکر لے جائیں۔ مدینے والے سب آئے۔ وہ لے کر چلے گئے۔ لیکن وہ دو بدبخت جن کی شکلیں خواب میں دکھائی گئیں تھیں۔ وہ نہ آئے۔ بادشاہ بڑا پریشان کہ یہ کیا ہوا۔ ان میں سے تو کوئی بھی نہیں۔ اس نے پھر لوگوں سے پوچھا کہ ذرا تسلی کرو۔ سارے آگئے ہیں؟ کوئی رہ تو نہیں گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت باقی تو سب آگئے ہیں۔ لیکن دو مسافر یہاں مسجد نبوی کے قریب رہتے ہیں۔ وہ رات دن عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ کسی کے پاس نہیں جاتے نہ ہی کسی کو اپنے پاس آنے دیتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ان کو ضرور بلواؤ۔ جب ان کو بلوایا گیا تو بادشاہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہی بدبخت ہیں جن کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ بادشاہ ان کو لے کر ان کے کمرہ میں گیا۔ جستجو و تلاش کے بعد پتہ چلا کہ ایک چٹائی کے نیچے ایک سرنگ ہے جو روضۂ اطہر کے قریب پہنچ چکی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ بدبختو! یہ کیا شرارت کر رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اندلس کے عیسائی ہیں۔ ہماری حکومت نے ہمیں یہاں اس کام کے لئے بھیجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو مدینہ سے نکال کر اندلس لے آئیں۔ پھر بعد میں یہ مشہور کر دیں گے کہ مسلمان جھوٹ بولتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مدینہ منورہ میں ہے۔ اگر سچ ہے تو ہمیں دکھاؤ۔ ہم مسلمان ہونے کے لئے تیار ہیں جب دیکھیں گے تو نہیں ہوگا۔ ذلت اٹھائیں گے اور کچھ لوگ عیسائی ہو جائیں گے۔ جب ساری کاروائی ان کی سن لی تو سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم نامہ جاری کیا کہ ان کی گردنیں اتار کر ان کی لاشوں کو

جلا کر راکھ ہوا میں اڑا دو۔ اس کے بعد روضۂ اقدس کے اردگرد زمین کو پانی تک کھدوایا اور سیسہ اور قلعی پگھلا کر دیوار پختہ بنادی جو روضۂ مبارک کے اندر ہے اور جالیوں سے نظر آتی ہیں۔ (تاریخ مدینہ اور رحمت کائنات)

فائدہ! مذکورہ بالا واقعہ سے بخوبی اندازہ ہوا کہ اسی روضۂ اطہر میں آپ ﷺ جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ آپ ﷺ سلام سن لیتے ہیں اور اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ اگر روح علیین میں اور رفیق اعلیٰ میں ہوتی اور اس کا تعلق جسم عنصری سے نہ ہوتا۔ جیسے منکرین حیات کہتے ہیں تو یہ واقعہ کبھی بھی سامنے نہ آتا اور عیسائی بھی اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتے۔ سلطان نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کو خواب آنا۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ مسجد نبوی کی حد تک سب کی باتوں کو سنتے ہیں اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ آپ ﷺ تکلیف بھی محسوس کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسجد نبوی میں بے ادبی کرے۔ اونچی آواز سے بولے۔ شور کرے یا کوئی فحش کلام کرے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے آپ حضرات نے بخوبی اندازہ لگایا ہوگا۔

ایک آدمی کا حج پر جانا

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تقریر میں بیان فرمایا کہ ایک سال میں حج کے لئے گیا ہوا تھا۔ تو سرائے عالم گیر ضلع جہلم کے دو شخص باپ اور بیٹا۔ وہ بھی گئے ہوئے تھے۔ باپ کا دوسرا حج تھا اور بیٹے کا پہلا۔ حج سے واپسی پر میری ملاقات کے لئے چکوال آئے تھے۔ یہ ذات کے مہاجر تھے۔ بیٹا ذرا اچھی صحت والا تھا اور داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ بیٹے نے حج کے حالات سناتے ہوئے ایک عجیب واقعہ سنایا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میں مکہ مکرمہ میں اکثر و بیشتر کھانے پینے سے فارغ ہو کر بیت اللہ کے قریب جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ بیت اللہ کے قریب کچھ لوگ اکٹھے ہیں۔ میں بھی وہاں گیا تو ایک آدمی اپنا واقعہ سنا رہا تھا اور تھا بھی فیصل آباد کا۔ لوگ بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ تو میں نے بھی توجہ کی۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ جب میں مدینہ شریف زیارت کے لئے گیا تو جتنے دن وہاں رہنا تھا۔ وہ دن ختم ہو گئے۔ آخری دن جب قافلہ کی واپسی تھی تو آپ ﷺ کے روضہ مبارک کی جالیوں سے جا لگا اور مسئلہ کا علم بھی نہیں تھا۔ قانون بھی نہیں جانتا تھا۔ جالیوں کو بوسہ دینا شروع کر دیا تو وہاں جو سپاہی پہرہ داری کے لئے متعین تھا۔ اس کے ہاتھ میں جائے نماز تھی۔ اس نے مجھے تنبیہ کے لئے میرے سر پر ماردی۔ چونکہ پاکستان میں میری گالیاں دینے کی عادت تھی تو میں نے اس سپاہی کو گالی دے دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری زبان پکڑ لی۔ اب زبان سے بولنا بالکل بند ہو گیا۔ وہ آدمی کہتا ہے میں نے زور لگایا۔ کھانسی کی کہ پتا نہیں کیا ہو گیا۔ بہت کوشش کی۔ کچھ بھی نہ بنا۔ بال آخر میں سمجھ گیا میں نے روضہ کے قریب کھڑے ہو کر جو گالی دی ہے۔ یہ اس کا عذاب ہے۔ واپس آنا تھا۔ واپسی پر بہت برا حال۔ بڑی پریشانی۔ دل میں اللہ سے توبہ، استغفار کہ یا اللہ مجھے معاف فرما دے۔ جب میں مکہ مکرمہ آیا۔ خانہ کعبہ میں گیا۔ جو امام نماز پڑھاتا تھا۔ اس کو میں نے پرچی لکھ کر ساری بات بتائی اور دعا کی درخواست کی۔ اپنی گستاخی کا اعتراف کیا۔ گناہ کا اعتراف کیا۔ تو امام صاحب نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو مایوس نہیں کرتا۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ توں بھی گڑگڑا کر دعا کر۔ ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ نوجوان نے کہا میں توبہ واستغفار کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی کہ میری زبان کھول دی۔ اب دیکھو میری زبان بول رہی ہے۔ میں تمہیں یہ واقعہ اس لئے سنا رہا ہوں تم نہ ایسی گستاخی کرنا۔ (یادگار خطبات ص ۱۱۸)

فائدہ! روضہ پاک میں آپ ﷺ زندہ ہیں۔ سلام وکلام سنتے ہیں۔ بری باتوں سے تکلیف بھی محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے وہاں جانے والے ذرا ادب کا خیال رکھا کریں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات

قارئین کرام! جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو لوگوں نے کفن وغیرہ کا انتظام کر کے نماز جنازہ پڑھ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چار پائی کو آپ ﷺ کے روضہ مبارک کے سامنے دروازہ پر رکھ دیا اور پھر آپ ﷺ کو مخاطب کر کے یوں عرض کی کہ: ''السلام علیک یارسول اللّٰہ ھذا ابوبکر'' (سلامتی ہو یا رسول اللہ آپ پر۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہیں) اندر سے پیاری پیاری آواز آئی: ''ادخلوا الحبیب الی الحبیب'' (دوست کو دوست کے ساتھ داخل کر دو اور ملا دو) اور روضہ مبارک کا سبز دروازہ خود بخود کھل گیا۔ یعنی فرشتوں نے کھول دیا اور اس آواز کو موجود تمام حاضرین نے سنا۔ (تفسیر کبیر ص ۴۷۸ ج ۵)

فائدہ! نام نہاد توحیدی حضرات عوام کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ آدھا بلکہ صرف وہ الفاظ جن میں صرف یہ ثابت ہو کہ آپ ﷺ پر موت کا واقعہ ہونا حق تھا۔ وہ موت واقعہ ہو چکی ہے۔ یہ سنا کر تاثر یہ دینا چاہتے ہیں کہ العیاذ باللہ! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ مرنے کے بعد روح مبارک کا جسم عنصری سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد مجھے روضہ کے سامنے لے جانا اور اجازت مانگنا۔ اگر اجازت مل جائے تو روضہ میں دفنا دینا۔ ورنہ قبرستان میں مجھے عام مسلمانوں میں دفن کر دینا۔ اب اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہی عقیدہ ہوتا جو منکرین حیات الزام لگاتے ہیں تو کبھی یہ وصیت نہ کرتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت ہے بھی بالکل آخری وقت میں جس سے رجوع ممکن ہی نہیں اور حاضرین نے جو آواز اندر سے سنی وہ اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ روضہ مبارک میں زندہ ہیں۔

واقعہ حرہ کا پیش آنا

حضرت سعید بن مسیب تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سن ۶۳ ھ میں واقعہ حرہ پیش آیا تو دس ہزار سے زیادہ مدینے والے لوگوں کو شہید کر دیا گیا۔ لوگوں نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے نمازوں کو اپنے گھروں میں ادا کرنا شروع کر دیا۔ میں اکیلا مسجد نبوی میں رہتا تھا اور کوئی بھی نماز کے وقت مسجد میں نہ آتا تھا۔ آذان بھی مسجد نبوی میں کچھ دن نہیں ہوئی۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو روضہ مبارک سے آذان کی آواز آتی۔ میں اپنے کانوں سے سنتا اور اپنی نماز پڑھ لیتا۔ روضہ اقدس سے اقامت کی آواز بھی آتی تھی۔ (وفاء الوفاء ص ۲۴۳ ج ۱)

فائدہ! آپ نے اس واقعہ سے کیا اندازہ لگایا کہ روضہ اقدس میں اجسام مطہرہ بغیر روح کے ہیں یا روح مبارک اجسام میں موجود ہے؟ اور وہ لوگ دنیاوی زندگی سے بھی اعلیٰ زندگی میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ فیصلہ آپ کی ذات پر۔

روضۂ مبارک سے آواز کا آنا

تاریخ مدینہ منورہ کو مرتب کرنے والے مستند مصنف حضرت مولانا ابن النجار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا واقعہ ابراہیم بن بشار رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کہ جب میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ گیا اور آپ ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضری دی اور

سلام عرض کیا تو روضہ مبارک سے آواز آئی وعلیک السلام کہ تجھ پر بھی سلامتی ہو۔　(وفاء الوفا ص ۵۲ ۱۳ ج ۴)

فائدہ! جن لوگوں نے آپ ﷺ سے اپنے تعلق کو مضبوط کیا ہوتا ہے اور درود کی کثرت رکھتے ہیں اور شریعت کے پورے پابند ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایسے ایسے انعام سے نوازتے ہیں کہ انسان کے وہم گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آپ نے اس واقعہ سے اندازہ لگایا اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہ روضہ اطہر میں آپ ﷺ زندہ ہیں اور ہر کسی کا سلام سنتے بھی ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ وہ جواب بعض دفعہ اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں موجود سب لوگ سنتے ہیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کا جواب

حضرت مولانا قاضی سجاد حسین رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ عالیہ فتح پور ہندوستان دہلی میں مدرس تھے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے مولانا مشتاق احمد صاحب نے بیان کیا ہے کہ جب میں مدینہ منورہ میں حاضری کے لئے روضہ رسول ﷺ پر پہنچا تو وہاں کے بڑے بڑے مشائخ سے میں نے یہ تذکرہ سنا کہ اس سال روضہ مبارک سے بڑا حیرت انگیز واقعہ سامنے آیا ہے کہ ایک نوجوان جس کا نام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ہے (نوراللہ مرقدہ) اس نے روضہ اطہر ﷺ پر حاضر ہو کر جب صلوٰۃ وسلام پڑھا تو اندر سے آواز آئی۔ وعلیک السلام! وہاں مسجد نبوی میں موجود سب لوگوں نے سنا۔　(الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر)

فائدہ! جہاں حضرات علماء دیوبند کی شان اور عظمت کا آپ حضرات اندازا لگا رہے ہیں۔ وہاں ان کے عقائد کی صحت کا بھی آپ حضرات کو اندازہ ہو رہا ہوگا کہ ان کے جو عقائد ہیں وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ خصوصاً عقیدۂ حیات النبی ﷺ بالکل واضح ہے۔ اشاعتیوں کا یہ عقیدہ کہ صرف روضہ میں خالی جسم ہے۔ روح کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کا بطلان بھی واضح ہو گیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا صلوٰۃ وسلام عرض کرنا

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو علماء دیوبند کے سروں کے تاج ہیں۔ ان کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے فضل وکرم سے جب بھی میں آپ ﷺ کے پڑوس مبارک پہنچ کر صلوٰۃ وسلام عرض کرتا تو ہر بار آپ ﷺ کے جواب سے مستفیض ہوتا۔ یعنی آپ ﷺ جواب دیتے تو میں اس کو سنتا۔　(امداد المشتاق)

روضۂ مبارک سے ہاتھ کا ظاہر ہونا

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اولیائے کرام میں سے تھے۔ آپ کا واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ روضہ اطہر پر پہنچے۔ شدت شوق اور محبت سے چند اشعار پڑھے۔ جن کا ترجمہ اور خلاصہ یہ ہے کہ یا رسول اللہ میں جب دور تھا تو اپنی روح کو بھیج دیتا تھا۔ وہ اس پاکیزہ زمین کو آ کر چوم لیتی تھی۔ اب تو میں اپنے بدن کے ساتھ حاضر ہو گیا ہوں۔ اس لئے شفقت اور کرم والا معاملہ فرمایئے کہ اپنا ہاتھ مبارک اندر سے ظاہر فرما دیں۔ تاکہ میرے ہونٹ بھی بوسہ لے کر شرف حاصل کریں۔ تو ان کا یہ کہنا تھا کہ اچانک روضہ مبارک سے ہاتھ مبارک ظاہر ہوا۔ انہوں نے اس کو بوسہ دیا۔ پھر بے ہوش ہو گئے اور اس وقت ہاتھ مبارک کے نور سے سورج بھی بے نور ہو گیا تھا۔ اس وقت مسجد نبوی میں تقریباً نوے ہزار کا مجمع تھا جس میں بڑے بڑے اولیاء اور بزرگ موجود تھے۔　(بنیان المشید فضائل درود شریف از مولانا ذکریا رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ! ان واقعات سے عقیدہ حیات النبی ﷺ کتنی صداقت اور وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے۔اب بھی اگر کوئی قسمت کا مارا انکار کردے تو سوائے ناکامی کے کوئی چیز ہاتھ نہیں آئے گی۔اللہ تعالیٰ صحیح عقیدہ رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین!

ایک عالم کا خواب

تیونس کے ایک عالم جن کا نام ایمن ابوالبرکات بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد (یعنی چودہ پشت کے اجداد کا نام محمد ہی تھا) نے مدینہ منورہ میں کافی زمانہ گزارا۔جب وہاں سے جانے کا ارادہ کیا تو سید دوعالم ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ تو نے کس طرح مدینہ منورہ سے جانے کا ارادہ کرلیا ہے۔چنانچہ انہوں نے اپنا ارادہ چھوڑ دیا اور باقی وقت مدینہ ہی میں گزارا اور ۷۳۴ھ کو مدینہ منورہ ہی میں انتقال فرمایا۔ (رحمت کائنات)

فائدہ! اگر روضہ اطہر میں آپ ﷺ زندہ نہ ہوتے اور آپ ﷺ کو کسی کی کچھ خبر نہ ہوتی تو کیا اس بزرگ کو ایسا خواب آسکتا تھا؟ ایسے خواب کا آنا دلیل ہے اس بات کی کہ علماء دیوبند کا عقیدہ حیات النبی ﷺ بالکل صحیح اور ٹھیک ہے۔قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد مزید لکھا ہے کہ:''تیونس ملک کے بادشاہ نے اس بزرگ سے وطن واپس آنے کی درخواست کی۔حضرت واپس آجائیں تو حضرت نے فرمایا کہ اب اگر مشرق و مغرب کی حکومت بھی دے دی جائے اور یہ کہا جائے کہ مدینہ منورہ چھوڑ دو۔تو ایسے ہرگز نہیں ہوگا۔میں کبھی بھی آپ ﷺ کا قرب نہیں چھوڑوں گا۔ (البدر الطالع ص ۱۴۰ ج۱)

منکرین حیات کے اعتراضات اوران کے جوابات

اعتراض......پہلی آیت''انک میّت وانھم میّتون (زمر:۳۰)'' (بے شک آپ بھی وفات پانے والے ہیں اور وہ بھی وفات پانے والے ہیں) دوسری آیت:''ومامحمد الا رسول ٠ قد خلت من قبله الرسل ٠ أفائن مَات اوقتل انقلبتم علی اعقابكم (آل عمران:۱۴۴)'' (اور نہیں ہیں محمد (ﷺ) مگر رسول۔بے شک گزرے ہیں ان سے پہلے بہت رسول۔پھر اگر وہ وفات پاجائیں یا شہید کردیئے جائیں تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں؟) اسی طرح احادیث کے اندر یہ الفاظ آتے ہیں جو آپ ﷺ کی وفات مبارک پر دلالت کرتے ہیں۔جیسے ''قبض النبی ﷺ . . . توفی رسول الله ﷺ'' یا اس قسم کی کوئی آیت یا حدیث یا قول جس سے صراحتاً یا کنایتہً یہ بات ثابت ہو رہی ہو کہ آپ ﷺ کو موت آئے گی یا آچکی ہے۔ان سب کو منکرین حیات لے کر اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو جی! آپ ﷺ پر موت آچکی ہے۔لہٰذا آپ کا جسد اطہر روضہ اطہر میں بغیر روح کے تعلق کے ہے۔جب روح کا کوئی تعلق نہیں تو وہ مردہ ہوئے۔نہ کہ زندہ۔جب آپ ﷺ قبر میں مردہ ہوگئے تو باقی انبیاء کرام علیہم السلام اور عام لوگ سب کے سب بطریق اولیٰ مردے ہوئے۔مولوی شہاب الدین خالدی جس کا تعلق اشاعتیوں سے ہے۔اس نے اپنی کتاب عقیدۃ الامت کے ص ۷۲ پر لکھا ہے کہ:''ہمارا موقف اظہر من الشمس ہے کہ موت کی وجہ سے روح جسم سے نکل جاتی ہے اور روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور نہ روح جسم میں کوئی تصرف کرتی ہے۔'' قائلین حیات کا عقیدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ روح جسم میں دوبارہ آجاتی ہے یا روح کا جسم سے ایسا تعلق قائم ہوجاتا ہے جس سے مردہ جسم میں زندگی کے آثار پیدا ہوجاتے

ہیں۔ آگے لکھتا ہے کہ یہ تمام حیاتی سو فیصد غلط ہیں۔ ان کا عقیدہ بہر حال غلط اور ناحق ہے۔

جواب:۱...... قارئین کرام! میں نے شروع میں منکرین حیات کا عقیدہ لکھتے ہوئے ایک بات لکھی تھی۔ وہ یہ کہ ان منکرین حیات کے سارے دلائل اس بات پر ہوں گے کہ موت آچکی ہے اور میں یہ لکھ چکا ہوں کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ موت نہیں آئی۔ بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ موت کا واقع ہونا حق ہے۔ وہ واقع ہو چکی ہے۔ اب اس پر دلائل دینا یہ تحصیل حاصل ہے۔ یعنی اقرار کی ہوئی بات کا پھر اقرار کرانا ہے۔ موت آنی تھی۔ وہ آگئی۔ یہ کام لغو اور باطل ہے۔ جب ہم نے مان لیا ہے کہ موت واقع ہو چکی ہے۔ اسی دنیا میں اور اسی جسم عنصری پر۔ پھر اس بات پر زور لگانے کی کیا ضرورت ہے کہ: ''انک میّت وانهم میّتون'' (آپ مرنے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں) اس سے الحاد و بے دینی پھیلانا اپنے آپ کو اور عوام الناس کو گمراہ کرنا ہے یا اسی طرح دوسری آیات اور احادیث وغیرہ جن میں موت کے وقوع کا وعدہ ہے جیسا کہ: ''کل نفس ذائقة الموت'' یہ آیات واحادیث پڑھنا اور یہ کہنا کہ موت آنی تھی۔ وہ آگئی۔ ان آیات واحادیث کا تعلق فقط وعدہ موت سے ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ کی موت مر گئے۔ یہ تحریف قرآن اور تحریف حدیث ہے۔ ہاں! اگر ہمیں سنانا ہے تو پھر کوئی آیت یا حدیث یا کسی سنی عالم کا قول اپنے اس عقیدہ پر سناؤ کہ مرنے کے بعد اسی قبر میں روح کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ یعنی بغیر تحریف کئے صاف صاف لفظوں میں ہمیں اپنے عقیدہ پر کوئی ایک قول کسی سنی عالم کا دیکھا دو کہ موت کے بعد روح کا جسم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس پر ان کے پاس دلیل نہیں اور نہ ہی قیامت تک ان کو ملے گی۔ ہاں! قائلین حیات کا عقیدہ ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اسی زمینی قبر میں۔ اس پر صاف صاف لفظوں میں یہ بات آگئی کہ: ''الانبیا احیاء فی قبورھم یصلون'' (انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں قبروں میں) جب زندہ ہیں تو یہ ثابت ہو گیا کہ وہ روح خود اسی جسم عنصری میں ہے اور اس کا تعلق علیین کے ساتھ بھی ہوگا جس طرح ہم نے دلیل دی ہے۔ تم بھی صراحت کے ساتھ نہ صحیح تو چلو ضعیف سی کوئی دلیل لے آؤ۔ جس میں یہ بات ہو کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔

قارئین کرام! یہ بات تو انصاف کی ہے اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جب عقیدہ یہی ہے تو دلیل بھی اس پر ہونی چاہیے۔ نہ کہ دلیل اس پر دیتے رہیں کہ موت آئی ہے۔ روح نکل گئی ہے اور روح جنت میں ہے۔ موت کا آنا اور روح کا جسم عنصری سے نکل جانا۔ پھر روح کا جنت یا جہنم میں علیین اور سجیین میں رہنا۔ یہ قطعاً دلیل نہیں اس بات کی کہ اب روح واپس نہیں آسکتی۔ یا روح کا جسم عنصری سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیا اگر روح نکل جائے تو پھر اس کا واپس آنا ناممکن ہے۔ جیسے تم سمجھتے ہو۔ تو پھر سوئے ہوئے آدمی کی روح بھی نکل جاتی ہے۔ تو پھر وہ کیوں واپس آجاتی ہے؟ جو جواب اس کا تم دو گے۔ وہی ہم اس کا جواب دیں گے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ روح علیین میں ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی آپ کی دلیل قطعاً درست نہیں۔ آپ کا اپنا خیال اور عقل پرستی ہے کہ جب روح علیین میں اتنی دور ہے تو پھر کیسے تعلق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سوئے ہوئے کی روح بھی نکل کر چلی جاتی ہے۔ لیکن اس کا تعلق جسم عنصری سے رہتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی علیین میں ہونے کے باوجود تعلق رہے گا۔ یہ کوئی بعید از عقل بات نہیں اور اسی طرح سورج بھی اتنی دور ہے۔ چاند بھی اتنی دور ہے۔ لیکن ان کا زمین کی چیزوں کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ تمام چیزوں کے پکنے اور میٹھا ہونے کا دارومدار انہی کی روشنی پر ہے۔ جب یہ تعلق ہو سکتا ہے تو پھر روح کا تعلق بھی جسم عنصری کے ساتھ قبر میں ہو سکتا ہے۔ کوئی عقل کے خلاف بات نہیں۔

جواب : ۲...... قرآن اور حدیث میں کہیں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ قرآن نے کہہ دیا ہو کہ آپ ﷺ مردہ ہیں۔ کیونکہ اگر قرآن کہہ دے کہ آپ مردہ ہیں تو قرآن کس پر نازل ہو رہا ہے؟ مردے پر نازل ہو رہا ہے؟ اسی طرح حدیث میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ آپ ﷺ نے فرما دیا ہو کہ میں مردہ ہوں۔ کیونکہ جیتے جی کون اپنے آپ کو مردہ کہہ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن اور حدیث سے تو منکرین حیات قطعاً استدلال نہیں کر سکتے۔ البتہ معتزلہ رافضی خارجی دوسرے فتنوں سے تحریف شدہ کوئی دلیل لے آئیں تو کوئی بعید نہیں۔ (الجنس یمیل الی الجنس کے تحت) باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں یہ بات آ گئی کہ آپ ﷺ پر موت طاری ہوئی ہے۔ اس کا کوئی انکاری نہیں۔ اس پر دلیل دینے کی ضرورت نہیں۔ جس پر دلیل دینے کی ضرورت ہے۔ وہ دلیل دیتے نہیں۔ کیونکہ ہو تو دیں اور یہ جو آیات اعتراض میں لکھی ہیں۔ ان سے قطعاً یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مرنے کے بعد روح کا جسم سے تعلق نہیں ہوتا۔ ان سے صرف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کی موت آنے والی ہے اور وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ وعدہ پورا ہونے کے فوراً بعد پھر قرآن وحدیث کی رو سے اسی روح کا دوبارہ جسم کے ساتھ تعلق قائم کر دیا گیا ہے۔

منکرین حیات سے بات کرنے کا طریقہ

قارئین! اگر کہیں منکرین حیات سے بات کرنے کا موقع مل جائے تو وقت ضائع کرنے کی بجائے اسے پابند کیا جائے کہ بھائی اپنا عقیدہ واضح کرو کہ روح کا جسم سے تعلق ہے یا نہیں؟ اگر کوئی تعلق نہیں تو پھر اس عقیدے پر دلیل دے۔ دلیل صرف اس پر ہو کہ روح کا جسم سے تعلق نہیں اور کسی قسم کے دلائل تم نے سننے ہی نہیں۔ کیونکہ جو دلائل دے گا وہ صرف اس پر ہوں گے کہ روح جنت میں ہے۔ موت آ گئی ہے۔ میت ہے۔ مردہ ہے۔ علیین میں روح ہوتی ہے۔ ان چیزوں سے نہ ہمارا اختلاف ہے، نہ ہم انکار کرتے ہیں۔ ایسے دلائل کی قطعاً کوئی حاجت نہیں۔ اسے اس بات کا پابند کریں کہ صرف اپنے اس عقیدہ پر کہ روح کا جسم سے تعلق نہیں، دلیل دے اور بس۔ جب اس بات کا پابند کر لیں گے تو بات کرنی آسان ہو گی اور فریقین کسی کنارے جا لگیں گے اور بحث وتمحیص کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور نکل آئے گا۔ ورنہ خالی وقت کا ضیاع ہو گا اور پانی میں مدھانی مارنے کے مترادف ہو گا۔

اعتراض...... منکرین حیات کہتے ہیں کہ جب روح کا جسم سے تعلق ہے اور یہ زندہ ہے۔ تو پھر اس کو میت اور مردہ کیوں کہتے ہو؟ اور پھر میت کے لفظ کیوں قرآن وحدیث میں استعمال ہوئے ہیں؟ تم نے اس کو کیوں دفن کیا؟ قبر میں زندہ کو دفن کرتے ہو؟

جواب...... میت اور مردہ ہم اس دنیا کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی دنیا والی زندگی ختم ہو گئی اور دنیا میں جو روح کا جسم کے ساتھ تعلق تھا۔ وہ ختم ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا کے اندر رہتے ہوئے ہم یہی کہیں گے کہ یہ مردہ ہے۔ میت ہے۔ یہ بات کہ قبر میں زندہ ہیں اور روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ عالم برزخ اور عالم قبر کے لحاظ سے کہتے ہیں کہ وہ قبر میں زندہ ہیں۔ دونوں باتوں میں کوئی تعارض اور تقابل نہیں۔ میت دنیا کے لحاظ سے ہے اور زندہ برزخ کے لحاظ سے ہے۔ منکرین حیات کو جو دھوکہ لگا ہے۔ وہ یہی ہے کہ انہوں نے دونوں باتوں کو ایک کر دیا۔ تعارض اور تقابل کی صورت پیدا کر لی کہ جب میت ہے تو پھر زندہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی میت کا لفظ بولنے سے دنیاوی مردہ مراد لیتے ہیں۔ پھر زندگی بھی دنیاوی مراد لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کو دھوکہ لگا ہوا ہے۔ اگر اس کو سمجھ لیں تو انشاء اللہ! کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

اعتراض ...... جب قرآن پاک میں ہے کہ: ''اموات غیر احیاء، ومایشعرون ایان یبعثون'' (مرنے والے مردہ ہیں زندہ نہیں اور نہ ہی وہ شعور رکھتے ہیں کہ کب اٹھائیں جائیں گے) اسی آیت سے منکر حیات مولوی شہاب الدین خالدی نے اپنا اجتہاد کر کے یہ بات ثابت کی ہے کہ روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: ''یہ بات واضح ہے کہ جن کو پوجا جاتا ہے وہی فی الحال اس وقت بھی مردہ ہیں۔ بے جان ہیں۔ ان کا جسم ایسی میت ہے جس میں روح نہیں۔ اموات، میت کی جمع ہے۔ میت اسی کو کہتے جس میں نہ روح ہو، نہ ہی روح کا اس کے ساتھ تعلق ہو۔ میت کو ہم میت اس لئے کہتے ہیں کہ روح اس سے نکل گئی ہے اور اب روح کا اس کے ساتھ تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے۔ اس کو معلوم تھا کہ بہت سارے لوگ اپنے غلط عقیدے سے چمٹے رہنے کے لئے موت اور میت کے معنی میں غلط تاویل کریں گے اور دھوکہ سے کام لیں گے۔ اس لئے علام الغیوب نے اموات کی وضاحت فرمادی۔ غیر احیاء! یعنی مردے وہ ہیں جو زندہ نہ ہوں۔ یعنی جن میں نہ روح ہو اور نہ ہی روح کا جسم سے تعلق ہو۔ جس میں زندگی کے کوئی آثار نہ ہوں۔ (عقیدۃ الامت ص ۱۴۳)

جواب: ۱...... آپ حضرات اگر دنیا کی کوئی لغت کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں تو آپ کو میت کا وہ معنی جو منکر حیات نے کیا ہے۔ یعنی میت کہتے ہیں۔ جس میں روح نہ ہو اور نہ ہی روح کا تعلق ہو۔ یہ معنی آپ حضرات کو کسی لغت کی کتاب میں نہیں ملے گا اور نہ ہی ان منکرین حیات کی کسی کتاب یا کسی تفسیر میں آپ کو ملے گا۔ یہ ان کا اپنا اجتہاد بغیر دلیل کے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت اتری ہی بتوں کے بارے میں ہے۔ مشرکین کی تردید کے لئے۔ کیونکہ مشرکین اکثر و بیشتر بتوں کی ہی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جن کی یہ پوجا کرتے ہیں۔ وہ تو ہیں ہی غیر ذی روح۔ جن میں سرے سے روح ہوتی ہی نہیں ہے۔ جیسے، پتھر، درخت وغیرہ۔ جب یہ آیت ہے پتھروں کے تراشے ہوئے بتوں کے لئے تو ان سے استدلال قطعاً درست نہیں۔ ان منکرین حیات نے بتوں والی آیات کو انبیاء کرام علیہم السلام پر چسپاں کردیا۔ یہ بہت بڑی گستاخی ہے۔ اگر بالفرض اس میں تمام وہ معبودان لے لئے جائیں جن کی دنیا کے اندر کسی زمانہ میں بھی پرستش ہوتی رہی۔ خواہ وہ حجر کے تھے یا شجر کے اور مشرک لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کو سمجھانا مقصود تھا کہ وہ مردہ ہیں۔ زندہ نہیں۔ تم عقل نہیں رکھتے کہ ان کی پوجا کرتے ہو۔ جب کہ انہیں نہ اپنے جی اٹھنے کا علم ہے اور نہ تمہارے جی اٹھنے کا۔ معبود تو وہ ہوتا ہے جسے ''ماکان ومایکون'' کا علم ہو اور وہ صرف اللہ ہے۔ باقی اس آیت سے قطعاً یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ عالم برزخ میں یا عالم قبر میں اموات غیر احیاء ہیں۔ کیونکہ اگر یہی مطلب لے لیا جائے تو پھر تمام وہ احادیث جن میں عذاب قبر کا ذکر ہے اور وہ تمام آیات مبارکہ جن میں عذاب قبر کا ذکر ہے۔ سب کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ العیاذ باللہ! حالانکہ وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ لہٰذا منکرین حیات کا اس آیت سے استدلال نقل وعقل کے خلاف ہے۔ آیت کا تعلق سرے سے اس موضوع سے ہے ہی نہیں۔ سیاق وسباق میں معبودان باطلہ اور ان کی پوجا کرنے کی تردید ہے۔ قائلین حیات کی نہیں۔ غلط استدلال کر کے قائلین حیات کی تردید کرنا سراسر تحریف قرآن ہے۔

جواب: ۲...... اس آیت سے اگر عام مراد لے لیا جائے کہ جن کو خدا کی خدائی میں شریک کیا گیا۔ وہ فوت شدہ ہیں۔ میت غیر احیاء ہیں۔ زندہ نہیں۔ تب بھی عالم قبر والی اور عالم برزخ والی زندگی کو اس سے مستثنیٰ کرنا ضروری ہے۔ ورنہ مسلمانوں کے سب عقائد باطل ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس دنیا میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی پوجا

کی گئی ہے اور کی جاتی ہے۔ تو اس سے اگر کوئی قادیانی یا کوئی بدمذہب یہ دلیل پکڑے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن میں آ گیا ہے کہ جن کی پوجا کی جاتی ہے۔ وہ تو اموات ہیں۔ زندہ نہیں ہیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کی جاتی تھی۔ وہ بھی مردہ ہیں۔ زندہ نہیں ہیں تو اس سے اہل سنت والجماعت کے عقیدہ پر زبردست زد پڑتی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات جسمانی مع الروح کے قائل ہیں اور چودہ سو برس سے اس عقیدے پر چلے آ رہے ہیں اور بیسیوں احادیث مبارکہ اور قرآن پاک کی ان آیات کا انکار لازم آتا ہے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات بہ صراحت بیان کی گئی ہے۔ اگر بالفرض انہیں اس آیت کے عموم میں شامل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ منکرین حیات اندھا دھند زور لگا رہے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس عموم سے علیحدہ کر لیا جائے گا اور اس پر قرینہ وہ قرآنی آیات اور وہ احادیث ہوں گی۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات جسمانیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی جائے گی جو اس آیت میں ہوئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت تھی تو سب کو شامل جن کی عبادت کی گئی وہ اموات ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آیت سے دوسرے دلائل کے ساتھ نکال دیا گیا۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو آیت ایسی عام ہوئی کہ اس میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص کر لیا گیا ہے اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ قرآن پاک کی کچھ آیات ایسی ہیں جو بالکل عام ہیں۔ اس سے کسی شئی کو نہیں نکالا گیا اور کچھ آیات ایسی ہیں کہ ان سے کچھ نہ کچھ نکال دیا گیا ہے۔ استثناء کر دیا گیا ہے۔ جن سے استثناء کر دیا گیا ہے ان کو کہا جاتا ہے عام مخصوص منہ البعض۔ یعنی ایسا حکم عام جس سے کچھ چیزیں بالاتفاق مستثنیٰ ہوں اور جس سے کچھ چیزیں بالاتفاق نکال دی گئی ہوں۔ مستثنیٰ کر دی گئی ہوں۔ وہ حکم عام نہیں رہتا۔ بلکہ اس کو کہا جاتا ہے عام مخصوص منہ البعض۔ اسے مثال سے یوں سمجھیں کہ قرآن پاک میں صراحتاً آ گیا کہ: ''یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین'' اب یہ آیت عام ہے کہ جس کی اولاد ہوگی۔ اس کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں کہ مردوں کے لئے دو حصے اور عورتوں کے لئے ایک حصہ۔ یعنی تقسیم میراث قرآن سے ثابت ہے اور آیت عام ہے۔ اس کی عمومیت کو ختم کرنے کے لئے حدیث مشہور چاہئے یا خبر متواتر۔ یعنی خبر متواتر اور خبر مشہور سے آیت کے عموم میں تخصیص کرنا جائز ہے۔ لہٰذا ہم نے ''لا یرث الکافر المسلم'' (کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا)

اس حدیث کی وجہ سے اس شخص کی اولاد کو جو مسلمان نہیں۔ بلکہ کافر ہے۔ یعنی ایک باپ ہے۔ اس کے دو بیٹے ہیں۔ ایک مسلمان ہے۔ ایک کافر ہے۔ تو کافر کو میراث نہیں ملے گی۔ حالانکہ قرآن میں نہیں آیا کہ جو کافر ہو اس کو میراث نہیں ملے گی۔ قرآن پاک میں مطلق میں آ گیا کہ اولاد کو میراث دو۔ ہم نے قرآن کے مطلق کو مقید کیا اور عام کو خاص کیا۔ حدیث متواتر سے تو آیت اب عام نہ رہی۔ بلکہ عام مخصوص منہ البعض ہوگئی کہ جو اولاد مسلمان ہو اس کو وراثت مسلمان باپ کی ملے گی اور جو اولاد کافر ہو۔ اس کو نہیں ملے گی۔ جب یہ آیت اور وہ آیت ''اموات غیر احیاء'' والی مخصوص منہ البعض ہوگئی۔ اب اصول فقہ کی تمام کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ عام مخصوص منہ البعض کی دلالت اپنے افراد پر ظنی ہوتی ہے اور جو چیز ظنی ہو اس سے خبر واحد کے ذریعے بھی تخصیص کرنا جائز ہے۔

اب آپ حضرات اموات غیر احیاء! کی تشریح سمجھیں کہ یہ آیت عام تھی۔ ہم نے خبر متواتر کے ذریعے اس کو خاص کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نکالا اور ان کو بھی نکالا جو ابھی فوت ہوئے ہی نہیں اور ان کی پوجا کی جاتی ہے۔ دونوں کو نکال دیا تو یہ آیت مخصوص منہ البعض ہوئی اور جب مخصوص منہ البعض ہوئی تو اب اس سے خبر واحد کے ذریعے بھی دوسرے

افراد کو نکالا جا سکتا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کی حیات یا باقی انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جو خبر واحد کے ذریعے ثابت ہے تو بالکل ٹھیک ہے۔ اب یہ جو منکرین حیات کہتے ہیں کہ یہ حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' یہ خبر واحد ہے۔ خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ تو ہم ان کو جواب دیں گے کہ حدیث مذکور اگرچہ خبر واحد ہے۔ لیکن خبر واحد کے ذریعے بھی تو احکام ثابت ہوتے ہیں اور خبر واحد موجب للعمل ہوتی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں ترجمان السنہ ج ۱)

کیونکہ جب خبر واحد کے ذریعے انبیاء اکرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہوگئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ روح کا اجسام عنصریہ کے ساتھ قبروں میں تعلق ہوتا ہے۔ تو منکرین حیات کو اب مان لینا چاہیے۔ اگر پھر بھی ان کو یہ بات سمجھ میں نہ آئے اور یہی کہتے رہیں کہ تم خبر واحد سے ثابت کرتے ہو۔ یہ صحیح نہیں۔ تو ہم دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہمارا یہ عقیدہ خبر واحد سے ثابت ہے لیکن تم تو اپنا عقیدہ استدلال فاسد سے ثابت کرتے ہو نہ کہ قرآن سے اور نہ ہی خبر واحد سے۔ وہ اس طرح کہ انک میت والی آیت سے یہ استدلال تو ممکن ہی نہیں کہ یوں کہا جائے کہ جس وقت یہ آیت اتری تھی۔ اس وقت آپ ﷺ مردہ تھے۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہوگا ''انک میت'' یعنی ''انک تموت'' بے شک آپ ﷺ مرنے والے ہیں۔ اور یہ معنیٰ ''انک تموت'' والا یہ جملہ فعلیہ ہے اور جملہ فعلیہ حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی ختم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ استمرار ودوام پر دلالت نہیں کرتا۔ یعنی اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ہمیشہ کوئی کام ہوتا رہا ہے۔ جیسے دخل زید کہ زید داخل ہوا۔ اب یہ جملہ فعلیہ ہے۔ حدوث پر دلالت کر رہا ہے کہ زید داخل ہوا اور داخل ہونا ختم ہو گیا۔ نہ یہ کہ ہمیشہ داخل ہوتا رہا۔ جب داخل ہونا ختم استمرار ودوام ہمیشگی والا معنیٰ بھی ختم۔ اسی طرح موت آپ ﷺ پر آئی اور موت آنا ختم اور منکرین حیات یہ کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ موت آئی اور آپ ﷺ موت پر ہی ہمیشہ رہے۔ یعنی موت ابھی طاری ہے۔ یہ استدلال فاسد ہے اور استدلال فاسد سے بالکل عقائد ثابت نہیں ہوتے۔

عقیدہ صلوٰۃ وسلام ...... دوسرا اختلاف

علماء دیوبند کا عقیدہ

حضرات علماء دیوبند کا عقیدہ ونظریہ یہ ہے کہ چونکہ آپ ﷺ روضۂ اطہر میں زندہ ہیں۔ اسی دنیا والی زندگی کی طرح۔ یعنی جس طرح دنیا میں زندگی مبارک جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھی۔ اسی طرح روضۂ اطہر میں بھی زندگی جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہے۔ لیکن وہ زندگی عالم برزخ اور عالم قبر والی ہے۔ لیکن اس کا ہمیں شعور نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔ وہ آپ ﷺ بذات خود سنتے ہیں اور درود وسلام پڑھنے والے خوش نصیب کو اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ جو شخص دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔ اس کو فرشتے مقرر شدہ پہنچا دیتے ہیں اور آپ ﷺ اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

(عقائد اہل سنت والجماعت مفتی طاہر مسعود ص ۱۵۸، المہند ص ۱۳، نشر الطیب ص ۲۱۱، فتح الملھم ص ۱۷ ج ۲)

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات وسماع کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص آپ ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ نہیں۔ روح کا جسم عنصری کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا جو شخص روضہ اطہر پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ اس کا صلوٰۃ وسلام بالکل قطعی اور یقینی آپ ﷺ نہیں سنتے۔ نہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ بلکہ پڑھا ہوا درود وسلام

اوپر چڑھ جاتا ہے۔ یعنی علیین میں پہنچتا ہے۔ صرف روح سنتی ہے۔ روح مع الجسد نہیں اور صلوٰۃ وسلام پہنچانے کا مقصد صرف دعا ہے اور کچھ نہیں۔ گویا سلام پڑھنے سے آپ ﷺ کے لئے دعا کردی ہے اور بس۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کسی سلام کرنے والے کے سلام کو کسی مردے تک پہنچادے تو اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ قانون اور ضابطہ نہیں۔ اس صورت میں مردہ کی روح سلام سن کر جواب دیتی ہے۔ قبر میں پڑا ہوا بے جان جسم جواب نہیں دیتا۔

(عقیدۃ الامت ص ۲۲۴، عقائد علماء اسلام ص ۴۸۴، مسلک اکابر ص ۱۳۱، القول السدید ص ۱۹)

منکرین حیات کا عقیدہ ان کی عبارات سے

۱...... صلوٰۃ وسلام نہ سنتے ہیں۔ نہ جواب دیتے ہیں۔ (کیا مردے سنتے ہیں ص ۴۰)

۲...... قائلین حیات وسماع عند القبر یحملون کمثل الحمار کا مصداق ہیں۔ (القول السدید ص ۹)

۳...... سماع مافوق الاسباب عند القبر کا نظریہ شرک ہے۔ (ایضاً ص ۹)

۴...... سماع انبیاء زیادہ ہی مستبعد ہے۔ (مسلک اکابر ص ۳۱)

فائدہ! ایک مرتبہ پھر علماء دیوبند اہل سنت والجماعت اور منکرین حیات کا عقیدہ ذہن نشین فرمالیں۔ تاکہ آنے والے دلائل کو جلد سمجھ سکیں اور فریقین کے عقائد پر انہیں منطبق کرسکیں۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ روضہ اطہر میں روح مع الجسد حیات ہیں۔ وہاں حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام بنفس نفیس خود سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ دور سے پڑھا ہوا درود وسلام بواسطہ ملائکہ علیہم السلام پہنچادیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔ جب کہ منکرین حیات یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ روح مع الجسد زندہ نہیں ہیں اور نہ ہی وہاں پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کو آپ سنتے ہیں اور نہ ہی جواب دیتے ہیں۔ اب آپ آنے والے دلائل ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ فرمائیں کہ حق کس طرف ہے؟

روضۂ اطہر پر پڑھا ہوا درود آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں

احادیث سے ثابت ہے جو شخص آپ ﷺ کی ذات اقدس پر درود وسلام پڑھے روضہ اطہر پر تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ اگر دور سے پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ جو شخص بھی صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ وہ فرشتے آپ ﷺ کے روضہ اطہر میں پہنچادیتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں۔ پہنچانے میں دیر بھی نہیں لگتی۔ ادھر ختم ہو رہا ہوتا ہے۔ ادھر پہنچ رہا ہوتا ہے۔ یہی مضمون اتنی احادیث سے ثابت ہے کہ وہ تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ جیسے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ مضمون صلوٰۃ وسلام والا متواتر طور پر ثابت ہے۔'' (فتاویٰ عزیزیہ ص ۶۹ ج ۲)

عقیدہ صلوٰۃ وسلام قرآن کریم کی روشنی میں

دلیل نمبر ۱...... ''ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی ۰ یاایھالذین آمنو صلوا علیه وسلموا تسلیما (احزاب: ۵۶)'' (بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی (ﷺ) پر۔ اے ایمان والو! تم بھی درود بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام بھیجنا)

استدلال: اس میں لفظ نبی کا ذکر ہے اور لفظ نبی روح اور جسم دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ جیسے آپ ﷺ نبی پہلے تھے۔ اب بھی ویسے نبی ہیں روضہ اطہر میں۔ یہ نہیں کہ نزول آیت کے وقت تو نبی تھے۔ اب نبی نہیں۔ جیسے بوقت نزول آپ ﷺ نبی تھے۔ اب بھی روضہ اطہر میں نبی ہیں۔ اور نبی کا اطلاق روح مع الجسد پر ہوا ہے۔ صرف روح پر نہیں۔ جب نبی کا اطلاق روح مع الجسد پر ہوتا ہے۔ تو پڑھا ہوا درود وسلام بھی روح مع الجسد کی ذات اقدس (ﷺ) پر پہنچتا ہے اور ذات اقدس روح مع الجسد جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

عقیدہ صلوٰۃ وسلام احادیث کی روشنی میں

دلیل نمبر ۲...... امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ روایت آتی ہے کہ: "قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ ملائکته یسیحون فی الارض یبلّغونی صلوٰۃ من صلّیٰ علیّ من امتی" (دارقطنی، القول البدیع ص ۱۱۰، شفاء السقام ص ۳۴) (آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ کچھ فرشتے زمین پر پھرتے رہتے ہیں۔ میری امت میں سے جو شخص درود پڑھتا ہے مجھ پر۔ وہ درود پہنچا دیتے ہیں)

دلیل نمبر ۳...... "قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ ملائکته سیاحین فی الارض یبلّغونی الصلوۃ علیّ من امتی فاستغفر لهم" (علامہ شہاب الدین محمد بن احمد المستطرف فی کل فن مستطرف ص ۲۱۷ ج ۲) (آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے زمین پر پھرتے رہتے ہیں میری امت کی طرف سے وہ مجھے درود پہنچاتے ہیں۔ پس میں ان کے لئے استغفار کرتا ہوں)

دلیل نمبر ۴...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ونسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ: "بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ مضمون متواتر طور پر ثابت ہے۔" (فتاویٰ عزیزیہ ص ۶۹ ج ۲)

استدلال: قارئین! غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مذکورہ بالا احادیث ثلاثہ میں آپ ﷺ نے تین قسم کے لفظ ارشاد فرمائے ہیں۔ جن سے قطعیت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ کی ذات گرامی پر پہنچایا جاتا ہے۔ آپ سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔

۱...... "انّ" کا لفظ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تاکید کے لئے کہ اس میں شک بالکل نہ کرو۔ پکی سچی بات ہے کہ فرشتے زمین پر مقرر ہیں۔ اس میں ان حضرات کا رد بھی ہے صراحتاً جو یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ حاضر وناظر ہوتے ہیں۔ اگر آپ حاضر وناظر ہوتے تو فرشتے مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

۲...... "علیّ" کا لفظ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ دنیا میں اپنی ذات مبارکہ کے لئے لفظ علیّ بولتے تھے۔ اس طرح اب بھی اس لفظ کا اطلاق آپ کی ذات اقدس پر ہوتا ہے اور لفظ علیّ جس طرح دنیا میں روح مع الجسد پر بولا جاتا تھا۔ اب بھی بالکل ویسے ہی روح مع الجسد پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ روضہ اطہر میں روح مع الجسد کے ساتھ زندہ حیات ہیں۔

۳...... "یبلغوننی" اس میں لفظ "نی" میں ن جمع مذکر غائب ہے اور "یا" متکلم کی ضمیر ہے اور ضمیریں ہمیشہ ذات پر ہی دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے تو جب یا متکلم کی ہوئی تو اس نے بھی

آپ ﷺ کی ذات اقدس پر دلالت کی کہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے۔ذات نام ہے روح اور جسم دونوں کا۔نہ کے صرف جسم یا صرف روح کا۔لہٰذا ان روایات سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ ﷺ اپنی جنت یعنی روضہ اطہر میں روح مع الجسد کے ساتھ زندہ ہیں اور فاستغفر لھم ان الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ ﷺ جواب بھی عنایت فرماتے ہیں اور درود پڑھنے والے کے لئے استغفار بھی کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۵ ......''عن ابی هريرة ؓ قال قال رسول ﷺ :من صلّى علىّ عند قبری سمعته، ومن صلّى علىّ من بعيد أعلمته'' (جلاء الافہام لحافظ ابن القیم ص ۱۹) (حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (فرشتوں کے ذریعے) بتلایا جاتا ہے)

نوٹ: اس روایت کے تمام راوی ثقہ معروف ہیں اور اس کی سند جید ہے۔

استدلال: اس حدیث میں بھی لفظ ''علیّ '' کا استعمال آپ کی ذات مقدس پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ''ی'' ضمیر متکلم ذات کے لئے ہے اور ذات مقدس روح مع الجسد دونوں کو کہا جاتا ہے۔لہٰذا درود وسلام اسی ذات اطہر کو پہنچتا ہے جو روضہ اطہر میں موجود ہے۔

دلیل نمبر ٦ ......''من صلى علىّ عند قبری سمعته، ومن صلى علىّ نائياً وكل الله بها ملكا يبلغنی وكفی امر دنياه وآخرته وكنت له شهيداً أو شفيعا'' (اخرجہ البیہقی) (آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ جس نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو اسے میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فرشتہ مقرر کیا ہے جو مجھے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس درود پڑھنے والے کے دنیا آخرت کے کام پورے کرتا ہے اور میں اس کے حق میں گواہ اور شفیع ہوں گا)

استدلال: اس حدیث میں بھی جو لفظ ''على سمعته '' میں ''ت'' ضمیر ''قبری'' میں ''یا'' ضمیر ''يبلغنی'' میں یا ضمیر آپ ﷺ کی ذات اقدس پر دلالت کر رہی ہیں اور ذات اقدس روح مع الجسد کو کہتے ہیں۔ نہ کہ صرف روح کو ''كنت به شهيداً أو شفيعا'' سے مزید یہ معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ درود پڑھنے والے کے ایمان کی گواہی دیں گے اور بخشش کی سفارش فرمائیں گے۔اس میں یعنی کنت میں ''ت'' ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے اور آپ ﷺ کی ذات ہی سفارش کرے گی اور گواہی دے گی۔نہ کہ صرف روح۔جیسے کہ منکرین حیات کہتے ہیں کہ گواہی اور سفارش تب ہو سکتی ہے جب گواہ کو علم حاصل ہو اور علم کا حصول اس کو ہوگا جو روح مع الجسد کے ساتھ زندہ ہو۔تو ان سب باتوں سے قطعیت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ عین قرآن وحدیث کے مطابق ہے اور یہ بات بھی حدیث سے ثابت ہوگئی کہ جس کو دنیا میں کسی قسم کی کوئی تنگی یا کوئی پریشانی ہو تو وہ کثرت سے درود پڑھا کرے۔انشاء اللہ! اس کی دنیاوی تنگی و پریشانی دور ہو جائے گی۔اسی طرح آخرت میں بھی تنگی و پریشانی سے نجات کے لئے کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے۔کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کے کام پورے فرماتے ہیں۔

دلیل نمبر ۷ ......حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب تم میں سے وہ شخص ہوگا جس نے دنیا میں کثرت سے مجھ پر درود پڑھا۔ جمعہ کے دن

اور جمعہ کی رات میں تو اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں ضرور پوری کرے گا۔ ستر آخرت کی اور ۳۰ دنیا کی۔'' وکل اللّٰہ بذالک ملکا'' (اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر فرما دیتا ہے) اس درود پاک پر۔ وہ فرشتہ میری قبر میں درود کو پیش کرتا ہے۔ ایسے جیسے کہ پیش کئے جاتے ہیں تم پر ہدیئے، تحفے، وغیرہ ا'' یخبرنی من صلیّ علیّ باسمه... الخ'' (وہ فرشتہ خبر دیتا ہے مجھ کو اس شخص کی جس نے مجھ پر درود پڑھا اس کے نام ساتھ منسوب کرتا ہے اس کو۔ اس کے قبیلہ (خاندان) کی طرف۔ پھر وہ فرشتہ درود کو رکھ دیتا ہے میرے قریب ایک سفید صحیفے میں)

(حیات الانبیاء بحتوی علی الرسائل الجمیلہ ص ۱۵ الترغیب والترہیب)

استدلال: اس حدیث میں تفصیل آئی اس بات کی جو پہلی حدیث میں گزری کہ اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے کام پورے کرے گا۔ دوسرا اس میں صراحت ہے اس بات کی بھی کہ فرشتے درود وسلام پہنچانے کے ساتھ ساتھ خبر بھی دیتے ہیں نام کی اور اس کے قبیلہ کی بھی کہ فلاں بن فلاں نے جو فلاں برادری سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے یہ ہدیہ اور تحفہ آپ ﷺ کی خدمت عالی میں بھیجا ہے۔ اب آپ حضرات خود فیصلہ کریں۔ منکرین حیات زیادہ تر ان جیسی حدیثوں پر یہ زور لگاتے ہیں کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں جو قابل استدلال نہیں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ منکرین حیات اپنے لچر اور بودے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے صحیح ترین احادیث پر کس طرح ہاتھ پھیر دیتے ہیں اور ان کا رد کر دیتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے ان منکرین کے رد کے لئے واضح الفاظ میں فرمادیا کہ وہ مجھے خبر دیتے ہیں اور خبر دینا زندہ کو ہوتا ہے۔ زندہ بھی وہ جو روح مع الجسد کے ساتھ ہو اور یہ بھی واضح فرمایا کہ میری قبر میں میرے پاس رکھ دیتے ہیں۔ اس سے منکرین حیات کا رد ہو گیا کہ پڑھا ہوا روح پر پہنچتا ہے اور روح علیین میں ہے اور علیین آسمانوں پر ہے۔

دلیل نمبر ۸ ......'' عن اوس بن اوس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: ان من افضل ایّامکم یوم الجمعه فیه خلق آدم، وفیه قبض، وفیه النفخه، وفیه الصعقه، فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیه، فان صلوٰ تکم معروضة علیّ، قال قالوا یارسول اللّٰہ وکیف تعرض صلوٰ تنا علیک؟ وقد ارمت؟ قال یقولون بلیت فقال ان اللّٰہ حرّم علی الارضان تأکل اجساد الانبیاء'' (حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ بے شک تمہارے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن فوت ہوئے۔ اسی دن میں نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی دن نفخہ ثانیہ ہوگا۔ پس تم زیادہ کرو اسی دن میں مجھ پر درود شریف۔ پس بے شک تمہارا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ کس طرح ہمارا درود شریف آپ ﷺ پر پیش کیا جائے گا؟ حالانکہ آپ ﷺ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟ حضرت اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لفظ ارمت کہا یا بلیت کہا (دونوں کا مفہوم ایک ہے) پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے زمین پر کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے)

(ابن شیبہ ص ۵۱۶ ج ۲، ابوداؤد ص ۱۵۰ ج ۱، النسائی ص ۱۵۴ ج ۱، ابن ماجہ ص ۷۷، سنن کبریٰ ص ۲۴۹ ج ۳)

استدلال: اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے پہلے جمعہ کی فضیلت بیان فرمائی کہ سب سے بہترین دن جمعہ کا ہے۔ ایسا بابرکت دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کرنے کے لئے اسی کو چنا۔ پھر فرمایا کہ حساب و کتاب کے لئے بھی یہی دن منتخب ہے۔ قیامت بھی اسی میں واقع ہوگی۔ اس کی اہمیت بیان کر کے پھر فرمایا کہ جمعہ

کے دن درود پاک کی کثرت رکھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر یعنی لفظ "علیّ" آپ نے استعمال کیا ہے کہ میری ذات پر نہ کہ میری روح پر تمہارا درود پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر کس طرح پیش ہوگا؟ آپ تو مٹی ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے پھر تاکید کے ساتھ بیان فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ ان کی مٹی جنت سے لائی گئی تھی۔ جنت کی مٹی کو زمین والی مٹی نہیں کھاتی۔ جب زندہ ہوتے ہیں تو سلام وغیرہ بھی پہنچتا رہتا ہے۔ لہٰذا تم بھی جمعہ کے دن کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھا کرو۔

دلیل نمبر ۹ ......"عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ ما من احد یسلم علیّ الا رد الله علیّ روحی حتی اردّ علیه السلامَ (قال ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حتی ارد علیه السلام ای اقول وعلیک السلام" (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جواب سے مراد وعلیک السلام! ہے)

(ابوداؤد ص ۲۷۹ ج ۱، مسند احمد ص ۵۲۷ ج ۲)

تنبیہ! اس حدیث کی مکمل تشریح مسئلہ حیات الانبیاء میں دلیل نمبر ۳ کے تحت ہو چکی ہے۔ آپ حضرات وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

دلیل نمبر ۱۰ ......"من صلی علیّ عند قبری سمعته ای سماعا حقیقیا بلا واسطة" (جو مجھ پر میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھتا ہے میں اسے حقیقی طور پر سنتا ہوں بلا واسطہ) (شرح الشفاء ص ۵۰۰ ج ۳)

اعتراض ......اس سے پہلی والی حدیث کو لے کر منکرین حیات اچھے خاصے انسان کو اپنے دام فریب میں لے لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سب سے زیادہ خوف ناک بات یہ ہے کہ جب کوئی آپ ﷺ کی قبر مبارک پر سلام عرض کرتا ہے تو آپ ﷺ کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ تو سلام سننے اور اس کا جواب دینے کے بعد پھر نکالی جاتی ہے۔ پھر کوئی سلام کرتا ہے تو پھر لوٹائی جاتی ہے۔ بار بار نکلنا اور بار بار لوٹنا۔ یہ کتنا خطرناک عمل ہے جس سے امام الانبیاء کو گزارا جا رہا ہے۔ دن میں کئی بار موت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حدیث گھڑنے والے کو کیا پتہ ہے کہ موت کے وقت روح نکلنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ اپنا سلام سنانے اور اس کا جواب لینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر کو کتنی تکلیف پہنچائی جا رہی ہے؟ بار بار روح لوٹنے سے بار بار موت کا طاری ہونا لازم آتا ہے۔ بار بار موت کی تکلیف ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بہت بڑی گستاخی ہے۔ ایسی اذیت ناک عقیدت سے ہزار بار توبہ۔ ایسی روایات سب موضوع ہیں۔ (عقیدۃ الامت ص ۱۲۰۸)

جواب ......آپ حضرات کو اندازہ ہو گیا ہوگا منکرین حیات کس طرح لوگوں کو درود پڑھنے سے منع کرنے کے لئے کہانی بناتے ہیں کہ درود پڑھنے سے حضور ﷺ پر موت طاری کرنا ہے اور ان کو تکلیف دینا ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ درود والا کام جو سب سے افضل ہے۔ وہ بالکل نہ کیا جائے۔ گویا ان کے نزدیک حرام ہے۔ کیونکہ اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ تکلیف دینا حرام تو درود پڑھنا بھی حرام۔ کچھ عرصہ پہلے ماہنامہ الخیر میں حضرت مولانا محمد اظہر نے ایک سوال شائع کیا۔ وہ سوال یہ تھا:

امت مسلمہ میں دینی زوال کیوں آرہا ہے؟

امت دین سے کیوں ہٹتی جارہی ہے؟اور دین کی برکات کیوں ختم ہورہی ہیں؟ ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کا جواب دے۔ میرے شیخ ومربی استاذ محترم حضرت اقدس مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس کے جواب تو بہت دیئے۔لیکن سب سے اچھا اور معیاری جواب حضرت مولانا زاہدالحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا جو حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔وہ جواب یہ تھا کہ امت کے اندر زوال اس وجہ سے آرہا ہے کہ آپ ﷺ سے جو امت کو نسبت ہے۔وہ کٹتی اور کمزور ہوتی جارہی ہے۔جب نسبت کمزور ہوجائے گی تو جو فیضان روضہ اطہر سے دنیا میں امت محمد یہ ﷺ میں پھیل رہا ہے۔ وہ فیضان بند ہو جائے گا۔ جب فیضان بند تو بے دینی،گمراہی، فتنے،خود بخود پھیلیں گے اور فرمایا کہ اس نسبت کو کاٹنے میں دو جماعتوں کا سب سے بڑا دخل ہے۔

۱...... منکرین حدیث۔ ۲...... منکرین حیات النبی ﷺ

منکرین حدیث نے بھی حدیث کا انکار کرکے جو نسبت آپ ﷺ سے حدیث کی وجہ سے قائم تھی اور قائم ہوتی ہے۔اس کو ختم کردیا اور اس نسبت حدیث کی وجہ سے سب کچھ شریعت کا باقی ہے اور لوگ سنتوں پر عمل کررہے ہیں۔ آپ ﷺ کے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے تلوے تک کا احادیث میں ذکر ہے۔اس کے پڑھنے سے آپ ﷺ کی محبت پیدا ہوگی۔ جب محبت پیدا ہوگی تو آپ ﷺ کا بار بار تذکرہ بھی کریں گے اور درود بھی پڑھیں گے۔تو اس حدیث سے آپ ﷺ کے ساتھ نسبت پیدا ہوگی۔اگر بالفرض حدیث کا انکار کردیا جائے اور حدیث پڑھی ہی نہ جائے تو آپ ﷺ سے نسبت کیسے قائم ہوگی؟ اور آپ ﷺ کی شریعت پر کیسے عمل کرسکیں گے؟ وضوء کی تشریح،نماز کی تشریح، زکوۃ کی تشریح، حج کی تشریح،غرض ہر شئی کی تشریح تو حدیث میں ہے۔اس کو چھوڑنا گویا دین اسلام کو چھوڑنا ہے۔اسی وجہ سے منکرین حدیث کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔اس سے بچ کر رہنا چاہیے۔ورنہ دین ہی باقی نہ رہے گا۔

انکار حیات النبی ﷺ نسبت کے انقطاع کا سبب ہے

جو لوگ آپ ﷺ کی زندگی مبارک کا عالم برزخ اور عالم قبر میں انکار کرتے ہیں کہ سرے سے روضۂ اطہر میں سوائے جسم کے کچھ ہے ہی نہیں۔تو ان کا روضہ اقدس سے تعلق اور فیضان حاصل کرنا اور آپ ﷺ سے نسبت قائم رکھنا کیسے ہوسکتا ہے؟ گویا نسبت اور سب کچھ تعلقات کو ختم کرنا ہے اور نسبت رسول کو ختم کرنا ہے۔اس لئے ان دونوں جماعتوں (منکرین حیات اور منکرین حدیث) سے خاص کر بچ کے رہنا چاہیے۔ورنہ نسبت رسول کٹ جائے گی۔

نسبت رسول بھی بڑی چیز ہے جس کو نسبت نہیں اس کی بخشش نہیں

حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کا مقام

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مکاشفات میں یہ بات لکھی ہے کہ جہاں حدیث پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ ہر استاد اور طالب علم کو میں دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ کے سینے مبارک سے نورانی لہریں اٹھتی ہیں اور حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کے سینے تک مل جاتی ہیں۔ جہاں حدیث پڑھنے سے آپ ﷺ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔وہاں اس علاقہ پر بھی اللہ کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے۔ (خطبات حکیم العصر ص ۱۴۲ ج ۳)

قارئین! آپ حضرات نے منکرین حیات کے اعتراض کا جواب تو خوب سمجھ لیا ہوگا۔ مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں ہوگی۔ لیکن اس کے مزید تشفی کے لئے ایک اور جواب بھی دیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

جواب نمبر ۲...... جب انسان گستاخ بن جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کی گستاخی کا اثر اس کی عقل پر پڑتا ہے اور وہ صحیح اور واضح الفاظ کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ وہ اس طرح کہ دورد پڑھنا اور سلام کرنا۔ آپ ﷺ پر موت طاری کرنا ہے۔ بار بار موت دینا کیا انسان کے ہاتھ میں ہے؟ انسان جس کو چاہے موت دے دے اور جس کو چاہے باقی رکھ لے۔ یہ نظریہ تو نمرود بادشاہ کا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں جس کو چاہوں موت دیتا ہوں اور جس کو چاہوں باقی رکھتا ہوں۔ یہ منکرین حیات کیا اسی کافر بادشاہ کے خاندان کے ہیں یا اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ موت صرف میں دے سکتا ہوں۔ اب یہ منکرین حیات ترقی کر کے کہتے ہیں کہ نہیں اس نے غلط کہا۔ سب موت دے سکتے ہیں۔ وہ بھی کسی عام انسان کو نہیں۔ بلکہ آقائے دو جہاں مقصود کائنات ﷺ کو۔ آپ حضرات خود فیصلہ کریں۔ یہ الفاظ کہنا بڑی گستاخی ہے یا درود پڑھنا گستاخی ہے؟ جس سے منکرین حیات نے ہزار بار توبہ کی ہے۔ اگر اس درود سے اور آپ ﷺ کے جواب دینے سے موت آنی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے درود پڑھنے کا حکم کیوں دیا ہے؟ اگر اس سے تکلیف ہوتی ہے تو کیا معاذ اللہ! رسول ﷺ کو تکلیف دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟ یہ سب باتیں عقل ونقل کے خلاف ہیں۔ دیکھو منکرین حیات نے باتیں گھڑ گھڑ کے عوام کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور لوگوں کو حضور ﷺ سے کیسے دور کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے سے ہزار بار توبہ ہونی چاہیے۔

جواب نمبر ۳...... باقی حدیث پاک میں جو آیا ہے کہ روح لوٹائی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ ادھر انسانوں کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔ پھر سلام کے وقت پوری توجہ سے درود پڑھنے والے کو جواب دیتے ہیں۔ اس توجہ کو کہا گیا ہے کہ روح لوٹائی جاتی ہے۔ باقی جتنا آپ ﷺ درود سے خوش ہوتے ہیں۔ شاید کسی اور چیز سے اتنے نہ ہوتے ہوں۔ اس وجہ سے دل کھول کر فرض کا درجہ سمجھتے ہوئے درود کا کثرت سے ورد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہوگا۔

اہم بات

قارئین کرام! علماء دیوبند کے نزدیک درود وسلام کے سننے والی تمام احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ بالکل صحیح اور قابل عمل ہیں۔ ان میں سے کوئی جعلی یا موضوع نہیں ہے۔ ان میں سے کچھ حدیثیں اگر چہ سنداً ضعیف ہیں۔ لیکن عمل کے سلسلہ میں معتبر اور قابل عمل ہیں۔ جیسے آپ حضرات نے اندازہ کر لیا ہے۔ منکرین حیات کے نزدیک سب حدیثیں درود وسلام والی موضوع (وضع کی ہوئیں خود ساختہ اپنی بنائی ہوئی ہیں) جعلی یا کم از کم ایسی ضعیف جن کا معاذ اللہ کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہی حدیثیں ان کی بنیادوں کو کمزور کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ گویا آپ حضرات یوں سمجھ لیں کہ یہ بھی منکرین حیات کے ساتھ ساتھ منکرین حدیث بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین! دوسری اہم بات یہ کہ ہم جو آپ ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہیں۔ اسی زمین پر پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی اسی زمین میں گھومتے پھرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا روضہ مبارک بھی اسی زمین پر ہے۔ گویا پڑھنے

والے، لے جانے والے اور جس پر پیش کیا جاتا ہے وہ زمین پر ہیں۔ آپ ﷺ کی روح مبارک اور جسد اطہر بھی اسی زمین پر روضہ مبارک میں موجود ہے۔ اگر روح مبارک صرف اور صرف اعلی علیین میں ہوتی تو پھر فرشتوں کو اعلیٰ علیین میں جانا پڑتا۔ جب وہاں جانا پڑتا تو حدیث میں "سیاحین فی الارض" کے الفاظ نہ آتے۔ ان الفاظ کا آنا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ فرشتے زمین پر ہی رہتے ہیں۔ اوپر جاتے ہی نہیں تو فرشتوں کا درود پہنچانے کے لئے روضہ اطہر پر حاضر ہونا دلیل ہوئی اس بات کی کہ روح مع الجسد کے ساتھ آپ ﷺ زندہ ہیں روضہ مبارک میں۔

عقیدۂ صلوۃ وسلام علماء دیوبند کی نظر میں

علماء دیوبند اہل سنت والجماعت کا عقیدہ صلوٰۃ وسلام کے بارے میں یہ ہے کہ جو مسلمان دور دراز سے صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ وہ آپ ﷺ تک بتوسط ملائکہ پہنچا دیا جاتا ہے اور جو لوگ روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں۔ تو آپ ﷺ بنفس نفیس خود سنتے بھی ہیں اور ہر ایک کو اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

"ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض۔۔۔ الخ" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ والسلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ہمیشہ درود وسلام آپ ﷺ کی ذات اقدس پر بذریعہ ملائکہ پیش کیا جاتا ہے۔ مگر روضہ اطہر کے قریب جو درود وسلام پڑھا جائے۔ اس کو آپ ﷺ بنفس نفیس خود سماعت فرماتے ہیں۔ یقیناً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ اللہ کے نبی زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۶۰) دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۶)

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نے اپنی مایۂ ناز کتاب "امداد الفتاویٰ" میں فتویٰ دیتے ہوئے یہ حدیثیں لکھیں کہ: "من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علیّ نائیا ابلغتہ" اور حدیث: "اکثر و الصلوۃ علی یوم الجمعۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ" اور حدیث: "ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام" ان حدیثوں کو لکھنے کے بعد بڑی بسط و تفصیل سے اپنے عقیدے کا اظہار کیا اور لکھا کہ جو درود وسلام آپ ﷺ کے روضہ اطہر کے قریب پڑھا جاتا ہے۔ وہ آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھا جاتا ہے۔ وہ فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کی ذات اقدس پر پیش کیا جاتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۱۷)

حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ملائکہ سیاحین والی روایت صرف ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ ہی کی نہیں۔ بلکہ صحاح میں بھی متعدد طرق سے موجود ہے "القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع" میں روایت قولی نقل کی گئی ہے۔ نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "فیوض الحرمین میں" فرماتے ہیں کہ میں جب بھی مواجہہ شریفہ پر حاضر ہوا روح پر فتوح علیہ السلام کو عظیم الشان تموج میں پایا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ زائرین صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی طور پر توجہ فرماتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ ہوتی ہے جو کہ آپ کی مدح کرتے ہیں اور ان سے خوش ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ روح پر فتوح کی موج نے تمام متصل مکان اور فضا کو بھر رکھا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۳۰)

فائدہ! جہاں اس عبارت سے درود وسلام کے متعلق حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ واضح ہوا۔ وہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ بھی اظہر من الشمس ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی اتباع کامل نصیب فرمائیں۔ آمین!

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نے حیات الانبیاء اور سماع الانبیاء علیہم السلام پر دلالت کرنے والی مندرجہ ذیل احادیث کو یکجا جمع فرمایا۔ پھر ان کے راویوں کی توثیق کی۔

حدیث نمبر ۱...... "وصلوا علی فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم" (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ پر درود وسلام پڑھا کرو۔ تم جہاں بھی ہو وہ تمہارا درود مجھ پر پہنچایا جاتا ہے) (بحوالہ ابوداؤد وسند صحیح)

حدیث نمبر ۲...... "من صلی علی عند قبری سمعته ومن صل علی نائیا ابلغته" (حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے مجھ درود پر پڑھا تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے) (واخرجہ ابوالشیخ فی کتاب الثواب)

حدیث نمبر ۳...... "فاکثروا فیه علی من الصلوٰۃ فان صلوٰتکم معروضة علی قالوا یا رسول اللّٰہ کیف تعرض صلوٰتنا علیک؟ وقد ارمت قال ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء" (حضرت اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کس طرح ہمارا درود پیش کیا جاتا ہے؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں کہ زمین ان کو نہیں کھاتی) (بحوالہ ابی داؤد، نسائی، ابن خزیمہ مع التصحیح)

فائدہ! حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا احادیث مع توثیق نقل کر کے اپنے عقیدے کی مکمل وضاحت فرمادی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی روضۂ اقدس والی مزار مبارک میں بتعلق روح زندہ ہیں۔ قریب والوں کا درود بذات خود سماعت فرماتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور مکان بعیدہ سے پڑھا ہوا درود بذریعہ ملائکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزین ہیں۔'' (آب حیات ص ۲) ایسی روایتیں اور آیتیں ہیں کہ نہ میراث کی آیتوں کے مخالف، نہ کسی اور آیت کے معارض۔ پھر بایں ہمہ درباره اثبات حیات مزید ان میں ایک تو وہ روایت جس کا حاصل یہ ہے کہ: ''جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میرے جیتے جی زیارت کی۔'' اہل فہم پر روشن ہو گیا اس کلام سے تسکین خاطر فرین مشتاقان دیدار سرور دین ہے جو کہ کم نصیبی سے آپ ﷺ کی زیارت سے محروم رہے۔ موانع خارجی کے باعث آنے نہ پائے یا آپ ﷺ کے بعد اس عالم میں آئے۔ سو تسکین جب بھی متصور ہو گی کہ آپ زندہ ہوں محبان ایمانی کو ملاقات پردہ میں بھی کافی ہے۔ نہ کہ آنکھوں سے دیکھنے سے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو جو نابینا صحابی تھے باوجود محرومی دیدار کے یوں نہیں کہہ سکتے کہ وہ دیدار سے محروم رہے۔ (آب حیات ص ۳۹) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ابوداؤد ''مامن مسلم یسلم علی الا رد اللّٰه علی روحی '' کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ ﷺ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبیت آپ ﷺ کو حاصل رہتی ہے۔ اپنے ہوش عطا فرما دیتا ہے۔ یعنی مبدأ انکشاف نبوی ﷺ کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات اور صفات اور کیفیات اور واقعات مشغلہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے۔ سو چونکہ سلام امتیاں بھی من جملہ وقائع متصلہ ذات خود ہیں۔ اس لئے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاقی ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔ (آب حیات ص ۱۷۵)

<u>فائدہ</u>! حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے چند باتیں ثابت ہوئیں:

۱...... وہ اسی زمین والی قبر کو قبر کہتے ہیں۔

۲...... آپ ﷺ کو حیات بعد از وفات مع جسد عنصری حاصل ہے۔

۳...... جس نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی زیارت کی گویا جیتے جی آپ ﷺ کی زیارت کی۔ نیز پس پردہ آپ ﷺ کی ملاقات بھی ہے۔

۴...... صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ کی ذات اقدس پر پیش کیا جاتا ہے۔ آپ جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ یہ سب حیات النبی ﷺ پر واضح دلائل ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مرفوع حدیث: ''مامن احد یسلم علی الا رد اللّٰه علی روحی حتی ارد علیه السلام '' نقل کر کے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص سلام پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت لکھتے ہیں: ''قال الحافظ رواته ثقات'' حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (عقیدۃ الاسلام ص ۱۲۰، ملحق مجموعہ رسائل الکشمیری ج ۲)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ محفل مولود میں لفظ یا رسول اللہ، السلام علیک یا حبیب اللہ، السلام علیک پکار کر کہنا اس غرض سے کہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ کی روح مبارک محفل میلاد میں آتی ہے۔ لہٰذا برائے تعظیم کھڑے ہو کر لفظ مذکور کو پکارنا آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے جواب تحریر فرمایا کہ صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کے الفاظ پکارنا اس خیال سے کہ صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے اور آپ تک ہماری ندا اور خطاب پہنچ جاتا ہے۔ جائز اور درست ہے۔ کیونکہ بعض روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ وتقدس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ مقرر فرمادیا ہے اور اس کو اسی قوت سامعہ بخشی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے صلوٰۃ وسلام سن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کردیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں۔ ہاں! اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک محفل مولود میں آتی ہے۔ اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال (عقیدہ) باطل ہے۔ (کفایت المفتی ج۱ ص۱۲۹)

حضرت مفتی صاحب نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ لکھا کہ دور سے پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم بواسطہ ملائکہ خود سنتے ہیں۔ (کفایت المفتی ج۱ ص۱۵۲)

فائدہ! مفتی صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ مکان بعیدہ سے پڑھا جانے والا درود وسلام آپ کی ذات پر پیش کیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود سنتے ہیں فرشتوں سے۔

حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کا جواب تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں حی زندہ ہیں اور قبر شریف پر سلام پڑھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور ہر جگہ سے نہیں سنتے ہیں (بغیر واسطہ کے) بلکہ دور دراز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کا سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔ (فتاویٰ مفتی محمود ج۱ ص۲۸۲)

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ تحریرات حدیث میں کئی مقامات پر وہ حدیثیں لکھی ہیں جن میں عقیدہ صلوٰۃ وسلام اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس سے درود بھیجے میں اسے خود سنتا ہوں اور جو غائب اور دور سے درود بھیجے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔" (تحریرات حدیث ص۵۴۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کردیتے ہیں۔" (تحریرات حدیث ص۵۴۶)

فائدہ! ان تمام حضرات کے عقائد سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ نزدیک سے پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود سماع فرماتے ہیں اور مکان بعیدہ سے پڑھا ہوا درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک بذریعہ ملائکہ پہنچایا جاتا ہے۔ تمام اکابر واصاغر علماء دیوبند کا یہی عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اتباع کامل نصیب فرمائے۔ آمین!

عقیدہ صلوٰۃ وسلام واقعات کی روشنی میں

آپ ﷺ کی خواب میں زیارت

حضرت سلیمان بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ جو اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کی تو میں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ جو لوگ آپ کے پاس آتے ہیں۔ پھر وہ سلام پڑھتے ہیں۔ کیا آپ ان کے سلام کو سنتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! میں سنتا ہوں اور ان کا جواب بھی دیتا ہوں۔'' (حیات الانبیاء لامام ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۹)

فائدہ! یہ بات اگرچہ خواب کی ہے۔ لیکن بعض خواب مبشرات میں سے ہوتے ہیں اور صحیح ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ خواب عین حدیث کے مطابق ہے۔ لہٰذا اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو آدمی روضۂ اقدس پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔ آپ ﷺ بذات خود سنتے ہیں۔ اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

خواب میں حدیث کی مجلس میں جانے کا حکم

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''رشید عطار نے بیان کیا ہے کہ ہمارے شہر (یعنی مصر) میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ جن کا نام ابوسعید خیاط تھا۔ وہ بہت یکسو رہتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اسی بزرگ نے ایک محدث ابن رشیق رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بہت آنا جانا شروع کر دیا اور بہت اہتمام سے جاتے تھے۔ لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ تو لوگوں نے آکر پوچھ لیا کہ حضرت کیا بات ہے؟ آپ اس طرح کیوں کرنے لگ گئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی خواب میں میں نے زیارت کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن رشیق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث والی مجلس میں جایا کر۔ اس لئے کہ یہ اپنی مجلس میں مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے۔''

فائدہ! آپ حضرات کو جہاں حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کے مقام کا اندازہ ہوا۔ وہاں یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ آپ ﷺ اس صلوٰۃ وسلام کی وجہ سے پڑھنے والے سے باخبر ہوتے ہیں کہ کون کتنا مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ یہ باخبر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اسی روضہ مبارک میں کامل اور اکمل زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ لیکن یہ زندگی ہمارے شعور میں نہیں آئے گی۔

خواب میں علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جانے کا حکم

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل درود شریف میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ محمد بن مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''میں بغداد گیا۔ تاکہ قاری ابوبکر بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ پڑھوں۔ ہم لوگوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر تھی۔ اتنے میں ایک بڑے میاں اس مجلس میں آئے جس کے سر پر بہت پرانا عمامہ تھا اور ایک پرانا کرتہ اور پرانی سی چادر تھی۔ قاری ابوبکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھایا۔ حال احوال پوچھے تو بڑے میاں نے کہا کہ رات کو میرے گھر میں ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی ہے۔ تو گھر والوں نے شہد اور گھی کی فرمائش کی کہ گھی اور شہد چاہیے۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ اب میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ تو

حضرت قاری ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حال سن کر بڑا رنجیدہ ہوا اور بڑا پریشان ہوا۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھبراتے اور پریشان کیوں ہوتے ہو۔ علی بن عیسی رحمۃ اللہ علیہ وزیر کے پاس جا اور اس کو میری طرف سے سلام کر اور اس کو یہ نشانی اور علامت بتا کہ تو ہر جمعہ کی رات کو اس وقت تک نہیں سوتا جب تک مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود نہ پڑھ لے اور اس جمعہ کی رات کو تو نے سات سو مرتبہ پڑھا تھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا بلاوا آ گیا کہ بادشاہ بلا رہا ہے۔ تو وہاں چلا گیا اور وہاں سے آنے کے بعد اس مقدار کو تو نے پورا کیا۔ اس علامت اور نشانی کے بعد اس کو کہنا کہ اس پیدا ہونے والے بچے کے باپ کو سو دینار دیدے۔ تاکہ یہ اپنی ضرورت میں خرچ کرے۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو اس بڑے میاں کو لے کر حضرت قاری ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اس وزیر کے پاس چلے گئے۔ جا کر سارا قصہ سنایا۔ وزیر نے سارا قصہ سن کر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک ہزار دینار والی تھیلی نکال کر لے آؤ۔ جب وہ آ گئی تو سو دینار اس بچے کے والد کو دیئے اور سو دینار حضرت قاری ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو دیئے۔ یہ بشارت سنانے کی وجہ سے اور ساتھ ہی وزیر نے یہ بات کی کہ یہ درود شریف والا معاملہ ایک راز تھا۔ میرے اور میرے اللہ کے درمیان۔ سوائے میرے اور اللہ کے اس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ پھر سو دینار نکالے اور اور کہا کہ اس خوشخبری کے بدلہ میں ہے کہ آپ ﷺ کو میرے درود شریف کی مکمل اطلاع ہے۔ میرا درود قابل قبول ہے۔ پھر باقی دینار بھی ان حضرات کو دینا چاہے۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جتنا ہمیں آپ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ ہم اتنا ہی لیں گے۔'' (القول البدیع فضائل درود شریف ص ۱۱۰)

فائدہ! اس واقعہ سے جو بات معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اسی روضہ اطہر میں اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ ہمارے اعمال آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔ یہ خواب اور واقعہ اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ امت محمدیہ کے اعمال سے باخبر رہتے ہیں۔ جن کے اعمال اچھے ہوں ان سے خوش ہوتے ہیں۔

دیوبندیوں اور بدعتیوں کا مناظرہ

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ایک دفعہ بریلویوں اور دیوبندیوں کا مناظرہ تھا۔ مجھے صدر مناظر بنا دیا گیا۔ جو دیوبندیوں کا مناظر تھا۔ وہ منافق، منکر حیات تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ منکر حیات ہے۔ خیر میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی! مناظرہ صحیح طرح کر بھی سکتے ہو کہ نہیں؟ کہنے لگا ہاں! بالکل ٹھیک ٹھاک کر سکتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ تو سب نے اعتبار کر لیا۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو درمیان میں بریلوی مناظر نے صلوٰۃ وسلام پر دلائل دیتے ہوئے یہ بات کہی کہ تمہارے مولوی اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تھانہ بھون میں بیٹھ کر الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھا ہے۔ خود بھی اور دوسروں کو بھی پڑھایا ہے۔ اب منکر حیات مناظر جو دیوبند کی وکالت کر رہا تھا۔ کہنے لگا کہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو مشرک تھا۔ کیونکہ حیات کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اب اس پر بریلویوں نے شور کرنا شروع کر دیا کہ دیکھو دیوبندیوں نے خود تسلیم کر لیا کہ ہم مشرک ہیں اور ہمارے اکابر مشرک تھے۔ وغیرہ وغیرہ! حضرت فرماتے ہیں کہ بڑی پریشانی ہوئی کہ کیسے اب عوام کو سنبھالا جائے؟ خیر میں کھڑا ہوا۔ چونکہ صدر مناظر تھا۔ بات کرنے کی اجازت تھی۔ میں نے کہا میں صدر مناظر ہوں۔ مجھے حق ہے کہ میں اپنے مناظر کی طرف سے اس بات کا جواب دوں۔ جب سب خاموش ہو گئے تو میں نے بریلوی مناظر کو کہا کہ حضرت نے جو

صلوٰۃ سلام تھانہ بھون میں بیٹھ کر پڑھا ہے۔ اس واقعہ کو مکمل بیان کرو کہ کیوں پڑھا ہے؟ اور کب پڑھا ہے؟ اب بریلوی مناظر کے طوطے اڑ گئے۔ مڑ تو سکتا تھا۔ لیکن پورا واقعہ نہ آتا تھا۔ نہ پیش کر سکتا تھا۔ اب میں کہوں کہ واقعہ پورا بیان کرو۔ جب میری طرف سے اصرار بڑھا تو اس مناظرہ کا بانی (مناظرہ کرانے والا جو تھا وہ) کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک بریلوی پیر کا بیٹا تھا۔ لیکن تھا سمجھدار۔ متعصب نہیں تھا۔ بات کو سمجھنے کی صلاحیت تھی۔ اس نے کہا کہ حضرت آپ خود پورا واقعہ سنا دیں تو میں نے پھر پورا واقعہ سنایا۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ﷫ جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ﷫ کے بھائی تھے۔ جن کی تفسیر عثمانی بھی عام مکتبوں پر ملتی ہے تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ﷫ جب حج یا عمرہ پر جانے لگے تو حضرت تھانوی ﷫ کو ملنے کے لئے آئے۔ حضرت تھانوی ﷫ نے انہیں فرمایا کہ روضہ پاک پر جب حاضری ہو تو میری طرف سے بھی سلام عرض کرنا۔ جب مولانا ظفر احمد عثمانی ﷫ وہاں پہنچے تو روضہ پاک پر اپنا صلوٰۃ وسلام پڑھا۔ لیکن حضرت تھانوی ﷫ کی بات بھول گئی اور ان کی طرف سے سلام نہ پڑھا۔ صلوٰۃ سلام خود اپنا پڑھ کر وہاں بیٹھ گئے۔ بیٹھے بیٹھے روضہ کے نیچے اور روضہ کے سائے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا اتنا سکون آیا کہ نیند آ گئی۔ خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے اشرف علی کا سلام کیوں نہیں پہنچایا؟ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ﷫ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں بھول گیا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اشرف علی کو میرا سلام کہنا اور یہ بات بھی کہنا کہ تو شرک و بدعت کے خلاف کام کر رہا ہے۔ میں اس سے بہت خوش ہوں۔ (آنکھ کھلی تو حضرت تھانوی ﷫ کی طرف سے صلوٰۃ سلام پڑھا) جب فارغ ہوئے۔ واپسی پر حضرت تھانوی ﷫ کے پاس آئے اور سارا واقعہ سنایا کہ میں اس طرح آپ کا سلام بھول گیا تھا۔ اس طرح مجھے خواب آیا۔ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو حضرت تھانوی ﷫ سن کر رونے لگ گئے اور بار بار فرما رہے تھے کہ پھر کہو کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ اور صلوٰۃ وسلام بھی حضرت تھانوی ﷫ بار بار پڑھ رہے تھے اور مریدین کو فرمایا کہ آج مجلس ذکر میں مجلس ذکر کی بجائے ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھیں گے اور سارے حضرات تصور اور خیال یہ کریں گے کہ ہم روضہ پاک کے قریب کھڑے ہیں۔ تو اس پر یہ مجلس لگی اور اس وجہ سے حضرت تھانوی ﷫ نے تھانہ بھون میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھا۔ جس کو بریلوی مناظر دلیل بنا رہا تھا۔ صلوٰۃ سلام پڑھنے کی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے پورا واقعہ سنایا تو وہ آدمی جو مناظرہ کر رہا تھا بریلوی مناظر سے پوچھنے لگا کہ کیا واقعہ اسی طرح ہے؟ اور مولانا محمد امین ﷫ نے بات ٹھیک سنائی ہے۔ تو بریلوی مناظر بولا کہ واقعہ تو ایسے ہی ہے۔ بات تو مولانا محمد امین ﷫ نے ٹھیک سنائی ہے۔ اس پر وہی بانی مناظر کھڑا ہو گیا اور کہا بس۔ مناظرہ ہو گیا ہے۔ فیصلہ ہو گیا ہے۔ مناظرہ ختم کرو۔ کیونکہ جن دیوبندیوں کے اشرف علی تھانوی ﷫ ایسے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ان کی طرف سلام بھیج رہی ہے۔ ان کے بڑے کیسے ہوں گے؟ ان دیوبندیوں کے مولانا ظفر احمد عثمانی ﷫ کو خواب آ رہا ہے۔ آپ ﷺ اس کو فرما رہے ہیں کہ اشرف علی کو میرا سلام کہنے کے بعد یہ بات کرنا کہ تو شرک و بدعت کے خلاف کام کر رہا ہے۔ میں اس سے بہت خوش ہوں۔ حضور ﷺ خوش بھی دیوبندیوں سے ہوں۔ نام بھی ان کا لیں اور خواب میں بھی ان کے آئیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ جھوٹے ہیں۔ گستاخ ہیں۔ ان سے بچو۔ یہ ہماری بات بھی غلط ہے۔ ہمارے عقائد بھی غلط ہیں۔ حضور ﷺ ہم سے خوش نہیں ہیں۔ اس وجہ سے میں اس مسلک کو چھوڑ کر دیوبندی

ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ دیوبند زندہ باد کے نعرہ لگانے شروع کردئے۔ نعرہ تکبیر اللہ اکبر! (انوارات صفدر ص ۳۴۲ ج ۱)

فائدہ! جہاں یہ بات ثابت ہوئی کہ علماء دیوبند حق پر ہیں۔ وہاں یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ آنے جانے والوں کے ذریعہ صلوٰۃ وسلام وغیرہ بھیج سکتے ہو۔ بالکل ٹھیک ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ آپ ﷺ روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔ اور سارے حالات سے باخبر ہیں۔ جیسے کہ واقعہ سے معلوم ہوا یہ باخبر ہونا حیات کی دلیل ہے۔ لہٰذا منکرین حیات وسماع سے یہ گزارش ہے کہ اپنے عقائد پر نظر ثانی کریں۔ بریلویوں سے گزارش ہے کہ تعصب کو ایک طرف رکھ کر ذرا اپنے عقائد کا جائزہ لیں۔

حضرت شیخ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید حج پر جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ میرا صلوٰۃ وسلام بھی روضۂ اقدس پر پیش کرنا۔ یہ مرید جب روضۂ اطہر پر پہنچا۔ اپنا سلام پڑھ کے اپنے شیخ اور پیر کا سلام پڑھا تو روضہ اقدس سے آواز آئی کہ اپنے بدعتی پیر کو میرا سلام کہہ دینا۔ پیر صاحب کو بھی اس واقعہ کا علم ہو گیا۔ بطور کرامت اور کشف کے کہ آپ ﷺ نے مرید کو با آواز بلند جواب دیا ہے۔ جب مرید واپس آیا تو حال احوال کے بعد پوچھا کہ ہمارا سلام پہنچایا تھا۔ تو مرید نے جواب دیا کہ حضرت پہنچایا تھا اور آپ ﷺ نے بھی آپ کو سلام بھیجا ہے۔ پیر صاحب نے کہا ان الفاظ میں بیان کرو۔ جو الفاظ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اداء ہوئے ہیں۔ اب مرید صاحب کہنے لگے کہ حضرت آپ کو علم تو ہو گیا ہے۔ وہ الفاظ آپ کو معلوم تو ہیں۔ مجھے آپ کیوں بے ادب بناتے ہو؟ میں کون ہوتا ہوں کہ اپنی زبان سے کہوں کہ میرا پیر بدعتی ہے۔ پیر صاحب کے اصرار پر کہ تم تو سفیر ہو۔ پیغام دینے والے ہو۔ اس میں بے ادبی کی کون سی بات ہے۔ جو کہا ہے۔ وہ سنا دو۔ اب مرید صاحب یوں گویا ہوئے کہ آپ ﷺ نے آپ کا صلوٰۃ وسلام سن کر یوں جواب دیا تھا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہنا۔ یہ الفاظ سنتے ہی شیخ صاحب کو وجد طاری ہو گیا خوشی کی وجہ سے اور یہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''تو نے مجھے برا بھلا کہا اور میں خوش ہوں تو نے بہت اچھا کہا۔ اللہ تجھے معاف کر دے۔ کڑوا جواب بہت اچھا لگتا ہے۔ نہایت میٹھے گلابی گلابی ہونٹوں سے۔ اگر ایک مرتبہ کہہ دیں کہ تو میرا بندہ ہے تو میری ہنسی عرش سے بھی پار ہو جائے گی۔'' (اشرف الجواب کامل ص ۱۱۶)

فائدہ! آپ حضرات کو اشکال ہو رہا ہو گا کہ آپ ﷺ نے پیر کو بدعتی کیوں کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ راز و نیاز کی باتیں ہوتیں ہیں۔ ان باتوں سے بھی محبت بڑھتی ہے۔ محبت بڑھانے کے لئے آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمادئے ہیں۔ ورنہ وہ حقیقتاً بدعتی پیر نہیں تھے۔ اگر حقیقتاً ہوتے تو سلام کا جوب بھی نہ آتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درود کا حکم

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! اگر دنیا میں ایسے لوگ نہ ہوں جو میری حمد وثناء کرتے ہوں تو آسمان سے ایک قطرہ پانی کا نہ ٹپکاؤں اور زمین سے ایک دانہ نہ اگاؤں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر تو یہ

چاہتا ہے کہ میں تجھ سے اس سے بھی زیادہ قریب ہو جاؤں، جتنا تیری زبان سے تیرا کلام اور جتنا تیرے دل سے اس کے خطرات اور تیرے بدن سے اس کی روح اور تیری آنکھ سے اس کی روشنی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ یا اللہ ضرور بتائیں۔ ارشاد ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ (فضائل درود شریف بحوالہ القول البدیع ص ۱۰۸)

فائدہ! اگر آپ ﷺ کا قرب اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے تو پھر درود شریف کا اہتمام لازمی ہونا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور اللہ سے ہم کلام ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ درود پڑھو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نیک عمل پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قاصد کے ذریعہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات مشہور ہے کہ وہ شام سے مستقل ایک خادم جو صرف یہی کام کرنے جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا تھا۔ روانہ فرماتے اور یہ بات کہتے کہ جا کر روضہ اقدس پر میری طرف سے سلام عرض کرنا۔ (وفاء الوفاء ص ۱۸۳ ج ۴)

عقیدۂ عرض اعمال علی النبی ﷺ ...... تیسرا اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

علماء دیوبند کا منکرین حیات کے ساتھ ایک بڑا اختلاف یہ بھی ہے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جس طرح درود وسلام فرشتے آپ ﷺ پر پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح امت کے دوسرے اعمال اور کام بھی فرشتے آپ ﷺ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ہر روز اور پیر کے دن اور جمعرات کے دن۔ آپ ﷺ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان کی کوئی غلطی ہو تو اس کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اگر غلطی کوتاہی نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس بندے سے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”روضہ مبارک پر عرض اعمال جائز ہے۔“ (احسن الفتاویٰ ص ۵۱۸ ج ۱)

منکرین حیات کا عقیدہ

انسانوں کے اعمال بالکل آپ ﷺ کی ذات اقدس پر نہیں پہنچائے جاتے۔ نہ ہی آپ ﷺ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ روضۂ اطہر میں بالکل بے جان اور بے حس ہیں۔ کسی قسم کی کوئی حیات نہیں۔ یعنی جس طرح درود پاک آپ ﷺ کی ذات پر پیش نہیں کیا جاتا اور ساری صلوٰۃ وسلام والی احادیث من گھڑت یا ضعیف ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ عرض اعمال شیعوں کا عقیدہ ہے۔ (عقائد علماء اسلام ص ۶۴۹، اقامت البرہان ص ۲۴۵)

فائدہ! قارئین جس طرح آپ حضرات نے پہلے ملاحظہ کیا کہ منکرین حیات ایک قسم کے منکر حدیث بھی ہیں۔ یہ فتنہ ایسا فتنہ ہے جو امت کو آپ ﷺ سے دور کرنے کی فکر میں ہے۔ ان کا مذکورہ بالا عقیدہ بھی اسی نتیجہ کی ایک کڑی ہے کہ امت مسلمہ کے ذہن میں اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہمارے اعمال اللہ کے رسول کے پاس نہیں جاتے۔ نہ ہی کوئی اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جب کہ علماء دیوبند قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ کہتے ہیں امت کے اعمال آپ ﷺ پر روز پیش ہوتے ہیں۔ اب آپ حضرات دلائل ملاحظہ فرمائیں:

عقیدہ عرض اعمال احادیث کی روشنی میں

دلیل نمبر ۱...... ”عن عبد اللّٰہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما رائیت من خیر حمدتُ اللّٰہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت لکم “(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم (مشکل مسئلے) بیان کرو گے اور (میری طرف سے) ان کی حقیقت بیان کردی جائے گی اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے۔ میں ان پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو برے ہوں گے میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگوں گا) (رواہ البزار ورجالہ رجال صحیح، مجمع الزوائد ص ۲۴ ج ۲)

فائدہ! قارئین کرام! اس حدیث کو کئی علماء اور محدثین نے ذکر کیا ہے۔ چند ایک کتابوں کے نام درج ذیل ہیں: (وفاء الوفاص ۱۴۱۱ ج ۲، البراھین القاطعہ ص ۲۱۶، الصارم المنکی ص ۱۶۸، خصائص کبریٰ ص ۲۸۱ ج ۲، السراج المنیر ص ۲۳۳ ج ۲، نشر الطیب ص ۲۱۰، جامع صغیر ص ۱۵۱ ج ۱، طبقات ابن سعد ص ۱۹۴ ج ۲، نیل الاوطار ص ۲۶۴ ج ۳، طبقات شافعیۃ الکبریٰ ص ۲۸۲ ج ۲،) جن محدثین نے اس کو صحیح کہا ہے اور اس کی سند کو جید بتلایا ہے۔ ان میں سرفہرست یہ ہیں:

۱...... علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”اس کی سند بالکل صحیح ہے۔“ (خصائص کبریٰ ص ۲۸۱)

۲...... علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”اس کی سند جید ہے۔“ (زرقانی شرح المواھب ص ۳۳۷ ج ۵)

۳...... علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”اس کی سند جید ہے۔“ (فہرست عقیدۃ الاسلام ص ۱۱۱)

۴...... علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”اس کی سند جید ہے۔“ (فتح الملھم ص ۴۱۳ ج ۱)

استدلال: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”حیاتی“ یعنی میری زندگی۔ اس میں یا متکلم کی ضمیر ہے اور ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ میری زندگی اور آپ ﷺ کی زندگی روح مع الجسد کے تھی۔ اسی طرح فرمایا کہ ”وفاتی“ میری وفات۔ اس میں بھی یا متکلم ضمیر ہے اور ضمیر ذات پر دلالت کررہی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میری وفات اور آپ ﷺ کی وفات بھی روح مع الجسد کے ہے۔ یعنی وفات کے بعد جو زمانہ ہے۔ وہ بھی روح مع الجسد کے ہے۔ جیسے حیات خیر تھی امت کے لئے۔ بالکل اسی طرح وفات بھی خیر ہے امت مسلمہ کے لئے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے آگے کے الفاظ بھی روح مع الجسد پر دلالت کررہے ہیں۔ جیسے ”علیّ“ میں یا ضمیر ”رأیتُ“ میں ٹ ضمیر ”حمدت“ میں ٹ ضمیر ”استغفرت“ میں ٹ ضمیر۔ یہ ساری ضمیریں ذات پر دلالت کررہی ہیں اور ذات نام ہوتا ہے روح مع الجسد کا۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ روضہ اطہر میں روح مع الجسد کے زندہ ہیں۔ لیکن ہمیں اس کا شعور نہیں ہوگا۔

دلیل نمبر ۲...... صاحب تفسیر روح البیان ”وماکنّا معذبین حتیٰ نبعث رسولا (الانبیاء)“ کے تحت تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ثمّ اعلم ان حیاتہ رحمۃ، ومماتہ رحمۃ، کماقال علیہ السلام حیاتی خیر لکم، ومماتی خیر لکم، قالو (ای اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ) : ھٰذا خیر نا فی حیاتک، فما خیرنا فی مماتک؟ فقال علیہ السلام: تعرض علیّ اعمالکم کلّ عشیۃ، الاثنین والخمیس، فماکان من خیر حمدت اللّٰہ، وماکان

من شر استغفر اللّٰہ لکم " (اے اللہ کے بندے خوب جان لے کہ بے شک آپ ﷺ کی حیات مبارکہ بھی رحمت ہے اور آپ ﷺ کی وفات مبارک بھی رحمت ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری حیات بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یہ آپ ﷺ کی زندگی تو ہمارے لئے رحمت ہے۔ لیکن آپ ﷺ کی وفات کیسے ہمارے لئے خیر ثابت ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے ہر پیر کی شام اور ہر جمعرات کی شام کو۔ پس جو خیر اور اچھائی نظر آئے گی میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کروں گا اور جو شر اور مصیبت نظر آئے گی میں اللہ سے تمہارے لئے استغفار کروں گا اور دعا مانگوں گا) (تفسیر روح البیان ص ۴۰۴ ج ۵)

رفع تعارض

قارئین! پچھلی حدیث میں مطلقاً آیا ہے کہ تمہارے اعمال پیش کئے جائیں گے۔ یعنی ہر روز پیش کئے جائیں گے اور اس حدیث میں آیا ہے کہ پیر اور جمعرات کی شام پیش کئے جائیں گے تو اس میں کسی قسم کا تعارض نہیں۔ کیونکہ ہر روز بھی اجمالاً امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر تین دن کے اکھٹے کرکے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر پورے ہفتے کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ تو ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "تفتح ابواب الجنة کل اثنین وخمیس" سورۃ زخرف کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے کہ پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے کہا ہے کہ پیر اور جمعرات کا روزہ اعلیٰ مستحبات میں سے ہے۔

اعتراض...... اب اشکال ذہن میں یہ آتا ہے کہ قرآن پاک میں تو ہے کہ اچھے کلمے اللہ تعالیٰ طرف چڑھتے ہیں اور پہنچائے جاتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔ یہ تو قرآن وحدیث میں تعارض ہوا۔

جواب...... کوئی تعارض نہیں۔ اس لئے کہ سب سے پہلے آپ ﷺ پر پیش کرکے پھر فرشتے اوپر لے جاتے ہیں۔ یعنی پہلے آپ ﷺ ان کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ پھر اللہ کی طرف یہ اعمال پہنچ جاتے ہیں۔ اس میں کوئی تعارض نہیں۔

دلیل نمبر ۳...... بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ زندہ انسانوں کے اعمال ان حضرات پر پیش کئے جاتے ہیں جو دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور ان کی آپس میں جان پہچان تھی۔ آپس میں واقف کار تھے۔ وہ اگر اچھی حالت میں ہوں تو اپنے دنیا میں رہنے والے عزیز کے اچھے اعمال پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کے برے اعمال سے غمگین ہوتے ہیں۔ جیسے آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "انّ اعمالکم تعرض علیٰ موتاکم فیسرون ویساؤن" (بے شک تمہارے اعمال تمہارے مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ خوش بھی ہوتے ہیں اور غمگین بھی ہوتے ہیں) (ضمیمہ کتاب الزہد از ابن مبارک ص ۴۲)

دلیل نمبر ۴...... آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "تم ایسے اعمال نہ کرو جس سے تمہارے مُردوں کو دکھ اور رسوائی ہو۔" (روح المعانی تفسیر سورۃ نحل)

فائدہ! تیسری دلیل کو بیان کرنے والے ایک صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور صحابی رسول ﷺ اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کرسکتا جب تک اس کا مفہوم آپ ﷺ سے نہ سنا ہو۔ ان کا بیان کرنا اور دعا کرنا اس بات پر دلالت

کرتا ہے کہ نیک لوگوں پر بھی اعمال پیش ہوتے ہیں۔ جب نیک لوگوں پر اعمال پیش ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کی ذات اقدس تو سب سے زیادہ نیک ہے اور سارے امتی آپ ﷺ کے تعلق والے ہیں۔ تو آپ ﷺ پر امت کے اعمال بطریق اولیٰ پیش ہوتے ہوں گے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اور چوتھی دلیل میں بھی یہی بات آئی کہ اپنے مردوں کو دکھ اور رسوائی نہ دو۔ برے اعمال پیش ہوتے ہوں گے تو وہ دکھ اور رسوائی محسوس کرتے ہوں گے۔

دلیل نمبر ۵...... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔

(نشر الطیب ص ۲۱۰ بحوالہ المواہب)

دلیل نمبر ۶...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے دنیا کے احوال ان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ عقیدہ رکھنا نری جہالت اور گمراہی ہے کہ ہر جگہ محفل مولود (میلاد) میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہیں۔ یا ہر آواز اور نداء کو سن لیتے ہوں۔ بغیر اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے کے۔ اس کو تسلیم نہیں کرتے اور سب چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے دیئے بغیر آپ ﷺ کو حاصل ہے۔ اس کو بھی قبول نہیں کرتے۔ بلکہ جس قدر دیا جاتا ہے اس قدر جانتے ہیں اور بس۔ (البراھین القاطعہ ص ۱۹۹)

عرض اعمال صرف اجمالی ہوتا ہے

عرض اعمال سے امت کے تمام اعمال کا تفصیلی عرض مراد نہیں۔ بلکہ صرف عرض اجمالی ہوتا ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عرض صرف اجمالی ہے جس طرح کہ چیزوں کے نام فرشتوں پر پیش کئے گئے تھے۔ اس سے علم محیط مراد نہیں۔ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عرض اعمال سے تفصیلی عرض مراد لے لیا جائے کہ امت کے تمام اعمال اور جزئیات کو عرض شامل ہو تو اس صحیح اور صریح روایت کے خلاف ہونا لازم آتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے ''انک لا تدری ما احدثو بعدک'' (شقی القلب اور بد بخت بدعتیوں نے جو بدعات آپ کے بعد ایجاد اور جاری کی ہیں۔ ان کا آپ کو علم نہیں) حالانکہ ان کے اعمال بھی آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں تو سوائے عرض اجمالی کے اور کیا مراد ہو سکتا ہے؟ (تسکین الصدور ص ۲۳۶)

دلیل نمبر ۷...... حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ممبر پر آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار! دنیا اتنی ہی باقی ہے جتنی مکھی جو (یعنی فضا) میں حرکت کرتی ہے۔ پس تم قبر میں دفن ہونے والے اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کیونکہ تمہارے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اپنے برے اعمال سے اپنے مردوں کو مت رسوا کرو۔ تمہارے اعمال تمہارے رشتے داروں پر قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ (احیاء العلوم ص ۴۱۲ ج ۴) دوسری حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن حضرات انبیاء

اکرام اور باپ دادوں اور ماؤں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے سفید اور چمکیلے ہو جاتے ہیں۔ بس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو ذلت تکلیف مت دو۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ تمام اعمال تمہارے فوت شدہ اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اگر اعمال برے ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ان کو اس وقت تک موت نہ دے۔ جب تک کہ ان کو ہماری طرح ہدایت نہ دے دے۔ (عوارف المعارف علی حاشی الاحیاء ص ۵۳ ج ۴)

عرض اعمال واقعات کی روشنی میں

قارئین! اب ذرا واقعات کی روشنی میں اس عقیدے کو ملاحظہ کریں کہ واقعی ہمارے اعمال آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔

۱...... مواہب لدنیہ میں بحوالہ قشیری نقل کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی مومن کی نیکیاں کم ہو جائیں گی تو آپ ﷺ ایک چھوٹا سا پرچہ سر انگشت کے برابر نکال کر میزان میں رکھ دیں گے جس سے نیکیوں کا پلہ وزنی ہو جائے گا۔ وہ مومن کہے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کون ہیں؟ آپ کی صورت اور سیرت کتنی اچھی اور پیاری لگ رہی ہے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے کہ میں تیرا نبی اور رسول ہوں اور یہ تیرا درود شریف ہے۔ جو تو نے مجھ پر پڑھا تھا۔ میں نے تیری ضرورت کے وقت اس کو ادا کر دیا ہے۔ (فضائل درود شریف ص ۴۴)

۲...... ابوسلیمان محمد بن الحسین حرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے قریب ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام فضل تھا۔ بہت زیادہ نوافل پڑھتے تھے۔ اس بزرگ نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں حدیث لکھا کرتا تھا۔ لیکن اس میں درود شریف (جلدی کی وجہ سے) نہیں لکھتا تھا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے (بطور شکوہ کے فرمایا) کہ جب تو میرا نام لکھتا ہے یا نام زبان سے پڑھ لیتا ہے تو درود شریف کیوں نہیں پڑھتا؟ (انہوں نے یہ کہا کہ یا رسول اللہ! اب ضرور اہتمام سے لکھوں گا) کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ کی زیارت ہوئی تو پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اب تیرا درود مجھ تک پہنچ رہا ہے۔ جب میرا نام لیا کرو۔ تو درود پڑھا کرو۔ (فضائل درود شریف ص ۱۰۱، بحوالہ القول البدیع)

۳...... ابواسحاق نہشل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حدیث کی کتاب لکھا کرتا تھا اور اس میں آپ ﷺ کا نام مبارک اس طرح لکھا کرتا تھا۔ ”قال النبی ﷺ تسلیما“ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے میری لکھی ہوئی کتاب ملاحظہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ عمدہ ہے۔ یعنی لفظ تسلیم کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا اور کہا کہ عمدہ ہے۔ (فضائل درود شریف)

۴...... حضرت امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اشعری پہلے معتزلی تھے۔ مسلک اعتزال پر تھے تو آپ ﷺ کی تین دفعہ خواب میں زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے تینوں دفعہ یہ فرمایا کہ اے ابوالحسن میری احادیث کی تائید کرو۔ اس لئے کہ وہ صحیح ہیں۔ چنانچہ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کا بغور مطالعہ شروع کر دیا۔ بالآخر مسلک معتزلہ سے توبہ کر کے اہل سنت والجماعت میں داخل ہو گئے۔ (طبقات کبریٰ)

فائدہ! معلوم ہوا کہ ہر حدیث کو یہ کہہ کر کہ قرآن سے ٹکراتی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ یہ خبر واحد

ہے۔اس کا راوی ضعیف ہے۔ چھوڑ نہیں دینا چاہیے، جب محدثین نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور علماء نے اس کو اچھا سمجھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے تو اب تو اس کو ماننا ضروری۔ کیونکہ حدیث میں ہے ''ما راہ المسلمون حسناً فهو عند الله حسن'' جس کو مسلمان اچھا سمجھے۔ وہ کام اللہ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ علماء اصول کے ہاں حدیث کی سند اگرچہ ضعیف اور کمزور ہو۔ لیکن اس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے۔ تو وہ حدیث تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح ہو جاتی ہے۔

تلقی بالقبول کا مطلب

یہ ہے کہ علماء اسلام اس حدیث کے مضمون کو قبول کریں اور تسلیم کر لیں اور اس کے مطابق عقیدہ رکھیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم یا اہل علم کی اکثریت کے قول کی وجہ سے قبول اور قابل احتجاج بن جاتی ہے۔ (اعلاء السنن ص ۹۲ ج ۱۴) صنعانی رحمۃ اللہ علیہ توضیح الافکار میں ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث کے مفہوم و معنی پر علماء متفق ہو جائیں اور عمل کرنا شروع کر دیں۔ پس وہ حدیث مقبول ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس پر عمل واجب ہو جاتا ہے اور اسی بات کی ائمہ اصول کی ایک جماعت نے تصریح بھی کی ہے۔ اسی بات پر علماء دیوبند، منکرین حیات کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ پہلے تو اکثر احادیث ان عقیدوں پر جو علماء دیوبند کے ہیں واضح ہیں۔ اس میں کسی قسم کا کوئی ضعف نہیں۔ لیکن اگر تمہارے قول کے مطابق وہ ضعیف ہیں۔ کمزور ہیں تو چلو اسی بات پر آ جاؤ کہ جب اہل سنت والجماعت نے شروع سے انہی حدیثوں کے مطابق عمل کیا اور عقائد رکھے۔ اب تو یہ قابل عمل ہیں اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ چلو اسی اصول کو مانتے ہوئے اپنے مسلک اعتزال سے توبہ کر کے دوبارہ اہل سنت والجماعت علماء دیوبند میں شامل ہو جاؤ۔

۵...... محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی برصغیر تشریف آوری ہی سے اسلام کا پرچم برصغیر میں لہرانے لگا اور اس کفرستان میں اسلامی عقائد اور شریعت اسلامیہ پھیلنے لگی۔ حتیٰ کہ برصغیر میں مسلمانوں نے ایک ہزار سال حکومت کی۔ اکبر بادشاہ کا دور اور جہانگیر کا ابتدائی دور کو چھوڑ کر باقی سارے بادشاہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار تھے۔ خصوصاً دین اسلام فقہ حنفی کو اپنی حکومتوں میں رائج کرنے والے تھے۔ برصغیر میں پہلا دینی فتنہ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ جس کی بنیاد رکھنے والا خود یہی اکبر بادشاہ تھا۔ اس نے دین الٰہی کے نام سے نیا دین قائم کیا اور لوگوں کو یہ یقین دلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے زمانہ سے آج تک، ایک ہزار سال مکمل ہو چکے ہیں۔ اس لئے وہ دین اب پرانا ہو چکا ہے اور ختم ہو چکا ہے۔ اس نے تمام سلامی عقائد و احکام عقل کے خلاف سمجھے اور سمجھائے۔ جمعہ کے خطبہ میں یہ کلمات جاری کرائے ''لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ'' آگ کو پوجنے کا رواج عام کرایا۔ شراب اور خنزیر کا گوشت حلال قرار دیا اور خود عسائیت کی طرف مائل ہو گیا۔ جب اس کی وفات ہوئی ۱۰۱۴ھ بمطابق ۱۶۰۵ء میں تو اس کا جو جانشین بنا اور جس نے حکومت کو سنبھالا اس کا نام شہزادہ سلیم تھا۔ اس کا لقب جہانگیر تھا۔ اس کی بیوی شیعہ تھی جس کا نام نور جہان تھا۔ اس کی یہ کوشش رہی کہ جہانگیر کو شیعہ بنا لیا جائے۔ لیکن وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ خیر اس کے دور حکومت میں کئی ایسی رسوم اور بدعات جاری ہوئیں جو شرعاً ناجائز تھیں۔ علماء وقت بے چارے بے بسی کی وجہ سے اس کی تردید کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ایک

ایسا مرد مجاہد پیدا کیا جس نے حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ جس کا نام حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سر ہندی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ انہوں نے اکبر اور جہانگیر کے غیر اسلامی عقائد اور رسم و رواج کے خلاف رسالے لکھے اور علماء سے خط و کتابت کے ذریعے معاونت حاصل کی۔ جس سے حکومت کے اندر کھلبلی مچ گئی حکومت والے حضرت کے رسائل کو برداشت نہ کر سکے۔ آخر کار وہی ہوا جو حکومت کا شیوہ ہوتا ہے۔ جہانگیر بادشاہ نے حضرت مجدد الف رحمۃ اللہ علیہ ثانی کو دو سال قید کا آرڈر سنا کر گوالیار قلعہ میں بند کر دیا۔ حضرت نے جیل کے اندر ہی تبلیغ شروع کر دی جو علماء کا طرز و طریقہ رہا ہے کہ جہاں کہیں ہوں۔ اللہ کے بندوں کی اصلاح کی فکر ہے اور ان کو راہ راست پر لانا ہے۔ جب تبلیغ شروع کی تو جیل میں قید کئی کافر مسلمان ہو گئے۔ ادھر جہانگیر بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ دلی کی جامعہ مسجد میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا اجتماع ہے۔ جس میں سب مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی اور مصافحہ اور زیارت کرنے کے لئے بے چین اور بے تاب ہیں اور باری باری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ جہانگیر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ مگر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر دور کر دیا کہ تو نے ایک بہت بڑے انسان کو قید کر رکھا ہے۔ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ چنانچہ جہانگیر خواب سے بیدار ہوا۔ پریشان و حیران، آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ داڑھی پر سے گزر رہے ہیں۔ ہائے میں کیا کر بیٹھا؟ کی آواز نکل رہی ہے۔ وزیر و مشیر جمع ہوتے ہیں کہ ہمارے بادشاہ کو کیا ہو گیا؟ پوچھنے پر اور زیادہ آنسو اور زیادہ ہائے ہائے۔ حکم دیا کہ بس جلدی سے سواری کا انتظام کرو۔ سواری لائی گئی۔ جلدی سے بستر کو چھوڑا اوروں کو ساتھ لیا۔ اب گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز ''والعادیات ضبحا'' کا نمونہ پیش کرنے لگی۔ کسی سے کوئی کلام نہیں۔ سلام نہیں۔ بس تیزی سے ہوائی جہاز کی طرح سفر ہو رہا ہے۔ قلعہ پر پہنچتے ہی جیل والے پریشان اچانک کیسے بادشاہ آ گیا؟ ان کی بھاگ دوڑ۔ قیدی بڑے حیران و پریشان کہ پتہ نہیں آج کیا بات پیش آ گئی؟ شاید کہ ہمارے مسلمان ہونے کا علم بادشاہ کو ہو گیا ہے۔ آج ہماری خیر نہیں۔ جہانگیر نے گھوڑے کو روکا۔ لگام کو چھوڑا۔ جوتے اتارے۔ تاج ایک طرف پھینکا۔ عاجزی و انکساری سے ہاتھ باندھے سیدھا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کھڑا گڑگڑا رہا ہے اور کہہ رہا ہے حضرت مجھے معاف کر دیں۔ حضرت میرا قصور معاف کر دیں۔ میرے سے غلطی ہو گئی۔ پاؤں میں پڑ گیا۔ آنسو تھمتے نہیں۔ روئے جا رہا ہے۔ وزیر، مشیر، قیدی سارے بادشاہ کی حالت کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے۔ وہ بھی ساتھ ساتھ رونے لگے۔ بادشاہ پر ترس آنے لگا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کمال شفقت کرتے ہوئے بادشاہ کو سینے سے لگایا۔ آنسو صاف کئے۔ پیار کا ہاتھ سر اور آنکھوں پر پھیرا۔ بادشاہ کو چپ کرایا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بات شروع کی کہ بیٹا کیا ہوا۔ کیوں اتنے اچانک پریشان ہو گئے؟ بادشاہ کے دوبارہ آنسو شروع ہونے کی وجہ سے آواز نہیں نکلتی۔ بس یہی الفاظ جاری ہیں معاف کر دو۔ معاف کر دو۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے معاف کیا۔ واقعہ تو بتاؤ۔ کیا ہوا؟ اب اس نے سارا واقعہ سنایا۔ چنانچہ حضرت نے اسے معاف فرما دیا اور پھر درخواست کی بادشاہ نے کہ آپ ہماری فوج میں اور لشکروں میں کچھ وقت دیں۔ تاکہ ان کے جو عقائد اور اخلاق خراب ہو گئے ہیں۔ وہ صحیح ہو جائیں اور وہ فوج نسبت مجددی میں شامل ہو سکے اور شریعت سے بہرہ ور ہو سکے۔ پھر جہانگیر کا جو بیٹا پیدا ہوا۔ بڑا نیک بڑا تہجد گزار۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کا وافر حصہ عطاء فرمایا تھا۔ جس کا نام شاہ جہان تھا۔ شاہ جہان کا بیٹا عالمگیر تھا۔ بڑا باعمل متقی بادشاہ تھا۔ اس کے دور حکومت میں مجددی نور کی شعاعیں پھوٹیں۔ کفر کا سمندر جو اکبر بادشاہ کے زمانہ سے جوش سے ابھرا تھا۔ بالآخر

دب گیا۔ مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا۔ مسلمانوں کی اقتدار کی ساکھ پھر سے قائم ہوئی۔ اکبر بادشاہ سے لے کر عالمگیر بادشاہ تک مغلیہ دور کے بادشاہوں کے درجات ملاحظہ فرمائیں:

اکبر بادشاہ.........لا مذھب (جس کا کوئی مذھب نہیں تھا)

جہانگیر بادشاہ..........مذھبیت اور لا مذھبیت میں متوسط۔

شاہ جہان..........مذھبیت میں پختہ حیثیت اور مجددیت میں متوسط

عالمگیر بادشاہ......مذھبیت میں پختہ، خالص مجددی (علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۵۲۳ ج۱)

۶...... ہندوستان میں اسلامی شان وشوکت دوبارہ ختم ہونے لگی۔ اسلامی شعائر آہستہ آہستہ مٹنے لگے۔ دینی علم اور دینی مدارس اور مساجد کی پشت پناہی ختم ہو رہی تھی۔ دینی شعور مسلمانوں سے رخصت ہونے لگا۔ مشرقی روشنی چھپی جا رہی تھی اور مغربی تہذیب وتمدن کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ تو اسوقت اچانک اولیاء اللہ کے قلوب پر یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی بقاء اور تحفظ کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک اسلامی دینی مدرسہ قائم کیا جائے۔ ان اولیاء اللہ کے سربراہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے رفقاء میں سے یہ حضرات سرفہرست ہیں۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں، حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں، حضرت حاجی سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرات مدرسہ کی بناء اور بنیاد رکھنے میں ایک دوسرے کے معاون رہے۔ دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد جو چھتہ مسجد کے نام مشہور تھی۔ اس میں ایک انار کا درخت تھا۔ اس درخت کے نیچے پندرہ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء میں اس ادارے کا آغاز ہوا۔ حضرت مولانا محمود رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ میں مدرس تھے۔ ان کو بلوایا گیا اور حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو شاگرد بنا کے سامنے بٹھا کر مدرسہ دیوبند کا مسجد چھتہ والی میں جو آغاز ہوا اور اللہ کو یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس کی کرنیں اسی وقت سے جو پھوٹنا شروع ہوئیں تو پوری دنیا میں پھیل گئیں اور انشاء اللہ! قیامت پھیلتی رہیں گی۔ شاگردوں کا اضافہ ہوتا گیا۔ مسجد چھوٹی سی تھی۔ طالب علموں کی آسانی کے پیش نظر مسجد کے متصل ایک جگہ خریدی گئی۔ چار آنے گز کے حساب سے زمین کا معاملہ طے ہوا۔ یہ وہ مبارک زمین تھی جہاں سے گزرتے ہوئے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو علم کی خوشبو آئی تھی۔ مدرسہ کی عمارت کے لئے بنیادیں کھودی گئیں۔ پہلی اینٹ حضرت میاں جی مُنّے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی۔ سید بھی تھے اور بزرگ بھی تھے۔ یہ دن بڑا خوشی کا دن تھا۔ عوام بھی جمع تھی اہل اللہ کے دل پر ایک عجیب سرور وکیف تھا۔ ایک عجیب خوشی تھی اور سب کے دل خوشی سے لبریز تھے۔ بنیاد رکھی گئی۔ دار العلوم کے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ جو صاحب کرامت تھے۔ رات کو ایک بڑا عجیب خواب دیکھا۔ وہ یہ کہ اسی زمین پر جہاں بنیادیں رکھی گئیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ عصاء مبارک ہاتھ میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شمال کی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے۔ اس سے مدرسے کا صحن چھوٹا اور تنگ رہے گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شمال کی جانب ذرا پیچھے ہٹ کر نشان لگا دیا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہیے۔ تا کہ مدرسہ کا صحن اور وسیع ہو جائے۔ مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ یہ مبارک خواب دیکھنے کے بعد صبح ہوتے ہی اسی جگہ کا معائنہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لگایا ہوا پیارا پیارا صاف ستھرا نشان موجود تھا۔ اب مدرسے کی تعمیر اور بنیادیں دوبارہ اسی نشان پر قائم کر دی گئیں۔ جو آج تک محفوظ ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گی۔ کیونکہ جن بزرگوں نے سنگ بنیاد رکھا۔ وہ

سارے کے سارے اہل اللہ، اتباع سنت اور روحانیت میں مستغرق تھے اور بے نفسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ عرصہ کے بعد پھر ایک خواب دیکھا کہ مدرسہ دیوبند کے اندر ایک کنواں ہے۔ دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس کی منڈیر پر آپ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ لینے والے آ رہے ہیں اور دودھ لے کر جا رہے ہیں۔ ہر آنے والے نے ایک برتن ہاتھ میں لیا ہوا ہے۔ جس کے پاس برتن نہیں۔ وہ چلو بھر کر دودھ لے رہے ہیں اور پی رہے ہیں۔ خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ کنواں دارالعلوم دیوبند ہے دودھ علم ہے۔ تقسیم کرنے والے خود آپ ﷺ ہیں اور لے جانے والے طلباء کرام اور اساتذہ کرام ہیں۔ اس خواب سے اکابر علماء نے اپنے دل کو تسلی دی کہ دارالعلوم سے پھوٹنے والا علم، صحیح علم ہے۔ جس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہیں۔ خالصتاً قرآن وحدیث کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی صحیح علم حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (بیس مردان حق ص ۱۸)

اعتراض...... ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آپ ﷺ نے کیسے نشان لگا کر دیئے؟ حلانکہ وہ تو روضہ مبارک میں ہیں اور دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اسی بات کو لے کر مبتدعین حضرات اپنا عقیدہ حاضر و ناظر والا ثابت کرتے ہیں۔ ہمیں ذرا یہ بات واضح سمجھا دیجئے؟

جواب...... سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہیں جس طرح چاہیں کریں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس جیسے واقعات بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح معراج کی رات انبیاء کرام علیہم السلام کو مسجد اقصیٰ میں جمع کر دیا تھا۔ باوجود اس بات کے وہ دنیا سے جا چکے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ کو بھی اللہ تعالی نے اجازت دی کہ جائیں اور نشان لگائیں۔ لیکن اس سے یہ عقیدہ بنا لینا کہ حضور ﷺ ہر جگہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ یہ جہالت ہے۔ یہ تو آپ ﷺ کا اکرام اور اعزاز ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اجازت دیتے ہیں کہیں جانے کی۔ جو اللہ والے ہوں جن کا اللہ تعالیٰ سے اور آپ ﷺ سے رشتہ مضبوط ہو وہ بصورت کشف دیکھ بھی لیتے ہیں اور حالت بیداری میں دوسرے کو بھی دیدار کرا دیتے ہیں۔ جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی بوقت ضرورت دکھاتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ حاضر و ناظر والا نہیں ہے تو پھر جن کو نظر بھی نہیں آتے اور نہ وہ اولیاء اللہ ہیں۔ نہ انہیں کشف کا مقام حاصل ہے تو انہوں نے یہ عقیدہ کس بناء پر بنا لیا؟ لہٰذا کسی کو نظر آنے سے یہ عقیدہ حاضر ناظر والا رکھنا جہالت ہے اور یہ عقیدہ بغیر دلیل کے ہے۔

۷...... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ۲/مارچ ۱۹۵۲ء کو دائیاں ہاتھ سن ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ فالج کا اثر ہے۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور بڑی تکلیف ہوئی۔ دوسرے دن آپ نے فرمایا کہ میں نے رات کو آپ ﷺ کی خواب میں زیارت کی ہے۔ آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ پر دعا پڑھی اور دم کیا۔ پھر فرمایا کہ حسین احمد پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ میں صرف تمہاری عیادت کرنے آیا ہوں۔ چنانچہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل تندرست ہو گیا۔ (الصدیق بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام)

۸...... ۱۹۳۹ء میں تحریک مدح صحابہ لکھنؤ میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے قائدانہ حصہ لیا تھا۔ اسی لکھنؤ کے علاقہ کے صوفی محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کے سخت مخالف تھے۔ ادھر احرار کے پر جوش جانثار رضا کار بے شمار قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ ایک دن اچانک صوفی محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ اس حال میں مسجد میں آئے کہ بدن پر احراری سرخ کپڑے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ بھائیو! مجھے معاف کر دو۔ میں نے ہمیشہ آپ لوگوں کی

مخالفت کی ہے۔ لیکن آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ ہی لوگ رسول اللہ ﷺ کے چہیتے ہو اور دلارے ہو۔ یہ کہہ کر اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ بول نہیں سکتے۔ بس معاف فرما دو۔ یہ کہتے جارہے ہیں اور کہتے کہتے بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اب کہنے لگے کہ میں کل حسب معمول مجلس احرار کے خلاف بولتا رہا۔ غلط باتیں ان کی طرف منسوب کرتا رہا۔ رات کو خواب دیکھتا ہوں کہ امین آباد (جو لکھنو کے ایک بازار کا نام ہے) میں ایک تخت بچھا ہوا ہے۔ ایک سبز جوڑے والے بزرگ جن کا چہرہ سورج کی طرح چمک رہا تھا۔ تشریف فرما ہیں اور ان کے چاروں طرف ہزاروں نوجوان نورانی چہرے والے دوزانو بیٹھے درود شریف اور صلوٰۃ و سلام پڑھ رہے ہیں۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ بطور شکوہ کے کہ نانا جی آپ کی امت رافضیوں اور شیعوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مجھ پر طرح طرح کے الزام لگاتی ہے اور ہر قسم کی گالیاں دیتی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ کیا حال ہوگا میری امت کا؟ ایک حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید کر دیا اور ایک حسین رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان میں ذلیل کر رہے ہیں۔ پھر صوفی محمد ادریس کہتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ سڑک پر سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح و ثناء کرتے ہوئے جارہے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور سب کی پیشانیوں کو چوما، میں بھی دوڑا کہ حضور ﷺ کی قدم بوسی کروں۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو دربار سے نکال دو۔ یہ شخص جن کو میں پیار کرتا ہوں۔ ان کو گالیاں دیتا ہے اور جو لوگ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہیں۔ ان کی تعریف کرتا ہے اور ان کو اپنا سردار بناتا ہے۔ پھر آپ ﷺ ان نے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو دوزانوں بیٹھے تھے اور درود وسلام پڑھ رہے تھے کہ ان کی عزت میری عزت ہے۔''

(چراغ محمد ﷺ ص ۳۹۳ بحوالہ حیات و کارنامے ص ۴۳۲ بحوالہ الجمعیۃ، دہلی، یکم اپریل ۱۹۳۹ء)

فائدہ! ان سب واقعات سے عقیدہ عرض اعمال اظہر من الشمس ہے۔

عقیدۂ استشفاع ...... چوتھا اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

علماء دیوبند کا عقیدہ استشفاع کے بارے میں یہ ہے کہ کوئی بھی شخص آپ ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں اس طرح عرض کرے یارسول اللہ! میں گنہگار، قصور وار، خطاء کار، سیاہ کار، عاجزانہ، مئودبانہ، فقیرانہ، درخواست کرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میری عبادت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے اور میری جتنی مشکلات ہیں، جائز وضروری کام ہیں۔ آسان فرمادیں۔ سب کچھ آپ ﷺ کو بتائے اور سفارش کی درخواست کرے تو اس طرح سفارش کرانا بالکل جائز ہے۔ کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں۔ جب آپ سفارش کی درخواست کریں گے تو آپ ﷺ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کریں گے تو ان شاء اللہ! سارے مسئلے حل اور مشکلات دور ہو جائیں گی۔

(آب حیات ص ۴۰، معارف القرآن ص ۵۹ ۴ ج ۲ نشر الطیب ص ۲۳۹)

منکرین حیات کا عقیدہ

یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے وقت روضہ کی طرف منہ نہ کرے۔ کیونکہ آپ ﷺ خود نہیں سنتے اور نہ ہی دعا کے وقت روضۂ اطہر کی طرف منہ کرے۔ کیونکہ دیکھنے والے کو شک ہوگا کہ آپ ﷺ سے مانگ رہا ہے۔ اس لئے قبر شریف کی طرف پیٹھ کرے۔ نہ مانگنے والے کے دل میں وسوسہ آئے اور نہ دیکھنے والے کو شبہ ہو کہ دعا کرنے والا آپ ﷺ سے مانگ رہا ہے۔ یا کم از کم آپ کا وسیلہ ہی پیش کر رہا ہو۔ تمام آئمہ کا یہ مسلک ہر قسم کے شرکیہ اور بدعات والے شکوک شبہات سے پاک ہے۔ (عقیدۃ الامت از مولوی شہاب الدین خالدی ص ۱۳۴) آپ ﷺ کی قبر سے مشکل قضیے اور مشکل مسائل حل نہیں کرائے جا سکتے اور نہ ہی یہ عرض کی جا سکتی ہے کہ آپ ﷺ میرے حق میں دعا فرمائیں یا سفارش کریں۔ یہ عقیدہ مشرکین کا تھا۔ (ندائے حق ص ۵۳۱) ''استشفاع عند قبر النبی ﷺ'' بدعت سیئہ اور گمراہی ہے۔ (عقائد علماء اسلام ص ۶۸۱، المسلک المنصور ص ۶۹)

عقیدہ استشفاع دلائل کی روشنی میں

اب آپ حضرات عقیدۂ استشفاع پر دلائل پڑھیں کہ واقعی یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے:

دلیل نمبر ۱...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ استعانت کے کسی سے کچھ مانگنے اور مدد کے تین طریقے ہیں:

۱...... اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ یا اللہ فلاں کے واسطے کے ساتھ یا بحرمت فلاں میرا کام کر دے۔ اس طرح دعا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ یعنی اس طرح دعا کرنا کہ یا اللہ فلاں بزرگ کا واسطہ ہے تجھے میرا یہ کام کر دے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ چاہے کسی کی قبر کے پاس ہو یا کسی اور جگہ ہو۔ اس میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔

۲...... دوسری صورت یہ ہے کہ قبر والے سے کہے کہ او قبر والے بزرگ تم میرا کام کرو، اولاد دے دو۔ یہ شرک ہے۔ چاہے قبر کے پاس کہے یا قبر کے علاوہ کسی دوسری جگہ۔ چاہے کسی زندہ سے کہے یا کسی مردہ سے۔ یعنی یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ یہی میرا مشکل کشاء ہے۔ حاجت روا ہے۔ جس سے بھی اس طرح کسی قسم کی مراد مانگے گا مشرک ہو جائے گا۔

۳...... یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میرا کام کر دے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو سب نے مستثنیٰ کر دیا ہے اور جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے سلام کے بعد قبر مبارک کی زیارت کے وقت شفاعت مغفرت کی دعاء کرنے کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۹، ۷۰ ج ۱)

دلیل نمبر ۲...... امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے درجہ ذیل روایت کو صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ قحط میں مبتلاء ہو گئے۔ حضرت بلال بن الحارث مزنی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے روضۂ اطہر کے قریب آئے اور یوں عرض کی کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے اپنے امتیوں کے لئے بارش طلب فرمائیں۔ کیونکہ وہ ہلاک ہو چکے ہیں۔ (درخواست کر کے چلا گیا) خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا اور میرا سلام کہہ اور ان کو خبر دے کہ ان پر بارش نازل کی

جائے گی اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دے کہ دانائی پر قائم رہ۔ دانائی پر قائم رہ۔ تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ خواب سے بیدار ہوئے۔ سیدھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضرت عمر کو سارے واقعہ اور خواب کی خبر دی تو حضرت عمر رو پڑے۔ پھر فرمایا کہ اے میرے رب میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مگر جس کام سے عاجز آ گیا۔

(تسکین الصدور بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳ ج ۱۲، اصابہ ص ۴۸۴ ج ۳، وفاء الوفاء ص ۱۴۲۱ ج ۲)

فائدہ! اس وقعہ سے مسئلہ استشفاع پر استدلال یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش طلب کرنے کی درخواست کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کوئی ممتنع کام نہیں ہے۔ سوال کرنے والے کا سوال کرنا دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز کے طلب کرنے کے لئے عرض کرنا مکروہ نہیں۔ بالکل ٹھیک ہے۔ جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں ایسی سفارشات کرائی جاتی تھیں۔

دلیل نمبر ۳...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے تین دن بعد ایک اعرابی روضہ شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار و قطار روتے ہوئے یہ آیت پڑھی ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا اﷲ واستغفرلهم الرسول لوجدوا اﷲ توابا رحيما (نساء: ۶۴)“ (اور اگر بے شک وہ لوگ ظلم کر لیں جس وقت اپنی جانوں پر (یعنی ان سے گناہ ہو گیا پھر ندامت کے ساتھ) آپ کے پاس آ گئے۔ پھر انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی ان کے لئے بخشش طلب کی۔ تو وہ پائیں گے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا) اس آیت کو پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس اعرابی صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا اللہ تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس آیت میں گنہگار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ پھر کہنے لگا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میرے لئے مغفرت کی سفارش کریں دعا کریں۔ (یارسول اللہ) جب یہ الفاظ اس نے کہہ لئے تو فوراً روضہ اطہر کے اندر سے آواز آئی ”قد غفر لک“ تیری بخشش ہو گئی ہے۔ اس وقت جتنے لوگ وہاں موجود تھے۔ سب نے یہ آواز سنی۔ (معارف القرآن ص ۴۵۸ ج ۲، بحوالہ تفسیر بحر محیط)

فائدہ! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرانا صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور سے ہی چلا آ رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر خاموش ہونا اور نکیر نہ کرنا ایک قسم کے اجماع کا اجماع ہے جو قابل حجت ہے۔

اعتراض...... اس واقعہ کو نقل کرنے والے کچھ لوگ کذاب ہیں۔ اس کی سند پر سخت قسم کی جرح ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ قابل حجت نہیں ہے۔

جواب...... حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اس روایت کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی التجاء کرنا، ذمہ دار حضرات فقہاء کرام محدثین عظام اور تعامل علماء سے ثابت ہے اس لیئے جواز کے مسئلہ میں یہ روایت قابل استدلال ہو گی جواز اور استحباب کے لئے ضعیف حدیث بھی قابل قبول ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ علماء محدثین اور فقہاء وغیرہم یہ فرماتے ہیں کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز اور مستحب ہے۔ بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔ (کتاب الاذکار ص ۷ تسکین الصدور ص ۳۶۷)

مذکورہ آیت کی تفسیر کے بارہ میں علماء کے اقوال

۱...... حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ سے ایک ضابطہ نکلتا ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص بھی آپ ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہو اور آپ ﷺ اس کے لئے مغفرت کی دعا فرما دیں۔ تو اس کی ضرور بخشش ہو جائے گی اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری جس طرح دنیا والی زندگی کے زمانہ میں تھی۔ بالکل اسی طرح آج بھی روضہ اطہر پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (معارف القرآن)

۲...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں کہ آپ ﷺ کے زمانہ کے امتی ہوں یا بعد والے امتی ہوں اور تخصیص ہو کیوں؟ آپ ﷺ کا وجود مبارک تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ ﷺ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہوگا کہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہوں۔ (آب حیات ص ۲۰)

۳...... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مواہب میں محمد بن حرب ہلالی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں (یعنی محمد بن حرب ھلالی) روضہ اطہر کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کی۔ زیارت کے بعد عرض کرنے لگا کہ: "یاخیر الرسل" اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی ہے۔ جس میں ارشاد ہے "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک... الخ" اور پھر کہا کہ میں آپ ﷺ کے پاس استغفار کرتا ہوا اپنے گناہوں سے اور اپنے رب کے حضور میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔ پھر اس نے دو شعر پڑھے۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں۔ پس حجت ہو گیا۔ (نشر الطیب ص ۲۵۴)

۴...... حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا۔ قرآن کی آیت کے عموم سے ثابت ہے۔ بلکہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس (شفاعت اور استشفاع کے) معنی میں صریح ہے "صریح فی ذالک" (شفاء السقام ص ۱۲۸)

فائدہ! ان تمام اقوال اور دلیلوں سے یہ بات صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہی ہے۔ کہ اب بھی آپ ﷺ سے روضہ اطہر کے پاس مشکل مسائل اور قضیے حل کرائے جا سکتے ہیں اور سفارش کے لئے عرض کی جا سکتی ہے۔ یہ مشرکین کا عقیدہ نہیں۔ بلکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور مسلک اہل سنت نہایت ہی معتدل مسلک ہے جو افراط تفریط سے خالی ہے جو اس عقیدے کے خلاف چلتے ہیں۔ وہ اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں۔ بلکہ بدعتی اور گمراہ ہیں۔

دلیل نمبر ۴...... قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے حافظ تھے۔ یہ اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین ابو جعفر کا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد نبوی میں کسی مسئلہ پر مناظرہ ہو گیا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب سکھلایا کہ اے ایمان والو تم اپنی آوازوں کو آپ ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو۔ (حجرات: ۲) اور ایک قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ نے امتحان لیا۔ تقویٰ کے لئے ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر

ہے: ''ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم (حجرات: ۳) ''اور ایک قوم کی مذمت کی ہے کہ جو لوگ تجھے حجروں کے سامنے سے پکارتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں: ''ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون (حجرات: ۴) ''پھر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بے شک وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کی عزت و حرمت ایسے ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی۔ اس پر امیر المومنین ابو جعفر نے عاجزی کرتے ہوئے اپنی آواز کو پست کر لیا اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ (یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے) کیا میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں؟ یا آپ ﷺ کی طرف اپنا منہ کر کے دعا کروں؟ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا تو کیوں آپ ﷺ سے اپنا منہ پھیرتا ہے؟ حالانکہ آپ ﷺ ہی تیرے اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے۔ پھر آگے فرمایا کہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو اور آپ ﷺ کو سفارشی بنا۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی سفارش قبول فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک'' (الشفاء ص ۲۳ ج ۲) اس واقعہ کو علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب (وفاء الوفاص ۱۳۷۶ ج ۲) میں نقل کر کے کہا ہے کہ: ''اس کی سند جید ہے۔'' اور دوسرے حضرات نے یہ کہا ہے کہ: ''اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' (رواہ ابن وھب عن مالک ص ۱۱۷)

فائدہ! آپ حضرات نے یہ واقعہ پڑھا اور بخوبی اندازہ لگایا کہ ان منکرین حیات سے پہلے کسی نے آپ ﷺ سے سفارش کرنے کو شرک اور بدعت نہیں کہا۔ بلکہ ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آ رہا ہے کہ مسلمان جب بھی مدینہ منورہ پہنچتے ہیں تو آپ ﷺ سے انہوں نے اپنی سفارش کرائی ہے اور اپنے مشکل مسئلے روضۂ رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر سنائے ہیں۔ ایسے ہی امت مسلمہ کا آج تک عقیدہ تھا اور ہے اور رہے گا۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا ہے۔

دلیل نمبر ۵...... حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب آدمی آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آئے تو قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے آپ ﷺ کی طرف رخ کرے اور آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اور دعا کرے۔ (شفاء السقام ص ۱۱۹)

فائدہ! مذکورہ پانچ دلیلوں سے مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کہ روضہ شریف کی طرف منہ کرنا جائز ہے۔ بلکہ اعلیٰ مستحبات میں سے ہے اور دعا کرنا بھی جائز ہے۔ روضہ کی طرف رخ کر کے اور سفارش کی درخواست کرنا بھی جائز ہے۔

عقیدۂ استشفاع واقعات کی روشنی میں

۱...... حضرت علامہ عتبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی قبر مبارک پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: ''السلام علیک یا رسول اللہ'' میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم... الخ'' اس میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانے کے لئے آیا ہوں۔ اس کے بعد اس نے درد دل سے چند اشعار پڑھے اور اظہارِ عقیدت اور جذبۂ محبت کے پھول نچھاور کئے۔ پھر چلا گیا۔ علامہ عتبی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عتبی رحمۃ اللہ علیہ جا کر اس اعرابی کو خوش خبری دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۰ ج ۲، کتاب الاذکار ۱۸۵، شفاء السقام ص ۴۶، جذب القلوب ص ۱۹۵)

فائدہ! حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے استدلال اس طرز پر نہیں کہ علامہ قسطی رحمہ اللہ بڑے پارسا بزرگ اور ثقہ راوی تھے۔ جن کی اس کاروائی کی پیروی کی جارہی ہے۔ فرض کیجیے وہ بزرگ نہ بھی ہوں جیسا کہ بعض کتابوں میں آیا اور بعض معاصرین نے اس کو پلے باندھ لیا ہے۔ بلکہ استدلال اس انداز سے ہے کہ اس کاروائی کو ہر مکتب فکر کے علماء کی اکثریت نے مستحسن سمجھ کر اس پر عمل کیا اور تلقی امت اور تعامل علماء اور فقہاء سے یہ کاروائی جواز کا درجہ رکھتی ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۶۴)

۲...... سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کے زمانہ میں ایک عالم دین متقی پرہیز گار کافی مقروض اور تنگ دست ہو گیا۔ خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کو ارشاد فرمایا کہ سلطان محمود کے پاس جا اور جا کر یہ کہنا کہ اس کو جناب رسول ﷺ نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ تا کہ تو اس کی امداد اور اعانت کر۔ اگر سلطان محمود تجھے سچا نہ سمجھے تو تو اس کو یہ نشانی بتانا کہ تو آپ ﷺ پر یہ "اللھم صل علیٰ سید نامحمد، وعلی اٰل سیدنا محمد، مااختلف الملوان، وتعاقب العصران، وکرّ الجدیدان، واستقلّ الفرقدان، وبلّغ روحه وارواح اھل بیته منّاالتّھیّة والسلام، وبارک وسلم علیه کثیراً" درود شریف پڑھتا ہے۔ اس کا علم صرف تجھے ہے اور سید دو عالم ﷺ کو ہے۔ چنانچہ یہ شخص خواب سے بیدار ہوا اور آپ ﷺ کی سفارش لے کر سیدھا سلطان محمود کے پاس پہنچا۔ تو سلطان محمود نے اس کا بہت احترام کیا اور اس کی امداد کی۔ (روح البیان ص ۲۳۴ ج ۷)

فائدہ! قائلین حیات کو چاہیے کہ درود شریف کی کثرت رکھیں اور درود شریف کی کثرت رکھنا ہی اہل سنت والجماعت کی نشانی ہے۔ جیسے علامہ سخاوی رحمہ اللہ امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت آپ ﷺ پر درود شریف زیادہ پڑھتے ہیں۔ (القول البدیع ص ۶۰)

۳...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے ایک رسالہ میں فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے کھانے کے لئے کچھ نہ ملا کہ اچانک ایک شخص نے دودھ کا پیالہ لا کر میرے سامنے کیا۔ جسے میں پی کے سو گیا۔ خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دودھ میں نے بھیجا تھا۔

(فضائل درود شریف ص ۱۲۵، بحوالہ الدر الثمین فی المبشرات الامین ص ۱۳)

۴...... حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی الجواہر المنظوم کے حوالہ سے یہ بات لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کو دفن کئے جانے کے بعد ایک اعرابی آیا۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ میرے لئے میرے رب سے مغفرت طلب فرمائیں۔ پس قبر مبارک سے آواز آئی کہ بے شک تیری مغفرت ہو چکی ہے اور آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی وفات کے بعد آئیں اور آپ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر پڑھا کہ:

الا یارسول اللہ انت رجائیا وکنت بنا براً ولم تک جافیا

اے اللہ کے رسول (ﷺ) آپ میری امید ہیں اور آپ ہم پر مہربان تھے اور آپ ﷺ سخت مزاج نہ تھے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سب کچھ سنا اور کسی ایک نے بھی انکار نہ کیا۔ (تحریرات حدیث ص ۵۶۶) آگے

حضرت شیخ الحدیث صاحب لکھتے ہیں کہ ان تمام ذمہ دار فقہاء حضرات کی روشن عبارات سے یہ بات واضح تر ہوگئی ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی التجا کرنا جائز وصحیح ہے۔ الغرض استشفاع کا مسئلہ فقہاء کرام کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۷۷)

۵...... ابو اسحاق الزیادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ ابو حسان نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ میں نے کہا ابو حسان سے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے دیکھایا جو کچھ دکھایا تو مجھے بھی خواب بتا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک بڑا نور دیکھا ہے۔ جس کی صفت بیان کرنا میرے بس میں نہیں اور میں نے اس نور میں ایک شخص کو دیکھا جس کے بارے میں مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ ہمارے آقا ﷺ ہیں اور آپ اپنی امت میں سے کسی آدمی کی سفارش فرما رہے ہیں۔ پھر میں نے سنا کہ کہنے والا کہہ رہا تھا کہ کیا تجھے کافی نہیں یہ آیت؟ جو میں نے سورۃ الرعد میں اتاری ہے؟ وہ آیت ہے: ''وان ربک لذو مغفرۃ للناس علیٰ ظلمھم'' پھر مجھے جاگ آگئی۔ (تاریخ بغداد ص ۳۷ ج ۶)

عقیدۂ زیارت روضۂ رسول ﷺ...... پانچواں اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

علماء دیوبند کا مسلک وعقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا کہ مدینہ منورہ میں چونکہ آپ ﷺ کا روضہ اطہر ہے۔ صرف اسی کی ہی زیارت مقصود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور غرض اور مقصد نہیں تو اس کا یہ سفر کرنا فرائض وواجبات کے علاوہ سب سے بڑی نیکی اور افضل ترین عبادت ہے۔ یہ سفر اعلیٰ درجہ کی قربت کا سبب ہوگا اور انتہائی ثواب کا ذریعہ ہوگا۔ بلند درجات حاصل کرنے کا وسیلہ بنے گا۔ بخشش کا واسطہ بنے گا۔ یہ بات اجماع سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ باقی مسجد نبوی ﷺ اور دوسرے برکت والے مقامات کی زیارت خود بخود ہو جائے گی۔ ان کو مقصود اصلی نہیں بنانا چاہیے۔ مقصود اصلی صرف روضۂ اطہر کی زیارت ہو اور بس۔

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔ بلکہ بدعت ہے۔ اصل مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے سفر کرو اور روضۂ کی زیارت خود بخود ہو جائے گی۔ یعنی اصل مقصود روضہ کو نہیں بنانا چاہیے۔ بلکہ مسجد نبوی کو مقصود بنانا چاہیے۔ (کتاب التو[illegible] فی العبادات الالوھیہ از مولوی عبدالغنی جاجروی) اسی طرح تحقیق الحق ایک منکر حیات کی کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ [illegible]نبیاء اور صالحین کے قبروں کی زیارت کے لئے سامان سفر باندھنا اور سفر کرنا بدعت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا اور نہ ہی [illegible]مسلمین میں سے کسی نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ (تحقیق الحق ص ۳۵) دوسری جگہ لکھا کہ: ''زیارت القبور کے لئے رخت سفر باندھنا، نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ میں سے کسی سے ثابت نہیں اور یہ بدعت ہے۔ (ایضاً ص ۳۴)

فائدہ! قارئین کرام! اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے مدینہ منورہ جانے کی تو صرف آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی نیت سے سفر کریں۔ صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کی نیت سے سفر کریں کہ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام پیش

کروں گا۔ کیونکہ جس کو کسی سے تعلق اور محبت ہوتی ہے تو وہ خود چل کر جاتا ہے اس کی زیارت کے لئے۔ اس لئے صرف روضہ رسول کی نیت سے سفر کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ کیونکہ مسجد نبوی کو جو عظمت ملی ہے۔ وہ بھی آپ ﷺ کے واسطہ سے ملی ہے اور فطرت سلیمہ اور عقل بھی اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ صرف روضہ اطہر کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو آدمی مکہ مکرمہ سے سفر کر کے اس نیت سے مدینہ منورہ جارہا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں نمازیں پڑھے گا۔ مسجد نبوی کی زیارت کرے گا تو وہ خسارے اور نقصان والا سفر کر رہا ہے۔ کیونکہ مسجد حرام بیت اللہ شریف کے اندر ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کے برابر ہے جب کہ مسجد نبوی میں صحیح روایت کے مطابق ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازیں پڑھنے کے برابر ہے۔ جب کہ دوسری روایت کے مطابق ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازیں پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے جس حدیث کو چاہے لے لیا جائے اجر و ثواب سے خالی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ جانے کی اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ پر حاضر ناضر ہے ہر جگہ ملتا ہے۔ چاہے مسجد نبوی ﷺ میں رہو یا مسجد حرام میں۔ مسجدیں تو دونوں اللہ کا گھر ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کا روضہ اطہر اور آپ ﷺ کی ذات صرف مدینہ منورہ میں ملتی ہے۔ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی ہی نیت کر کے علماء دیوبند عشق رسول ﷺ سے سرشار ہو کر روضہ اطہر پر حاضری دینے کے لئے جاتے ہیں۔

زیارت روضہ رسول ﷺ دلائل کی روشنی میں

اب وہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ واقعتاً علماء دیوبند کا عقیدہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے:

دلیل نمبر ۱...... ''واذا جاء ک الذین یؤ منون بایتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوءاً بجھالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم (الانعام: ۵۴)'' (جب آویں آپ کے پاس ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے۔ پس آپ کہہ دیں کہ سلامتی ہے تم پر۔ تمہارے پروردگار نے اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے رحمت کرنا کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے، پھر وہ شخص اس کے بعد توبہ کرے، اصلاح رکھے، تو اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں اور بڑی رحمت کرنے والے ہیں)

فائدہ! حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے اس آیت کے مضمون کو ایک مستقل ہدایت نامہ کی حیثیت سے بیان کیا ہے کہ جن لوگوں سے گناہ سرزد ہو جائے۔ پھر ان کو گناہ پر ندامت ہوئی اور توبہ کر کے اپنے عمل کو درست کر لیا۔ آگے حضرت لکھتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کا کوئی حکم جو کسی خاص واقعہ میں نازل ہوا۔ گرچہ اس کے الفاظ اور مضمون عام ہے۔ تو وہ صرف اس واقعہ کے لئے مخصوص نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک عام حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ قیامت تک تمام مسلمانوں کے لئے برابر ہے۔ یعنی اب یہ حکم بھی ایک عام ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو ہر اس گنہگار کو شامل ہے۔ جس کو گناہ کے بعد بھی اپنی غلطی پر تنبہ ہوا اور نادم ہو کر اس نے اپنے آئندہ عمل کو درست کر لیا۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۳۳۷)

تو اس آیت سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس آیت کا حکم عام ہے۔ قیامت تک جاری وساری رہے گا جو آدمی بھی روضۂ اقدس کی نیت کر کے روضہ پر حاضری دے گا سب سے پہلے اس کو آپ ﷺ خود

سلام کریں گے پھر جب یہ صلوۃ وسلام جتنی دفعہ عرض کرے گا اس کا جواب علیحدہ ملے گا اور یہ سلام کی ابتداء اور بشارت صرف اس شخص کے لئے ہے۔جس میں تین شرطیں پائی جاتی ہوں:

۱...... صرف اور صرف آپ ﷺ کے پاس جانے کی نیت سے جائے کوئی اور نیت کر کے سفر نہ کرے۔

۲...... مومن صحیح العقیدہ ہو۔ ورنہ سفر کا کوئی فائدہ نہیں۔

۳...... اس کے لے بشارت تب ہوگی جب یہ پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ اور ارادہ کرے۔ پھر یہ ساری خوشخبری اس کے لئے ہوگی۔

دلیل نمبر ۲...... ''قال رسول اللہ ﷺ من زارنی بعد مماتی کان کمن زارنی فی حیاتی، ومن زارنی حتی ینتھی الی قبری کنت له یوم القیامة شھیدا'' (آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی۔ گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت کی۔ حتیٰ کہ میری قبر پر آیا تو میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا) (کتاب الضعفاء از علامہ حضرت عقیلی، تاریخ ابن عساکر، کتاب الشفاء از علامہ سبکی)

فائدہ! جو آدمی روضہ مبارک کی نیت کر کے سفر کرے اور روضہ اقدس پر پہنچ جائے تو آپ ﷺ قیامت کے دن اس کے ایمان کی اور اس کی حاضری کی گواہی دیں گے۔ اس وجہ سے صرف اور صرف روضۂ اطہر کی ہی نیت سے سفر کریں۔

اعتراض...... اس حدیث کی سند میں محمد بن یحییٰ جس کے بارے میں ابن عدی نے یہ لکھا ہے کہ اس کی احادیث منکر اور ظلمت سے بھری ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث قابل قبول نہیں۔

جواب...... ابن عدی نے محمد بن یحییٰ کو منکر لکھا ہے۔ اکثر راویوں پر منکر کا اطلاق اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی حدیث کو روایت کرنے والے ہوتے ہیں۔ (فتح المغیث ص ۱۲۶)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصحاب جرح وتعدیل کے قول ''ہذا حدیث منکر'' سے یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ اس کا راوی ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اکثر منکر کا اطلاق تفرد پر ہوتا ہے۔ (الرفع والتکمیل ص ۲۰۰)

دوسری بات یہ ہے کہ کتب جرح وتعدیل سے یہ بات ثابت ہے کہ ابن عدی خود بھی متشدد و متعصب ہے۔ لہٰذا ابن عدی کا ان کی احادیث کو منکر کہنا تشدد پر مبنی ہے اور مظلمہ کا حکم لگانا بھی اس کے تشدد پر محمول ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے ہم معنی روایات اسی کی تائید کرتی ہیں۔ پس یہ حدیث حسن درجہ کی ہے نہ کہ منکر مظلمہ۔ واللہ اعلم!

دلیل نمبر ۳...... ''قال النبی ﷺ من حج ولم یزرنی فقد جفانی'' (آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی۔ پس تحقیق اس نے مجھ پر ظلم کیا) (شفاء السقام ص ۲۷، الکلام المبرور ص ۳۶)

دلیل نمبر ۴...... ''عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: من جاءنی زائراً لا یعلمه حاجة الا زیارتی، کان حقا علیّ ان اکون له شفیعا یوم القیامة'' (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو میرے پاس آیا اور اس کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ سوائے میری زیارت کے تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں) (معجم کبیر للطبرانی ص ۱۷۴، ج ۶)

تنبیہ! جو مومن مسلمان آپ ﷺ کی شفاعت کے طلبگار ہیں۔ ان کو چاہئے کہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے روضہ اطہر کے علاوہ اور نیت نہ کریں ورنہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔

دلیل نمبر ۵...... ''قال رسول اللہ ﷺ: من مات فی احد الحرمین بعثه من الا منین یو م القیا مة، ومن زارنی محتسباً الی المدینه کان فی جواری یو م القیامة '' (آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ جو شخص مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں فوت ہو جائے۔ وہ قیامت کے دن امن والوں میں سے اٹھے گا اور جس آدمی نے ثواب کی نیت سے میری زیارت کی (یعنی میرے روضہ اطہر کی) وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی اور قریبی ہوگا) (شفاء السقام)

دلیل نمبر ۶...... ''عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: من زار قبری وجبت له شفا عتی '' (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کے لئے میری شفاعت لازم ہے) (شعب الایمان، شفاء السقام، دار قطنی، وفاء الوفاء ص ۱۶۷، ج ۴)

دلیل نمبر ۷...... ''قال رسول اللہ ﷺ من جاء نی زائراً لا ینزعه الا زیارتی، کان حقا علیّ ان اکون له شفیعاً یو م القیامة '' (آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ جو میری زیارت کے لئے آئے اور مقصد صرف میری زیارت ہو تو مجھ پر حق اور لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں) (شفاء السقام ص ۲۷)

فائدہ! علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث آپ ﷺ کی حیات مبارکہ یعنی دنیاوی زندگی اور وفات مبارکہ کے بعد دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ (حاشیہ علی الایضاح ص ۴۸۱)

دلیل نمبر ۸...... ''من حج فزار قبری بعد وفاتی، فکانما زارنی فی حیاتی '' (جس شخص نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی۔ میری وفات کے بعد۔ گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی) (شفاء السقام)

فائدہ! علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب حجاج کرام اور عمرہ کرنے والے حضرات مکہ مکرمہ سے واپس آئیں، تو مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے۔ اس لئے کہ یہ تقرب الی اللہ کے اہم کاموں میں سے ہے اور مساعی میں سے سب سے زیادہ کامیابی کا ذریعہ ہے۔ (الایضاح فی مناسک الحج والعمرہ ص ۴۴۷)

نیز علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیارت والی حدیث آپ ﷺ کی حیات اور وفات دونوں حالتوں پر مشتمل ہے اور یہ حکم مرد اور عورت سب کو شامل ہے۔ قریب اور دور سے آنے والے تمام کو شامل ہیں۔ نیز ان احادیث سے قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنے پر اور زیارت کے لئے سفر کے مستحب ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ (حاشیہ لابن حجر الہیتمی علی شرح الایضاح ص ۴۸۱)

زیارت رسول ﷺ علماء اسلام کی نظر میں

۱...... علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فصل ثانی زیارت روضہ رسول ﷺ کے دلائل میں ہے اور اس کی مشروعیت کی تاکید کے بیان میں ہے اور اس کے درجہ کے واجب کے قریب ہونے کے بیان میں ہے۔ حتیٰ کہ بعض نے اس پر وجوب کا حکم لگایا ہے۔ (وفاء الوفاء ص ۷۷ اج ۴) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت روضہ رسول پر قولاً وفعلاً اجماع ہونے کو واضح کیا ہے اور ائمہ کے اقوال کو اس بارے میں نقل کیا ہے اور کتاب وسنت، اجماع وقیاس کے باعث ثواب ہونے کو ثابت کیا ہے۔ (ایضاً ص ۱۵۸ اج ۴) تیسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ علامہ عبد الحق مقلی ابو عمران مالکی سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت واجب ہے اور

عبدالحق خود فرماتے ہیں سنن واجبہ میں سے ہے۔ (ایضاً ص ۱۸۷ ج ۴) چوتھے مقام پر فرماتے ہیں'' والحنیفة قالو ان زیادة قبر النبی ﷺ من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات کذا نص علیه المالکیه والحنابلیة'' اور حنفی حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت افضل مستحبات اور افضل نیکیوں میں سے ہے۔ بلکہ واجب کے قریب ہے۔ اسی پر مالکی حضرات اور حنابلہ حضرات کی عبارات تصریحات ہیں۔ پانچویں مقام پر علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مدینہ منورہ سے شہداء احد کی قبور کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے۔ جب قریب جگہ سے قبروں کی زیارت کے لئے جانا جائز ہوا تو دور سے بھی جائز ہوگا اور آپ ﷺ کی قبر مبارک اس کے زیادہ مستحق ہے کہ اس کے لئے مستقل سفر کیا جائے اور اس پر سلف خلف کے اتفاق کی وجہ سے اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔ (وفاء الوفاء ص ۱۸۸ ج ۴)

۲...... امام حافظ ابو الیمن ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ آپ ﷺ کی زیارت کے سبب اللہ کے قرب کی نیت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی مسجد کی طرف سفر کرنے کے سبب تقرب کی نیت بھی کرے۔ (اتحاف الزائر ص ۳۰)

۳...... علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ ضعیف کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ محض آپ ﷺ کی قبر کی نیت کرے۔ پھر جب وہاں آجائے تو مسجد نبوی کی بھی نیت کرے۔ ہاں! اگر صرف روضہ پاک کی نیت کرے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو دوبارہ آنے کی نیت مسجد نبوی کی کرے تو اس میں آپ ﷺ کی عظمت ورفعت اور جلالت شان ادب واحترام کی زیادہ رعایت ہے اور احادیث کی ظاہرا موافقت بھی ہو جائے گی۔ (فتح القدیر ص ۴۷ ج ۳)

۴...... فقہ حنفی کی بے مثال فتاویٰ کی کتاب درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار میں یہ فتویٰ ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت اجماعی طور پر مستحب ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار ص ۶۳ ج ۴)

۵...... علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کے محققین حضرات زیارت روضہ رسول ﷺ کے وجوب کے قائل ہیں نیز فرمایا کہ زیارت روضہ رسول ﷺ واجب ہے۔'' (الکلام المبرم ص ۹)

۶...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے۔ بلکہ واجب کے قریب ہے۔ (المہند علی المفند ص ۳۴)

۷...... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اکابر زیارت روضہ اطہر کے لئے سفر کرنے کو صرف جائز بلکہ افضل مستحبات اور واجب کے قریب قرار دیتے ہیں۔ (نقش حیات ص ۱۲۲)

۸...... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور اکابر امت کے نزدیک روضہ شریف کی زیارت کی بھی ضرور نیت کرنی چاہیے اور روضہ اطہر پر حاضر ہو کر شفاعت ممنوع نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۱۶۷ ج ۴)

فائدہ! آپ حضرات نے زیارت روضہ رسول ﷺ کا مسئلہ قرآن احادیث اور فتاوی کی کتب اور علماء اسلام کے اقوال سے بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ پڑھا۔ تمام دلائل اور کتب صاف صاف پکار کر بتلا رہی ہیں کہ روضہ پاک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ اور واجب کے قریب ہے۔ یقیناً یہ

حضرات علم حدیث میں کامل اور مکمل مہارت رکھنے والے تھے۔شریعت کے ایک ایک مسئلے کو گہرائی تک سمجھنے والے تھے۔یعنی احادیث اور قرآن کے مفاہیم اور مطالب کو سمجھنے میں امام کا درجہ رکھتے تھے۔تعارض کی ابحاث سے مکمل طور پر واقف تھے۔جب ان حضرات نے اس مسئلہ کو جائز۔ بلکہ واجب کہا ہے۔تو اسی کو تسلیم کرنا ہی واجب ہے۔

عقیدۂ زیارت روضۂ رسول ﷺ واقعات کے روشنی میں

۱...... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ فراق وجدائی کے صدمہ کو برداشت نہ کرسکے۔حتیٰ کہ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام کے ایک علاقہ جابیہ میں مقیم ہوگئے اور وہاں جاکر مستقل رہائش اختیار کرلی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام میں ایک خواب دیکھا کہ جس میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ بلال اتنی سنگدلی؟ کیا تو میری زیارت کے لئے نہیں آئے گا؟ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ خواب سے بیدار ہوئے تو فوراً سفر کا سامان تیار کیا اور مدینہ منورہ روضہ پر حاضری کی نیت سے سفر شروع کردیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور روضہ اطہر پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔تو اتنے میں لوگوں کو بھی پتہ چل گیا کہ موذن رسول ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کافی عرصہ کے بعد آج تشریف لائے ہیں۔تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملنے کے لئے جوق در جوق آئے۔ملاقات وحال احوال کے بعد جب نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ جب سے آپ شام گئے ہیں۔اسی دن سے ہم آپ کی اذان سننے کو ترس گئے ہیں۔ اب آپ مہربانی کریں۔آج اذان سنا دیں۔خصوصاً جب حضرت سیدنا امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما نے بھی ساتھ درخواست شروع کی تو بالآخر مجبور ہوکر اذان دینا پڑی اور اسی جگہ اذان دی۔ جہاں پہلے آپ ﷺ کے دور اقدس میں اذان دیتے تھے۔جب اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا تو سارے مدینہ کو آپ ﷺ کا دور اقدس یاد آگیا اور سارا وہ نقشہ ذہن میں آگیا جس میں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سنتے تھے۔لیکن آج آپ ﷺ کی ذات اقدس نظر نہیں آرہی تھی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آنسوؤں کے بندھن ٹوٹ گئے۔ بے ساختہ صدمہ کی وجہ سے آہ! وبکا شروع ہوگئی اور ایسی پرکشش آواز کے ساتھ جب کلمۂ شہادت پر پہنچے تو ایسے معلوم ہوا خود آپ ﷺ کی ذات اقدس سامنے ہے اور روضہ اطہر سے باہر تشریف لائی ہے۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب ہر طرف سے یہ حالت دیکھی تو خود بھی شدت فراق کی وجہ سے رونا شروع کردیا اور اذان بھی پوری نہ ہوسکی۔ (وفاء الوفاء ص ۵۶ ج ۳ آثار السنن از علامہ محمد بن علی نیموی ص ۱۲۶)

فائدہ! اس واقعہ سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ روضۂ اطہر کی نیت سے سفر کرنا بالکل جائز ہے۔اعلیٰ مستحبات میں سے ہے۔جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسی نیت سے سفر کیا تھا۔صحابی رسول کا فعل ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

۲...... شرح جامی کے مصنف حضرت شیخ عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ جہاں متجر عالم محقق ومدقق بے نظیر تھے۔ وہاں ایک باکمال عارف اور رسول ﷺ کے عاشق صادق بھی تھے۔آپ ﷺ کے ساتھ جوان کو عشق ومحبت تھی۔اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگائیں کہ انہوں نے آپ ﷺ سے عشق ومحبت اور مدح وثناء میں ایک قصیدہ نعتیہ کلام درد بھرے انداز میں لکھا۔ جب وہ قصیدہ مکمل ہوگیا تو یہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور ساتھ یہ قصیدہ بھی لے گئے۔ اس نیت سے قصیدہ لے گئے کہ جب حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ روضہ اطہر پر حاضری دینے کے لئے جاؤں گا تو

روضہ اطہر پر کھڑے ہو کر اس نظم وقصیدہ کو سناؤں گا۔ تو جب حج سے فارغ ہو گئے اور روضۂ اطہر کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر شروع کیا۔ تو امیر مکہ جو اس وقت مکہ مکرمہ کا بادشاہ تھا۔ اس کو خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس جامی کو مدینہ منورہ نہ آنے دو۔ امیر مکہ نے ان کو بلا کر روک دیا کہ آپ کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر رہنا ہے تو یہاں مکہ مکرمہ میں رہ جاؤ۔ ورنہ واپس گھر چلے جاؤ اور ان کا گھر ملک خراسان قصبہ جام میں تھا۔ یہ کچھ دن تو وہیں مکہ مکرمہ میں رہے۔ پھر فرط محبت اور جذب وشوق کی وجہ سے چھپ کر مدینہ منورہ کا سفر شروع کر دیا۔ دوبارہ امیر مکہ کو خواب میں آپ ﷺ کی زیارت مبارک ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جامی دوبارہ چھپ کو فلاں راستہ سے آ رہا ہے۔ اسے روکو۔ روضہ اطہر پر نہ آنے دو۔ امیر مکہ بیدار ہوا اپنے کارندے دوڑائے کہ اسے پکڑ کر لے آؤ۔ ان کو راستہ میں پکڑ لیا گیا اور جیل میں ڈال دیا گیا اور سختی کی گئی۔ اس پر تیسری دفعہ آپ ﷺ کی امیر مکہ نے خواب میں زیارت کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ یہ کوئی مجرم نہیں ہے کہ اسے سزا دی جائے۔ بلکہ اس نے ایک قصیدہ میں چند نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ جن کو یہاں آ کر میرے روضۂ اطہر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسا ہوا تو روضۂ اطہر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلیں گے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے لئے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اسے روکا جا رہا ہے۔ سختی وغیرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر امیر مکہ نے ان کو جیل سے نکالا اور بہت اعزاز واکرام کیا۔ (فضائل درود شریف از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ص ۱۲۵)

۳...... یحییٰ بن معین محدث جنہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ احادیث لکھیں۔ ۲۳۳ ہجری کو مدینہ منورہ کی حاضری کے بعد مکہ مکرمہ جانے لگے۔ ابھی پہلی ہی منزل پر پہنچے تھے کہ خواب میں آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ ہمارے قرب کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ واپس مدینہ منورہ لوٹ آؤ۔ یہ واپس آئے اور تین دن کے بعد فوت ہو گئے۔ (رحمت کائنات ص ۳۴۴)

۴...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس شام تشریف لے گئے اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ جو یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ مسلمان ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے کی بہت بڑی خوشی ہوئی اور ان سے فرمایا کہ میرا دل کرتا ہے کہ آپ میرے ساتھ مدینہ منورہ چلیں۔ تا کہ آپ ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضری دے آئیں۔ انہوں نے قبول کیا اور ساتھ چل پڑے اور آ کر روضۂ پاک پر حاضری دی۔

۵...... حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم اصم بلخی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور اولیاء اللہ اور صوفیہ میں سے گزرے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک صرف ایک (قبہ مکان) میں چلہ کیا تھا۔ گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ بے ضرورت کسی سے بات نہیں کی۔ جب روضہ پاک پر حاضری دی تو اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اے رب! ہم تیرے محبوب نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی حاضری اور زیارت کو حاضر ہوئے ہیں تو ہمیں نامراد اور ناکام واپس نہ کرنا۔ غیب سے آواز آئی کہ ہم نے تمہیں محبوب ﷺ کی قبر کی زیارت ہی اس لئے نصیب کی ہے کہ اس حاضری کو ہم قبول کریں۔ جاؤ ہم نے تمہارے اور تمہارے ساتھ جتنے لوگ حاضر ہوئے ہیں۔ سب کو معاف کیا۔ (فضائل حج بحوالہ زرقانی علی المواہب)

۷...... مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ جن کا نام ابن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ساٹھ سال تک میں برابر ہر سال آپ ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوتا تھا اور زیارت کر کے واپس آ جاتا تھا۔ ایک سال کسی

عارض کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا۔ اپنے مکان میں کچھ غنودگی کی حالت میں تھا کہ حضور ﷺ کی زیارت مبارک ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن ثابت رحمۃ اللہ علیہ اس دفعہ تم ہماری ملاقات کے لئے نہیں آئے۔ اس لئے ہم تم سے ملنے کے لئے آگئے ہیں۔ (فضائل حج، بحوالہ، حاوی)

۸...... شیخ احمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ صوفی کہتے ہیں کہ میں جنگل میں تیرہ ماہ تک حیران و پریشان پھرتا رہا۔ میرے بدن کی کھال بھی چھل گئی۔ یعنی خراب ہوکر اتر گئی۔ اسی حال میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور روضہ کی حاضری کی نیت سے روضہ پاک پر حاضر ہوکر آپ ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ اس کے بعد میں سو گیا۔ میں نے آپ ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ احمد تم آئے ہو۔ میں نے عرض کیا جی حضور، حاضر ہوا ہوں اور بھوکا بھی ہوں اور آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ کھولو۔ میں نے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ آپ ﷺ نے ان کو دراہم سے بھر دیا۔ میری جب آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ دراہم سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اسی وقت روٹی اور فالودہ خریدا اور کھا کر جنگل کو چل دیا۔ (وفاء الوفا فضائل حج)

اعتراض...... حیات طیبہ کا انکار کرنے والے حضرات کی سب سے وزنی دلیل اس بات پر کہ روضۂ اطہر کی نیت سے سفر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ حدیث پاک ہے: ’’عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال رسول الله ﷺ: لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد، مسجد الحرام والمسجد الاقصی، ومسجدی هذا‘‘ (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ سفر کرو تم۔ مگر تین مسجدوں کی طرف، ایک مسجد حرام، دوسری مسجد بیت المقدس، تیسری مسجد نبوی ﷺ) اس حدیث پاک کو دلیل بناتے ہوئے اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا سہارا لیتے ہوئے یہ حضرات سختی سے منع کرتے ہیں کہ روضۂ پاک کی نیت سے سفر نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ سفر کی اجازت صرف تین مساجد کی طرف ملی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور نیت سے سفر جائز نہیں ہے۔ (متفق علیہ، کذافی المشکوۃ ص، ۶۷، ۶۸)

جواب...... اساطین علماء امت کے جلیل القدر علماء حضرات نے بڑا تحقیقی جواب دیا ہے کہ دنیا کی تمام مساجد سوائے ان تین مساجد کے فضیلت کے لحاظ سے برابر ہیں۔ سب میں برابر کا ثواب ملتا ہے۔ ہاں! ان تین مساجد کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضیلت کے لحاظ سے بہت اعلیٰ مقام عطاء فرمایا ہے۔ جب سب مساجد علاوہ ان تین مساجد کے برابر ہوئیں تو ایک مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھنا یا جمعہ وغیرہ پڑھنا۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہورہا ہے کہ مہینہ کا آخری جمعہ فلاں مزار پر پڑھنے جایا جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ محض لغو اور فضول ہے۔ (فضائل حج ص ۱۲۰) یعنی اس حدیث کا تعلق صرف اور صرف اس بات سے ہے کہ اگر مساجد کی نیت سے سفر کا ارادہ ہو تو وہ تین مسجدوں کے لئے جائز ہے۔ اس کے علاوہ جائز نہیں۔ ہاں! اگر کوئی اور سفر مقصود ہو جیسے جہاد کے لئے سفر کرنا، صلہ رحمی، تعلیم وتعلیم، آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے سفر کرنا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث بالا سے ان صورتوں کا ہرگز رد نہیں ہوتا۔ یہ حدیث ساری امت کی قبروں کی زیارت سے منع نہیں کرتی۔ (رد المحتار ص ۵۳ ج ۳) اور اس جواب کی تائید خود اس مضمون کی بعض روایات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا کہ کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے۔ سوائے ان تین مسجدوں کے۔ یہ حدیث صاف اور واضح اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ مسجدوں کی طرف سفر نہ کیا جائے۔ سوائے تین مساجد کے۔ باقی اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ مسجد کے علاوہ کی طرف سفر جائز ہے۔ (فضائل حج ص ۱۲۰)

عقیدۂ فضیلت روضہ اطہر...... چھٹا اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

علماء دیوبند کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین کی وہ جگہ جو آقاء نامدار ﷺ کے جسم مبارک سے لگی ہوئی ہے۔ جہاں آپ ﷺ آرام فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کائنات کی ہر شئی سے افضل ہے۔ علی الاطلاق اس کے مقابلہ کی کوئی شئی نہیں۔ یہاں تک کہ کعبہ، عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔ یعنی جس طرح آپ ﷺ کا جسم مبارک اللہ رب العزت کی ذات کے بعد مخلوقات میں سے تمام انسانوں اور دوسری تمام چیزوں سے افضل ہے۔ بالکل اسی طرح آپ ﷺ کے بدن سے لگی ہوئی مٹی بھی دوسری تمام مخلوقات سے افضل ہے۔ یہ عقیدہ صرف علماء دیوبند کا ہی نہیں۔ بلکہ تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک سب جگہوں سے افضل ہے اور یہی عقیدہ اجماعی عقیدہ ہے اور یہی جمہور کا مذہب ومسلک ہے۔ (فضائل حج ص ۱۷۷، تاریخ مدینہ ص ۱۷۴، فتویٰ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، شائع شدہ دررسالہ بینات صفر المظفر ۱۴۲۵ھ، ص ۵۲)

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین کی وہ جگہ جو آپ ﷺ کے جسد اطہر سے لگی ہوئی ہے۔ عام جگہوں کی طرح ایک جگہ ہے۔ بیت اللہ، عرش معلیٰ سے بالکل افضل نہیں۔ قبروں میں سے کوئی قبر جنت کا باغ نہیں۔ گویا آپ ﷺ کی قبر بھی ایک عام قبروں کی طرح ہے اور قبر کی کوئی فضیلت نہیں۔ (عقائد علماء اسلام ص ۶۸۴، ندائے حق ص ۴۷۶)

منکرین حیات کے شبہات

شبہ نمبر ۱...... ہماری (منکرین حیات) کی گزارش ہے کہ یہ زمین کی افضلیت کا مسئلہ نہ تو قرآن مقدس میں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں ہے اور یہ مسئلہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی قبر مسجد نبوی میں ہے اور بیت اللہ مسجد حرام میں ہے۔ مسجد حرام کی ساری فضیلت بیت اللہ کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ نماز جو مسجد حرام میں پڑھی جائے میری مسجد میں پڑھی جانے والی نماز سے سو درجہ افضل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسجد نبوی اور مسجد حرام کی فضیلت کا یہ فرق ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے۔ زمین، زمین کا فرق بہرحال ہے۔ اب رہی عرش کی بات۔ مسجد حرام کی فضیلت بیت اللہ کی وجہ سے ہے۔ تو بیت اللہ سے عرش معلیٰ یقیناً افضل ہے۔ اگر کوئی یہ نہیں مانتا تو غلطی پر ہے۔

شبہ نمبر ۲...... جو حصہ زمین کا نبی کریم ﷺ کے وجود اقدس سے لگا ہوا ہے۔ اس کی نسبت آپ ﷺ کے ساتھ ہے اور عرش کی نسبت خود رب العالمین کے ساتھ ہے۔ اس نسبت کا لحاظ نہ کرنا محض لوگوں کی آنکھوں میں محبوب اور عاشق بننا بے عقلی ہے۔ آگے منکر حیات نے لکھا کہ جو اس چیز اور دلیل کو نہیں مانتا۔ وہ محض لوگوں کی آنکھوں میں محبوب اور عاشق بنتا ہے۔ بغیر عقل کے۔ یعنی جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ حصہ جو آپ ﷺ کے اعضاء مبارک کو مس کئے ہوئے ہے۔ وہ سب چیزوں سے حتیٰ کہ عرش سے بھی اعلیٰ ہے۔ وہ سب بغیر عقل کے ہیں۔ یعنی پاگل اور مجنون اور عقل ساڑھے چودہ سوسال بعد اللہ تعالیٰ نے ان منکر حیات کو دے دی جن کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کوئی حدیث ہمارے عقیدے پر پوری اترتی بھی ہے یا نہیں؟

شبہ نمبر ۳...... یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ آپ ﷺ کا کفن مبارک آپ ﷺ کے وجود مبارک کی طرح ابھی تک اسی طرح درست اور محفوظ ہے۔ جس طرح دفن کرتے وقت تھا۔ تو آپ ﷺ کا وجود اقدس تو کپڑے کو لگا ہوا ہے اور کپڑا زمین کو۔ قارئین کرام! مولوی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا کفن مبارک زمین کو لگا ہوا ہے۔ نہ کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک۔ جب زمین اور جسم کے درمیان کپڑا آ گیا تو زمین کو جسم نہ لگا۔ جب جسم زمین کو نہ لگا تو گویا زمین کو کوئی فضیلت بھی حاصل نہ ہوئی۔ آپ حضرات اندازہ لگائیں کہ کیسے بے عقلوں کی طرح استدلال کرتے ہیں۔

شبہ نمبر ۴...... پھر مسلمان ہونے کے ناطے خالق اور مخلوق کا فرق بھی ہر موقع پر پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اسی لئے کہا کہ: ''فرق مراتب نہ کنی زندیقی'' جو فرق نہیں کرتا وہ زندیق ہے۔ (عقائد علماء اسلام ص ۶۸۴ مولوی شہاب الدین خالدی)

منکرین حیات کے شبہات کا جواب

۱...... جہاں تک بات ہے اس چیز کی کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث اور کسی صحابی سے منقول نہیں یہ تو آپ حضرات آنے والے دلائل سے اندازہ لگائیں گے کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کے مطابق ہے یا نہیں۔

۲...... جہاں تک بات ہے اس مسئلہ کی کہ روضۂ اقدس مسجد نبوی میں ہے اور مسجد نبوی، مسجد حرام، بیت اللہ اور عرش معلی سے کم مرتبہ والی ہے۔ یہاں تک تو بات ہے بالکل ٹھیک۔ لیکن آگے جو اس نے استدلال کیا اور نتیجہ نکالا وہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب نے روضۂ اقدس کی اس جگہ کو جو آپ ﷺ کے جسم مبارک کو لگی ہے۔ باقی ساری مسجد نبوی کی جگہ کے برابر کر دیا ہے۔ حالانکہ جگہ کو عظمت و رفعت ملتی ہے۔ اس شخص کی وجہ سے جو اس میں رہتا ہے۔ آپ ﷺ چونکہ روضہ والی جگہ میں آرام فرما ہیں۔ تو اسی جگہ کو عظمت، رفعت اور بلندی مل گئی۔ باقی ساری مسجد نبوی میں چونکہ آپ ﷺ آرام فرما نہیں ہیں تو اس کی عظمت بھی اس کے مقابلہ میں نہیں۔ اسی طرح مسجد حرام، بیت اللہ اور عرش ہیں کہ وہ بھی آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ملے ہوئے نہیں تو اس جگہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ملی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب نے دونوں کو ایک کر دیا۔ جہاں سے ان کو غلطی لگی ہے۔ حالانکہ اسی عبارت کے دوران مولوی صاحب نے خود لکھا ہے کہ: ''فرق مراتب نہ کنی زندیقی'' جو مراتب کا فرق نہیں کرتا وہ زندیق ہے۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ کس نے فرق نہیں کیا؟ علماء دیوبند نے یا منکر حیات نے؟

۳...... اس نے لکھا ہے کہ عرش کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور اس جگہ کی نسبت آپ ﷺ کی طرف ہے۔ شاید کہ اس نے عرش بھی اس طرح سمجھ لیا ہے جس طرح زمین ہے کہ عرش اللہ تعالیٰ کو لگا ہوا ہے اور یہ مٹی آپ ﷺ کو لگی ہوئی ہے۔ (اگر یہی عقیدہ ہے تو پھر کفر میں کوئی شک نہیں) ورنہ بات کو اس انداز میں سمجھیں کہ زمین آپ ﷺ کے جسم مبارک کو لگی ہوئی بھی ہے اور اس کو آپ ﷺ سے نسبت بھی ہے۔ جب کہ عرش و کرسی کی نسبت تو ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگنے کا تعلق نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے تو صرف نسبت ہوئی۔ یہاں نسبت بھی ہے اور مس کرنا۔ یعنی لگنا بھی ہے۔ اس وجہ سے فضیلت بھی اسی کو حاصل ہوئی۔

۴...... چوتھی بات یہ کہی کہ زمین کو کفن والا کپڑا لگا ہوا ہے۔ نہ کہ جسم مبارک۔ چلو کفن کا اتنا درجہ مان لو کہ عرش سے بھی افضل ہے۔ جب اس کا مان لو گے تو پھر یہ بھی خود بخود مان لینا کہ اب زمین جو کفن کو لگی ہوئی ہے۔ تحت الثریٰ تک، تو وہ بھی کفن کے واسطے سے سب سے حتیٰ کہ عرش سے بھی افضل ہوئی۔ (یہ بھی نہیں مانتے تو) دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کپڑا

نیچے زمین پر بچھا کر بیٹھ جائے تو کیا اس کو زمین پر بیٹھنے والا نہیں کہو گے۔ یہ کہو گے کہ یہ صرف کپڑے پر بیٹھا ہے۔ زمین پر نہیں بیٹھا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص زمین پر کپڑے کے واسطے سے بیٹھا ہے۔ اس کا اصل زمین پر بیٹھنا ہی مقصود ہے۔ نہ کہ کپڑا پر بیٹھنا مقصود ہے۔ گویا کپڑا صرف واسطہ ہے اصل زمین مقصود ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کپڑا واسطہ ہے۔ اصل زمین ہے۔ کپڑے کے واسطہ سے زمین کو بھی وہی مرتبہ، عظمت، رفعت، بلندی اور برتری ملی ہے جو کپڑے کو ملی ہوئی ہے۔

۵...... خالق اور مخلوق کا فرق رکھنا چاہیے۔ جو نہیں رکھتا وہ زندیق ہے۔ بالکل بات صحیح لکھی ہے۔ ہمارا اس سے کوئی اختلاف نہیں۔ جب ہمارا اختلاف نہیں تو ہمیں کیوں دلیل دی؟ کیا ہم نے کسی شئ کو خالق، اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیا ہے؟ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آپ ﷺ جیسا کوئی نہیں اور غیر جاندار چیزوں میں سے آپ ﷺ سے لگی ہوئی مٹی جیسی کوئی چیز نہیں۔ ہم نے معاذ اللہ کسی کو اللہ کے برابر نہیں کیا کہ فرق نہ رکھا ہو۔

قارئین! اب آپ حضرات ان کی دوسری کتاب ندائے حق سے حوالہ پڑھیں۔ لکھتا ہے "مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة" اس حدیث کا صرف ترجمہ لکھا ہوا ہے اور آگے دوسری حدیث لکھی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا" پوری حدیث لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ کیا ہے کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چرا کرو اور ان باغوں سے فائدہ اٹھایا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جنت کے باغ کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجدیں کسی نے پوچھا کہ مسجدوں میں چرنا کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کلمات ورد کرنا "سبحان الله والحمدلله ولا اله الاالله والله اکبر" آپ ﷺ نے ریاض الجنة کی تشریح مساجد سے فرمائی ہے۔ اس تشریح کی روشنی میں اس حدیث شریف کے یہ معنی ہوئے کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان والا جو مسجد نبوی ﷺ کا خطہ ہے۔ گو مسجد نبوی تمام جنت کا باغ ہے۔ مگر یہ خطہ بہت ہی فضیلت رکھتا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس خاص خطہ میں داخل ہو کر بہ نسبت دوسرے حصۂ مسجد کے زیادہ سے زیادہ ذکر میں مشغول رہو۔ مگر بیت النبی ﷺ اب مقبرہ ہے۔ سید المقابر دنیا میں ایسا مقبرہ نہیں۔ مقبرہ میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ آگے دو حدیثیں لکھیں: "الارض کلها مساجد الا المقبرة و الحمام" (زمین ساری سجدہ کرنے کی جگہ ہے۔ مگر قبروں کی جگہ اور حمام) لیکن خصوصیت سے آپ ﷺ نے اپنی قبر کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی: "اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد" (اے اللہ میری قبر کو بت کی طرح عبادت گاہ نہ بنانا) کہ لوگ حاجت روائی، مشکل کشائی کے لئے مجھے پکارنا شروع کر دیں۔ پس ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقابر، مساجد نہیں۔ حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مساجد، ریاض الجنة ہیں۔ پس! نتیجہ نکلا مقابر ریاض الجنة نہیں۔ آگے پھر اس حدیث کو لکھ کر "القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار" اس کا ترجمہ کیا۔ پھر کہا کہ پہلے نتیجہ کی صحیح نقیض ہے۔ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوئی۔ موجبہ جزئیہ یہ حدیث ہے: "روضة من ریاض الجنة" اس سالبہ کلیہ سے ٹکرا گئی۔ جہاں تک قبر کی طرف منہ کر کے یا قبر پر نماز پڑھنے کو منع کا تعلق ہے۔ وہ قبر عرفی مراد ہے اور جہاں ثواب و عذاب کی بات ہے۔ وہاں قبر سے عالم قبر عالم برزخ مراد ہے۔ پھر لکھا یہ جو آتا ہے "مابین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة" قبری اس قبر سے مراد مقبرہ ہے۔ نہ کہ خاص قبر اطہر اور وہ مقبرہ تمام بیت النبی ﷺ ہے۔ (ندائے حق ص ۴۷۶)

عبارت کا خلاصہ اور مطلب

قارئین کرام! مؤلف ندائے حق اپنا اور اپنے مقتدیوں کا عقیدہ یہ بتانا چاہتا ہے۔ قبرستان میں جیسے ہر قبر والے کی قبر اس کا مقبرہ ہے۔ قبر کی جگہ۔ اسی طرح آپ ﷺ کی قبر مبارک بھی مقبرہ یعنی قبر کی جگہ ہے۔ لیکن ہے سب کا سردار، سید المقابر اور مساجد سب جنت کا باغ ہیں۔ تو مسجد نبوی بھی جنت کا باغ ہوئی۔ خصوصا وہ جگہ جو آپ ﷺ کی قبر اور منبر کے درمیان ہے نہ کہ خود آپ ﷺ کی قبر جنت کا باغ ہے۔ اب آگے نتیجہ نکلا کہ مساجد جنت کا باغ ہیں۔ نماز پڑھو۔ مقابر مساجد نہیں۔ یعنی قبریں مسجدیں نہیں۔ جب مسجدیں نہیں تو جنت کا باغ بھی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر کی جگہ اور جو آپ ﷺ کو مٹی لگی ہے۔ وہ بھی جنت کا باغ نہیں۔ چہ جائے کہ عرش کے برابر ہو۔ دوسری دلیل یہ دی ہے کہ ما بین قبری سے مراد مقبرہ ہے اور مقبرہ سے مراد بیت النبی ﷺ یعنی سارا روضہ اقدس ہے نہ کہ صرف آپ ﷺ کی قبر والی جگہ۔ جہاں آپ ﷺ کا جسم مبارک لگا ہوا ہے۔ جب قبر سے مراد مقبرہ ہے تو جو جگہ مقبرہ اور روضہ اقدس اور منبر کے درمیان ہے۔ وہ جنت کا باغ ہے نہ کہ خود روضۂ اقدس اور مقبرہ۔ جب یہ جنت کا باغ نہ ہوا تو عرش سے افضل تو دور کی بات ہے۔ خود جنت کی زمین کے ساتھ مقابلہ بھی نہیں۔ یعنی کسی شے کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں۔ صرف ایک عام جگہ ہے جس طرح دوسروں کی قبر کی جگہ ایک عام جگہ ہے۔ یہ منکرین حیات کا عقیدہ اور ان کا استدلال ہے۔ معاذ اللہ!

فائدہ! جب آپ حضرات نے علماء دیوبند کا عقیدہ اور ساتھ ساتھ منکرین حیات کا عقیدہ بھی پڑھا۔ فرق تو آپ نے خود سمجھ لیا ہوگا کہ ان دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن انہوں نے جو حدیث سے غلط استدلال کیا ہے۔ صرف اپنی دانست کے مطابق کیا ہے۔ اگر چہ لائق توجہ نہیں کہ اس کا جواب آئے، پھر بھی عوام کو باخبر کرنے کے لئے اس کا جواب مختصر ذکر کرتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ! آپ کے سامنے علماء دیوبند کے عقیدے کے مطابق دلائل ذکر کریں گے۔

شبہات کا جواب...... پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مطلب لینا کہ ساری مسجد نبوی جنت کا باغ ہے۔ خصوصا منبر اور روضۂ اقدس کے درمیان والی جگہ۔ اس جنت کے باغ میں چرو، ذکر و، وغیرہ! باقی کوئی خصوصیت نہیں۔ درمیان والی جگہ کی۔ گویا صرف عبادت اور اطاعت کی شرافت کا بیان کرنا مقصود ہے۔ جو جنت میں پہنچانے کا سبب ہیں اور رحمت کے نزول اور سعادت کے حصول کا سبب ہے اور بس! یعنی جس طرح والدین کی خدمت کرنا اور جہاد کرنا۔ یہ جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ ایسے ہی منبر اور روضۂ اقدس کے درمیان والی جگہ میں ذکر کرنا جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ باقی کوئی فضیلت نہیں۔ اس قول کو علماء نے بالکل مردود کمزور، ضعیف کہا ہے۔ جیسے حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جذب القلوب الی دیار المحبوب میں لکھا ہے کہ یہ قول نہایت کمزور ہے۔ کیونکہ نزول رحمت اور داخلہ جنت اور اس قسم کے دوسرے ثواب کے کام جیسے مسجد نبوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح تمام مساجد اور جملہ خیر کے حصے سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اس قول کو اختیار کرنے کی صورت میں مسجد نبوی کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ اس حدیث کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ حجرہ اور منبر کے درمیان کی جگہ حقیقت میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ کل قیامت والے دن اس جگہ کو فردوس بریں میں داخل کیا جائے گا۔ باقی زمین کی طرح فنا نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔ اسی پر علماء کی جماعت کا اتفاق ہے۔ اکثر علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (تاریخ مدینہ اردو ترجمہ جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۷۳)

دوسرے شبہ کا جواب...... "مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة" بیت النبی ﷺ (یعنی قبر سے) لے کر منبر تک یہ جگہ صرف جنت کا باغ ہے۔ جو درمیان والی ہے نہ کہ خود روضہ اقدس کی جگہ۔ یعنی حدیث میں روضہ اقدس کو جنت میں شامل نہیں فرمایا۔ اس کو جنت نہیں کہا تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ "ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة" کہا ہے۔ اس کی تشریح حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ہے کہ جنت کے باغ تو بہت سارے ہیں۔ لیکن یہ جگہ بھی جو درمیان میں ہے۔ ان باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یہ جنت کا باغ کیوں بنی؟ اس لئے کہ آپ ﷺ اکثر و بیشتر اسی سے گزرتے تھے۔ اسی جگہ کو آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کے تلوے لگے ہیں۔ اس لئے جہاں آپ ﷺ کے تلوے لگ گئے۔ وہ جنت کا باغ بن گئے۔ جہاں حضرت محمد ﷺ خود موجود ہیں۔ وہ اعلیٰ جنت ہے۔ اس درمیان والی جگہ سے بھی۔ کیونکہ وہاں بھی آپ ﷺ کے پاؤں مبارک لگے ہیں اور یہاں آپ ﷺ خود آرام فرما ہیں۔ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روضہ اقدس سے بڑی جنت تو ہو ہی نہیں سکتی۔ (منقول از تسکین الاذکیا ص ۴۸۶، بحوالہ مشکل الآثار از امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ)

منکرین حیات روضہ اقدس کو جنت ماننے سے کیوں انکار کرتے ہیں؟

آپ حضرات نے یہ بھی غور کیا ہے کہ اس خطہ مبارک کو جنت کیوں نہیں مانتے؟ کمزور ضعیف قول کیوں لیتے ہیں؟ کس وجہ سے غلط تاویلیں کرتے ہیں؟ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار کرنے کے لئے سب حیلے بہانے کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس روضۂ اقدس کو بھی جنت مان لیں یا جنت سے بھی اعلیٰ مان لیں۔ تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جنت میں تو سب زندہ ہوتے ہیں تو آپ ﷺ بھی جنت میں زندہ ہوئے۔ عقیدہ حیات النبی ﷺ ثابت ہوتا ہے۔ جس سے یہ خوف کھاتے ہیں۔ اس لئے اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے قول کو چھوڑ کر دوسرے ضعیف اور باطل اقوال کی طرف بھاگتے ہیں۔

جسد نبوی ﷺ سے متصل زمین کے ٹکڑے کا حکم دلائل کی روشنی میں

آپ حضرات اب دلائل سے علماء دیوبند، اہل سنت کا عقیدہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ الحمد للہ ہم اہل سنت والجماعۃ دیوبندیوں کا عقیدہ عین شریعت اسلامیہ کے مطابق ہے۔

دلیل نمبر ۱...... روضۂ اطہر کی فضیلت حدیث سے مستنبط ہے۔ حدیث: "قال رسول الله ﷺ ان کل نفس تدفن فی التربة التی خلقت منها" (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک ہر انسان اسی مٹی میں دفن کیا جائے گا۔ جس مٹی سے پیدا کیا گیا ہے) (رواہ الحاکم فی المستدرک، معارف السنن ص ۲۴۳ ج ۳)

فائدہ! جب اس حدیث سے وضاحت کے ساتھ یہ علم ہوگیا کہ ہر انسان کو اسی جگہ میں دفن کیا جائے گا جس جگہ سے مٹی لے کر اس کے جسم کو بنایا گیا ہے۔ یہ بات بھی قطعی اور یقینی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ جنت کی مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے پسینہ مبارک خوشبودار ہوتا ہے اور جنت والے جسم کو کبھی مٹی نہیں کھاتی۔ زمین پر حرام ہے کہ اجسام انبیاء علیہم السلام کو کچھ کہے۔ جب جسم مبارک جنت کی مٹی سے بنے۔ تو جنت کی مٹی والی جگہ میں ہی جائیں گے۔ تو گویا ہر نبی خصوصاً آپ ﷺ جنت کی مٹی والی جگہ میں آرام فرما ہیں۔ تو روضہ اقدس کا خود بخود جنت ہونا ثابت ہوگیا۔ تو جنت میں زندہ انسان ہوتے ہیں نہ کہ مردہ۔ لہٰذا تمام نبی خصوصاً آپ ﷺ اپنی اپنی جنت میں زندہ ہیں۔

دلیل نمبر ۲...... حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ اگر آپ ادلہ اربعہ میں سے صرف سنت سے یہ ثابت کرنا چاہیں کہ آپ ﷺ کے جسد اطہر سے لگی ہوئی مٹی کی فضیلت ثابت ہے تو اسی حدیث سے ثابت کریں۔ اسی حدیث کو دلیل بنائیں۔ اس حدیث کو زمین کی فضیلت پر دلیل بنانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمین آپ ﷺ کے بابرکت بدن کا ایک جز ہے اور بلاشبہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدان مبارکہ اور خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ کا بدن مبارک کی بنیاد جنت سے ہے اور بے شک جنت کا ایک ایک ذرہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ افضل ہے۔ (معارف السنن ص ۳۳۵ ج ۳) خلاصہ یہ ہے کہ یہ زمین آپ ﷺ کے بدن کا جزو ہے اور آپ ﷺ کا بدن مبارک ہر شئی سے حتیٰ کہ عرش و کرسی سے افضل ہے تو جو چیز آپ کا جز ہے۔ تو وہ بھی ہر شے، عرش و کرسی سے بھی افضل ہوئی اور بدن مبارک جنت کی زمین سے بنا ہے۔ تو جنت کا ذرہ ذرہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ کیونکہ بدن مبارک ذرہ ذرہ سے افضل ہے۔ جنت بھی ذرہ ذرہ سے افضل ہوئی۔ گویا خود جنت کو جو فضیلت اور درجہ ملا ہے۔ وہ بھی آپ ﷺ کے بدن مبارک سے ملا ہے۔ یہ جنت کی خوش قسمتی ہے کہ اس کی مٹی سے آپ ﷺ کے جسم مبارک کو بنایا گیا ہے۔ نہ کہ یوں کہیں کہ جنت کی وجہ سے آپ ﷺ کو فضیلت اور مرتبہ ملا ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے ''لولاک لما خلقت الجنة '' مسند فردوس، دیلمی۔ دوسری حدیث: ''فلو لا محمد ما خلقت آدم و لا الجنة و لا النار '' (حاکم واقرہ السبکی منقول از ملفوظات کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۱۱) اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر محمد ﷺ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی جنت اور جہنم کو پیدا کرتا۔ یعنی ہر شئی کو جو فضیلت حاصل ہوئی۔ وہ آپ ﷺ کی وجہ سے ہے۔ تو جب دوسری چیزوں کو حتیٰ کہ جنت کو بھی آپ ﷺ کی وجہ سے سارا رتبہ ملا، تو کیا خیال ہے جو مٹی خود آپ ﷺ کے جسد اطہر سے ملی ہوئی ہے۔ وہ جنت سے کم ہوگی؟ نہیں! بلکہ سب سے اعلیٰ و افضل ہوگی۔

دلیل نمبر ۳...... قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابو الولید رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو حصہ زمین کا آپ ﷺ کے اعضاء مبارکہ سے متصل ہے۔ وہ ہر شئی سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔ بلکہ علامہ تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ الحنبلی سے نقل کیا ہے کہ بے شک وہ زمین کا حصہ عرش سے بھی افضل ہے اور عرش سے افضل ہونے کی تصریح کی ہے کہ ظاہر اور متعین بات یہ ہے کہ وہ مٹی آپ ﷺ کے جسد اطہر کا جزو ہونے کی وجہ سے اور مس کرنے کی وجہ سے زمین و آسمانوں سے افضل ہے۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۱۰۱، العقود الدریہ ص ۱۰۳ ج ۴)

دلیل نمبر ۴...... حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول: ''و قال مالک بن انس: ان البقعة التی فیها جسد النبی ﷺ افضل من کل شے حتی الکرسی و العرش '' (حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں آپ ﷺ کا جسم مبارک موجود ہے۔ ہر شئے سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ عرش و کرسی سے بھی) (معارف السنن ص ۳۲۳ ج ۳)

دلیل نمبر ۵...... شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول: فرماتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مکہ مکرمہ حرم محترم ہونے کی وجہ سے بالاجماع مدینہ سے افضل ہے۔ البتہ آپ ﷺ کے جسم مبارک سے لگی ہوئی مٹی نہ صرف مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔ بلکہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ (شرح الشفاء ص ۱۶۲ ج ۳)

دلیل نمبر ۶...... علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ شامی رحمۃ اللہ علیہ میں یہ بات لکھی ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ راجح قول کے مطابق۔ لیکن زمین کا وہ حصہ جو آپ ﷺ کے جسم مبارک کو لگا ہوا ہے۔ وہ مطلقاً افضل ہے

کعبہ، عرش وکرسی سے بھی۔ پس جو حصہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کو لگا ہوا ہے وہ مکہ مکرمہ سے بلکہ تمام روئے زمین سے بالاجماع افضل ہے۔ (فتاویٰ شامیہ ص ۶۲۶ ج ۲)

دلیل نمبر ۷...... علامہ شیخ السمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمین کے ہر شئے سے افضل ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ جو زمین آپ ﷺ کو مس کئے ہوئے ہے۔ (وفاء الوفا ص ۲۲ ج ۱)

دلیل نمبر ۸...... جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ: اس فتویٰ میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ لکھی ہے کہ زمین کا وہ حصہ جو آپ ﷺ کے جسم مبارک سے متصل ہے۔ اس کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ کعبہ، عرش وکرسی کو اللہ تعالیٰ سے محض نسبت ہے۔ لیکن ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ سے مس کا تعلق نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اور نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو روضہ اطہر سے یعنی اس کی مٹی سے مس کا تعلق ہے۔ لہٰذا اس مبارک مٹی کو تمام چیزوں سے فضیلت حاصل ہے۔ (بینات ص ۵۶، صفر المظفر ۱۴۲۵ھ)

اعتراض...... منکرین حیات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ زمین کی افضلیت کا مسئلہ نہ تو قرآن میں ہے۔ نہ ہی کسی صحیح حدیث میں۔ نہ یہ مسئلہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (عقائد علماء اسلام ۶۸۳) جب کہ عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے حدیث متواتر کا ہونا ضروری ہے۔ جب یہ کہیں سے ثابت نہیں تو عقیدہ بھی نہیں بنا سکتے۔

جواب...... اس اعتراض کا جواب مذکورہ بالا فتویٰ رسالہ بینات میں دیا ہوا ہے۔ بعینہ نقل کئے دیتا ہوں۔ لکھتے ہیں کہ یہ بات واضح ہے کہ اسلام کے عقائد کو ثابت کرنے کے لئے حدیث متواتر کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ مذکورہ بالا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا احادیث صحیحہ سے مستنبط ہے اور اجماعی عقیدہ ہے۔ اس لئے اس کا بھی وہی حکم ہوگا۔ اس لئے کہ امت مسلمہ کے صلحاء ومحدثین کے ہاں تلقی بالقبول کے بعد احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ عقیدہ قابل قبول ہے۔ البتہ اس عقیدے کے انکار کرنے والے کو مبتدع کہیں گے۔ لیکن انکار کی صورت میں ایسا شخص کامل مومن نہیں رہے گا۔ مذکورہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور امت کے بڑے بڑے علماء اس مسئلہ پر متفق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء دیو بند مذکورہ دلائل کی روشنی میں اس مسئلہ پر مستحکم اور قائم ہیں۔ بلکہ علماء متاخرین اس پر اجماع نقل کر چکے ہیں اور یقیناً یہ اجماع غلو نہیں ہے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کا تقاضا بھی یہی ہے اور آپ ﷺ کی نسبت سے آپ ﷺ کے جسد مبارک کے ساتھ مس کی ہوئی مٹی کو بھی یقیناً یہ فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا جسد مبارک عرش وکرسی سے افضل ہے۔ اس کو غلو کہنا اور عقیدہ شرکیہ کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں۔ اس سے اجتناب اور بچنا ضروری ہے۔ فقط: واللہ علم بالصواب! اس فتویٰ پر آٹھ علمائے کرام اور مفتیان عظام کے دستخط ہیں۔ جس میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالمجید دین پوری رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔ (بینات ص ۵۸)

دلیل نمبر ۹...... علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مابین حجرتی و مصلائی روضة من رياض الجنة" میرے حجرے اور مصلے کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے۔ مصلیٰ سے مراد مسجد نبوی ﷺ کا مصلیٰ ہے جو حجرہ شریف سے قریب ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ یہاں حقیقی معنی مراد ہیں کہ درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس اعتبار سے کہ کل قیامت والے دن اس جگہ کو فردوس بریں میں داخل کر لیا جائے گا اور تمام زمین کی طرح فنا اور برباد نہ کیا جائے گا۔ ابن ابی حمزہ جو علماء مالکیہ میں بہت بڑے عالم

ہیں فرماتے ہیں کہ اس کا احتمال ہے کہ یہ حصہ زمین کا بعینہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو اور وہاں سے دنیا میں بھیج دیا گیا ہو جیسا کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کی شان میں ہے اور قیامت کے قائم ہونے کے بعد اس کو اپنے اصل مقام پر پہنچا دیا جائے گا اور نزول رحمت و استحقاق جنت اس مقام کے مرتبہ کی عظمت کے لئے لازمی ہے۔

درحقیقت یہی معانی ان تمام معنوں کے مقابلہ میں جامع ہے جو دوسرے لوگوں نے بیان کئے ہیں اور بغیر تاویل اور مجاز کے ظاہری معنی لینے میں آپ ﷺ کی عظمت اور کمال مرتبہ ہے۔ باقی ثواب کی زیادتی اور فضیلت ثواب پر استدلال کرنا منع ہے۔ اس کے متعلق آپ ﷺ نے خبر دی اور آپ ﷺ کی خبر کے مقابلے میں کوئی دلیل قبول نہیں کی جاسکتی۔ جس طرح آپ ﷺ نے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے متعلق خبر دی ہے کہ حقیقت میں جنت سے اترے ہیں۔ بالکل اسی طرح اس بات کی بھی آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ روضۂ اطہر اور منبر کے درمیان والی جگہ جنت کا باغ ہے۔ اگر مقام ابراہیم اور حجر اسود کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ تو اس کی بھی بالکل کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ اگر مقام ابراہیم اور حجر اسود کے حقیقی معنی لئے جائیں تو ہمیں یہاں بھی ایسا کرنا چاہیے کہ حقیقی معنی لیں۔ فرق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسے حجر اسود اور مقام ابراہیم پر یہ ایمان لانا واجب ہے کہ جنت سے اترے ہیں۔ ایسے ہی یہاں ایمان لانا واجب ہے کہ جنت سے یہ جگہ اتری ہے۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو ترجمہ بنام تاریخ مدینہ ص ۱۷۴)

دلیل نمبر ۱۰...... حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی روایت (مابین بیتی والی) میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے اور اسی ارشاد نبوی ﷺ کی سب سے زیادہ صحیح شرح میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ زمین کا ٹکڑا جنت ہی سے آیا ہے۔ پھر جنت کی طرف اٹھایا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ حقیقی طور پر جنت کا ایک باغ ہے۔ (فیض الباری)

رفیق اعلیٰ کا مطلب

حضرات ناظرین! آپ ﷺ کا دنیا سے جانے کا وقت جب قریب آیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ بار بار یہ الفاظ دہراتے تھے ''اللھم الرفیق الاعلیٰ، اللھم فی الرفیق الاعلیٰ'' اور ایک حدیث میں یوں الفاظ بھی آتے ہیں: ''اللھم اغفرلی وارحمنی، والحقنی بالرفیق (صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ)'' اور بالرفیق کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔ اب رفیق اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟ اس کی حقیقت خود آپ ﷺ نے بتائی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ مرض وفات میں فرمایا کرتے تھے: ''اللھم الرفیق الاعلیٰ، مع الذین انعمت علیھم من النّبیین والصدیقین والشھداء والصالحین'' (متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح، باب وفات النبی ﷺ) یعنی اے اللہ! مجھے ان رفیقوں سے ملا دے جن پر تو نے فضل و انعام کیا۔ نبین، صدیقین، شہداء اور صالحین جو اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی وفات پر فرمایا: ''یاابتاہ اجاب ربأ دعاہ، یاابتاہ من جنۃ الفردوس ماواہ'' (صحیح بخاری، باب مرض النبی ﷺ) (اے میرے باپ! اللہ نے آپ کو بلایا۔ آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول فرمائی۔ اے میرے اباجان! جنت الفردوس آپ (ﷺ) کا ٹھکانہ ہے) ماویٰ کا معنی ٹھکانہ۔ مقام۔ سکونت۔ (لغات القرآن ص ۲۷۴ ج ۵)

امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ماویٰ کا معنی کیا ہے۔ رہنے کی جگہ۔ (مفردات القرآن)

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی کہ یا اللہ مجھے اعلیٰ علیین میں رہنے والے رفیقوں کے ساتھ ملا دے۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کی دعوت ''الی الجنۃ'' کو قبول فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعاء ''الحاق بالرفیق'' کو قبول فرمایا۔ آپ ﷺ کو وفات کے بعد جنت الفردوس میں داخل کر دیا۔ اب جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ۔ آپ ﷺ کا مقام سکونت ہے اور یہی رفیق اعلیٰ ہے۔ رفیق اعلیٰ کی تعیین ہوگئی کہ رفیق اعلیٰ وہ مقام ہے۔ جہاں آپ ﷺ نے رہائش اختیار کی ہوئی ہے اور جہاں آپ ﷺ نے رہائش اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ ہے روضہ اقدس۔ لہٰذا روضۂ اقدس ہی رفیق اعلیٰ ہے۔ کیونکہ اعلیٰ کا معنی زیادہ شان والی چیز اور آپ ﷺ کے روضہ سے زیادہ شان والی چیز پوری کائنات میں نہیں ہے۔ جیسے مکین ویسے مکان۔ آپ ﷺ کی ذات جیسا کوئی نہیں تو آپ ﷺ کے مکان جیسا مکان بھی کوئی نہیں۔ اس کا مقام تو عرش سے بھی زیادہ ہے۔ تو اسی کو رفیق اعلیٰ مانیں گے۔ جب روضہ اقدس رفیق اعلیٰ ہوا تو آپ ﷺ نے جو رفیق اعلیٰ کی دعا کی تھی وہ روح اور جسم دونوں کے لئے تھی۔ نہ کہ صرف روح کے لئے یا صرف جسم کے لئے۔ جب دونوں کے لئے دعا ثابت ہوگئی تو دونوں اکٹھے رفیق اعلیٰ جنت الفردوس میں پہنچے ہیں۔ ایسے بالکل نہیں ہوسکتا کہ آدھی دعا قبول ہوئی کہ روح تو علیین میں چلی جائے اور جسم ویسے عام جگہ میں رہے۔ جیسے منکرین حیات عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر یوں کہا جائے جیسے منکرین حیات کہتے ہیں تو پھر آدھی دعاء قبول ہوتی ہے۔ آدھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ آدھی دعاء قبول کریں۔ آدھی نہ کریں۔ جب دعاء پوری قبول تو دونوں جہاں ہوں گے، اکٹھے ہوں گے اور یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک روضۂ اقدس میں ہے اور کہیں نہیں۔ تو روح بھی جسم کے ساتھ ہوگی، کہیں اور نہیں ہوگی۔ جب روح جسم کے ساتھ ہوئی تو دو باتیں قطعی طور پر ثابت ہوگئیں کہ رفیق اعلیٰ جنت الفردوس یہی روضۂ اقدس ہے۔ جب سب کچھ روضہ اقدس ہے تو حیات النبی ﷺ خود بخود ثابت ہوگئی۔ اب روح رفیق اعلیٰ روضہ اقدس میں ہوگی۔ اس کا تعلق علیین کے ساتھ ہوگا جو کہ جنت میں علیین ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے واقعی طور پر نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ کی روح مبارک جنت میں علیین میں رہنے والوں سے ملنے چلی جاتی ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ کی روح اقدس کو مطلق اجازت ہے۔ جہاں مرضی جائے۔ لیکن جہاں جائے گی تعلق جسم کے ساتھ ہوگا۔ جیسے سونے والے کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے۔ قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔

عقیدۂ توسل......ساتواں اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

علماء دیوبند کا عقیدہ یہ ہے کہ دعاء مانگنے والا اپنی دعا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو کسی نیک بندے کا وسیلہ دے تو جائز ہے۔ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، یا شہداء اسلام یا اولیاء کرام کا وسیلہ دینا۔ یعنی یوں دعاء کرنا کہ یا اللہ! میں فلاں بزرگ یا ولی یا نیک آدمی کا تجھے واسطہ دیتا ہوں کہ اس کے واسطے سے، اس کے وسیلے سے، میری دعاء قبول فرمالے اور میری تمام مشکلات کو حل فرمادے۔ اسی طرح یہ دعاء کرنا کہ یا اللہ! فلاں کی برکت، فلاں کے طفیل، فلاں کی حرمت سے، میری تمام جائز ضروریات کو پورا فرما۔ اس طرح نیک اعمال کو بھی وسیلہ بنانا بالکل جائز ہے۔ بلکہ

دعاء کی قبولیت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مستحسن اور افضل ہے اور دعا کے جلدی مقبول ہونے کا قوی سبب ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۲۲، المہند علی المفند ص ۱۲، معارف القرآن ص ۱۰۰ ج ۱، فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۳ ج ۱، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۶۱ ج ۵)

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات کا عقیدہ توسل کے بارہ میں یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کا وسیلہ پکڑنا۔ ان کی وفات کے بعد یہ شرک اور بدعت ہے۔ وسیلہ سے دعاء کرنا ان کے نزدیک مشرکین کا عمل ہے۔ جیسے مولوی طاہر پنج پیری لکھتا ہے:

۱...... ''یقال برکۃ فلاں کلمۃ الشرک لا یصح بوجہ (العرفان ص ۱۳۸)'' اس طرح دعا کرنا کہ یا اللہ فلاں کی برکت کے واسطہ سے میری دعا قبول کر یہ کلمہ شرک ہے۔ کسی صورت میں جائز نہیں۔

۲...... ''سب سے بڑا ابد بخت بدنصیب پاگل ہے جو نیک بندوں کے واسطہ سے وسیلے سے سوال کرتا ہے۔'' (شرک کیا ہے ص ۱۹)

۳...... ''عمل مشرکین و مبتدعین یتوسلون بھم الی اللہ لکشف المشکلات'' یعنی نیک لوگوں کے ساتھ وسیلہ پکڑنا مشرکین، بدعتیوں کا عمل ہے۔ اس لئے وسیلہ پکڑتے ہیں تا کہ مشکلات حل ہوں۔ یہ سب کام مشرکین والے ہیں۔ (المسلک المنصور ص ۱)

۴...... ''دعاء میں لفظ بحق، بجاہ، بحرمت، ببرکت کا استعمال بدعت ہے۔'' (اتباع الحق ص ۷۸)

۵...... ''وسیلہ پکڑنا شرک کا چور دروازہ ہے۔'' (پیش لفظ حقیقت وسیلہ، ص ۱)

۶...... ''ان ھذا التوسل عین الشرک (الصواعق المرسلہ ص ۱۲۷)'' وسیلہ پکڑنا عین شرک ہے۔

۷...... ''ابلیس کا پہلا وسوسہ کہ انبیاء وصالحین کی قبروں پر کھڑے ہو کر ان کے وسیلے سے مانگا کرو۔'' (مولوی حسین علی، ص ۳۰۳)

۸...... ''بحق فلاں، بحرمت فلاں، بطفیل فلاں، وسیلہ غیر شرعیہ ہے قائلین توسل مبتدعین ہیں۔'' (البرہان الجلی ص ۲۰۰)

۹...... ''توسل بالذات کلام الٰہی کی تردید کرتے ہیں۔'' (کشف الحجاب ص ۹۳)

۱۰...... ''اس زمانہ میں وسیلہ پکڑنے والے پہلے مشرکین کے مشابہ ہیں۔'' (البصائر ص ۲۳۸، مولوی طاہر پنج پیری)

قارئین! ان دس اقوال پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ ان کی کتابوں میں جہاں کہیں توسل کا مسئلہ ہے اسی میں یہی کچھ لکھا ہے کہ وسیلہ پکڑنا شرک ہے۔ بدعت ہے۔ حرام و ناجائز ہے۔

منکرین توسل اور عبارات اکابر

۱...... حضرت مولانا قاضی شمس الدین لکھتے ہیں کہ اس طرح سے دعا کرنا کہ یا اللہ اس بزرگ کے طفیل میرا فلاں کام کر دے۔ یہ مباح ہے۔ یعنی جائز ہے۔ (مسالک العلماء ص ۲۱۵)

۲...... حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔ مولانا غلام اللہ خان، سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کے استاذ و پیر تھے۔ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے دورۂ حدیث گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تھا۔ تصوف میں یہ حضرت مولانا خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے

صاحبزادے حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بیعت کی اجازت بھی دی تھی تو مولانا شیخ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید محمد علی اکبر شاہ دہلوی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا تھا کہ حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے ''ملفوظات'' جمع کرو۔ انہوں نے دن رات ایک کر کے ملفوظات جمع کئے تو حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ آپ ملفوظات پر نظر ثانی کریں۔ پھر بعد میں نام رکھا گیا فوائد عثمانی اس میں ملفوظات، مکتوبات، معمولات، عبادات، کرامات، خلفاء کے حالات اور تصوف کے مسائل وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے نظر ثانی بھی کی اور جگہ بجگہ اس پر حاشیہ بھی تحریر کیا اور آخر میں تصدیق نامہ بھی لکھا۔ اپنا عقیدہ اور اپنے شیخ کا عقیدہ بھی لکھتے ہوئے فرمایا کہ مجھے میرے شیخ نے حکم دیا ہے کہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ شجرہ پڑھا کرو اور بزرگوں کے وسیلہ کے ساتھ دعاء کرو۔ دوسری جگہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دعا میں وسیلہ پکڑنا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے۔'' (البیان فی تفسیر القرآن ص ۶۸) تیسری جگہ یہ بات لکھی کہ: ''کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے وسیلہ سے طلب کرنا، بجا اور عین رضاء ہے۔'' اے بھائی! تو جان لے کہ یا رسول اللہ بطور محبت اور توسل کے کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے۔ (بلغۃ الحیران ص ۳۵۴)

خلاصہ یہ کہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا توسل کے بارے میں اہل سنت والجماعت والا مسلک ہے تو لامحالہ جو ان کے مرید خاص ہیں اور اشاعت التوحید والسنۃ جو دور حاضر میں چل رہی ہے اس کے موجد اول ہیں۔ تو ان کے عقیدے بھی اپنے شیخ والے ہونے چاہئیں۔ ان کا مسلک بھی وہی ہونا چاہیے۔ تبھی تو بیعت کا اور شرف تلمذ کا فائدہ ہوگا۔ کیونکہ استاذ و شیخ بنانے کا فائدہ تب ہوتا ہے۔ جب تلمیذ و مرید اپنے شیخ و استاذ کا ہم عقیدہ و ہم مشرب ہو۔ ورنہ کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ ضلالت و گمراہی ہے۔ اب مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مشائخ و اساتذہ حضرات سبھی صحیح العقیدہ تھے تو جو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انہیں بھی صحیح العقیدہ ہونا چاہیے۔ ورنہ صاف کہہ دیں کہ ہمارا ان سے کسی طرح کا کوئی تعلق و علاقہ نہیں۔ یوں عوام تمہارے دھوکہ سے بچ جائے گی۔

قارئین کرام! جب آپ نے عقائد دونوں فریقوں کے پڑھ لئے تو اب دلائل سے پہلے کچھ فوائد سمجھیں۔

فائدہ! چونکہ بعض حضرات افراط کے راستہ پر چلتے ہوئے استعانت یعنی مدد طلب کرنا غیر اللہ سے جائز ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس کی روک تھام کے لئے تفریط کے راستہ کو اپناتے ہوئے منکرین حیات نے استعانت لغیر اللہ کی طرح توسل بالانبیاء، والاولیاء کو ناجائز، شرک اور بدعت کہہ دیا۔ حالانکہ یہ دونوں طریقے صراط مستقیم کے خلاف ہیں۔ صحیح راستہ و صحیح عقیدہ یہ ہے کہ توسل بالکل جائز ہے اور استعانت کی کئی صورتیں بنتی ہیں۔ ان میں سے کچھ جائز اور کچھ ناجائز ہیں۔ جن کی تفصیل کے لئے پہلے آپ حضرات توسل کی حقیقت اور استعانت کی حقیقت اور تفصیل کو ذہن نشین کر لیں۔ پھر انشاء اللہ راہ اعتدال اور راہ مستقیم کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

توسل کی حقیقت

پہلا قول...... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس شخص کا جتنا مرتبہ ہوتا ہے۔ اس شخص پر اس کے مرتبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ وسیلہ کا یہ مطلب ہوتا

ہے کہ اے اللہ جتنی رحمت اس پر متوجہ ہے اور جتنا قرب اس کا تیرے نزدیک ہے۔اس کی برکت سے اس کے طفیل مجھ کو فلاں چیز عطاء فرما۔کیونکہ اس شخص سے تعلق ہے۔اسی طرح اعمال صالحہ کا وسیلہ دینا بھی جائز ہے۔اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ اے اللہ! اس عمل کی جو قدر تیرے نزدیک ہے۔ہم نے اس عمل کو کیا ہے۔اب اس عمل کی برکت سے، وسیلہ سے ہم پر رحمت فرما۔آمین! (انفاس عیسیٰ ص ۱۸)

دوسرا قول...... دعا میں توسل کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں نیک بندے پر آپ کی رحمت اترتی ہے اور ہم اس نیک بندے سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ہم پر بھی رحمت فرما۔ (نشر الطیب ص ۲۴۸)

تیسرا قول...... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ترین ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدۂ محبت ہے۔جیسے حدیث میں آیا ''المرء مع من احب'' پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں۔پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء کرام کے ساتھ ظاہر کر کے اس پر ثواب اور رحمت مانگتا ہے اور اولیاء سے محبت اور عقیدت پر ثواب اور رحمت کا ملنا نصوص سے ثابت ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۴۱)

قارئین! یہ ہے توسل کا مطلب۔اب آپ بتائیں کہ اس طرح اگر کوئی دعا کرے تو اس میں شرک کی کونسی بات ہے؟ اور مشرکین والا عمل کیسے ہے؟ اگر توسل سے دعا کرنا شرک و بدعت ہوتا تو حضرات علماء دیوبند اور چودہ صدیوں کے محققین اسے شرک اور ناجائز قرار دینے میں آگے آگے نظر آتے۔کیونکہ ان کی تحقیق جیسے ہوتی ہے کسی مسلک والوں کی تحقیق نہیں ہوتی۔ان کا جائز قرار دینا توسل کو اس بات پر دلیل ہے کہ یہ مسئلہ بلاشک وشبہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔اب توسل کو استعانت پر قیاس کر کے مطلقاً ناجائز قرار دینا یہ ناانصافی ہے۔غایت درجہ کی جہالت ہے یا اسی طرح استعانت کو توسل پر قیاس کر کے مطلقاً جائز قرار دے دینا۔یہ بھی جہالت وگمراہی ہے۔اس لئے کہ توسل جائز ہے اور قرآنی آیات واحادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تعامل سلف سے ثابت ہے۔جب کہ استعانت کی کئی صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے۔

استعانت کی تعریف

استعانت کا لفظی معنی ہے مدد طلب کرنا۔اصطلاحی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق سے مدد طلب کرنا۔

اس کی پانچ صورتیں ہیں۔دو صورتیں کفر اور شرک ہیں اور دو صورتیں حرام ہیں اور ایک صورت جائز ومباح ہے۔

کفر اور شرک والی دو صورتیں

پہلی صورت...... اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی شیٔ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر مدد چاہنا کفر اور شرک ہے۔یعنی یہ اعتقاد رکھنا کسی کے بارہ میں کہ یہ کسی کا محتاج نہیں۔قادر مطلق ہے۔جب چاہے۔جو چاہے کر سکتا ہے۔یہ کفر وشرک ہے۔جس اجتناب فرض ہے۔

دوسری صورت...... کسی کو قادر بعطاء الٰہی مان کر مستقل بالعرض سمجھ کر مدد چاہنا۔یہ صورت بھی کفر وشرک ہے۔یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے اس کو ایسی قدرت اور اختیار دے دیا ہے کہ اب جو کام انسانوں کی طاقت سے باہر ہے۔ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔جس کو چاہے کچھ دے، جس کو چاہے نہ دے۔اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے کے بعد ان کاموں میں اب یہ مستقل ہے اور مختار کل ہے اب اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ کو اس کے کاموں

میں کوئی دخل نہیں۔ یہ صورت بھی کفر اور شرک والی ہے اور مشرکین عرب کا بھی فرشتوں اور بتوں کے متعلق بالکل یہی عقیدہ تھا اور کہتے تھے کہ: "مانعبدهم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفٰی" ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں گے۔ اب ان دونوں صورتوں پر غور کرنا چاہیے کہ آیا ہمارا عقیدہ اس طرح تو نہیں ہے۔ اگر ایسا عقیدہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اگر اس کے مطابق عقیدہ ہے تو پھر توبہ کرنا ضروری ہے۔ ورنہ انسان ایمان سے، اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس سے مسلمان کا، بری ہونا ضروری ہے۔ ورنہ کفر وشرک کی موت مرے گا۔

استعانت کی دو صورتیں حرام ہیں

پہلی صورت ...... اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہ تو مستقل بالذات سمجھے اور نہ مستقل بالعرض سمجھے۔ لیکن معاملہ اس کے ساتھ ایسے رکھے جیسے مستقل بالذات کے ساتھ رکھتے ہیں یا مستقل بالعرض کے ساتھ رکھتے ہیں۔ یعنی یہ صورت پہلی دو صورتوں کے ساتھ عقیدہ میں موافق نہیں ہے۔ البتہ عمل میں موافق ہے کہ عقیدہ یہی رکھنا ہے کہ یہ ولی اللہ کا محتاج ہے ہر کام میں اور اللہ تعالیٰ نے اس کو کل مختار نہیں بنایا۔ لیکن اس کے ساتھ محبت وعقیدت کا اظہار جس انداز سے کررہا ہے۔ اس سے ایسے لگ رہا ہے کہ گویا اس کا عقیدہ بھی یہی ہوگا۔ مثلاً اس بندے یا اس کی قبر کو سجدہ کرنا یا اس کے نام کی نذر وغیرہ۔ یہ صورت حرام ہے۔ گناہ کبیرہ ہے۔

دوسری صورت ...... اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی کو مستقل سمجھنے کا ایہام ہوتا ہو۔ جیسے ارواح اموات سے مدد مانگنا۔ اگر چہ یہ شخص مستقل نہ سمجھتا ہو۔ لیکن مشرکین چونکہ ارواح کو فاعل مستقل سمجھ کر مدد مانگتے تھے۔ اس لئے ان کے شعار کا اظہار اور اس کی تائید ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پیر وفقیر کی روح سے اس طرح مدد مانگنا کہ دوسروں کو یہ وہم ہوجائے کہ شاید اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ جیسے کسی روح سے مدد مانگنا، کسی فرشتے سے مدد مانگنا یا کسی ایسی چیز سے مدد مانگنا جو عام طور پر نظر نہیں آتی۔ جیسے مشرکین کیا کرتے تھے۔ یہ صورت بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ آدمی اگر چہ کل مختار تو نہیں سمجھتا۔ لیکن اس کے عمل سے مشرکین کی سی صورت ظاہر ہورہی ہے اور ان کی تائید ہورہی ہے۔ اس لئے یہ بھی حرام ہے۔ بلکہ کفر ہونے کا قوی شبہ ہے۔

استعانت کی پانچویں صورت جو جائز ومباح ہے

وہ صورت یہ ہے کہ جو کام انسانوں کی طاقت میں داخل ہوں اور دنیا میں وہ کام اسباب کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اور کسی شخص کو اس کے فاعل مستقل ہونے کا وہم بھی نہ ہوتا ہو۔ تو یہ صورت بالکل جائز اور مباح ہے۔ اس پر عمل کرنے سے کوئی گناہ نہیں۔ چاہے وہ کام عادتوں میں شمار ہوتے ہوں۔ جیسے روٹی کی مدد سے بھوک کو ختم کرنا۔ پانی کی مدد سے پیاس ختم کرنا۔ اسی طرح دنیوی حوائج میں ایک دوسرے کے کام آنا اور علاج معالجہ سے بیماری کا ختم ہوجانا وغیرہ۔ چاہے وہ کام شریعت کے کاموں میں سے ہو۔ جیسے دعاء، کسی سے کروانا، تعویذ کسی سے لینا اور دم وغیرہ کرانا، یہ سب کام جائز ہیں۔ بشرطیکہ یہ عقیدہ ہو کہ یہ اسباب کے طور پر استعمال کررہا ہوں۔ شفاء! اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے کاموں میں کوئی گناہ نہیں۔ یہی امت مسلمہ اور چودہ صدیوں کے اہل سنت والجماعت اور حضرات اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ ہے۔ (خیر الاثار ص ۳۰۰)

خلاصۂ بحث

قارئین کرام! آپ حضرات نے وسیلہ کی حقیقت کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے جو تین قول پڑھے ہیں۔ان کا خلاصہ یہ ہے کہ دعا مانگنے والا مانگتا تو اللہ تعالیٰ سے ہے۔کیونکہ دینے والی صرف خدا کی ذات ہے۔لیکن دعاء کے آداب میں سے جیسے یہ ادب ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگے، عاجزی وانکساری سے دعاء مانگے، ہاتھ پھیلا کر دعاء مانگے۔اسی طرح دعاء کے دوسرے تمام آداب، ان آداب کی وجہ سے دعاء کے جلدی قبول ہونے کی توقع ہے۔اسی طرح دعاء کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ اگر کسی نیک آدمی یا نیک اعمال یا بابرکت وقت یا بابرکت جگہ کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے تو اللہ تعالیٰ جلدی سے اس کی دعاء کو قبول کر لیتا ہے اور یہ وسیلہ جلدی دعاء قبول کرانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔تو جس طرح باقی آداب کی رعایت رکھنا اولیٰ وافضل بلکہ دعاء قبول ہونے کے لئے ضروری ہے۔اسی طرح اس وسیلہ والے ادب کی رعایت رکھنا بھی اولیٰ وافضل ہوگا۔اسی وجہ سے اولیاء اللہ کے ہر سلسلہ کا ایک شجرہ ہے۔جس میں اولیاء اللہ کے نام لکھے ہوئے محفوظ ہوتے ہیں اور کبھی کسی شجرہ میں نظم کی شکل میں لکھے ہوتے ہیں۔ تو کسی بھی سلسلے کا کوئی شجرہ ایسا نہیں ہے۔جس میں اپنے پیروں، مشائخ اور اپنے اکابر کے وسیلہ کے ساتھ دعاء نہ مانگی گئی ہو۔یا اللہ فلاں کے واسطہ، فلاں کے وسیلہ، فلاں کے طفیل، میری یہ دعاء قبول فرما۔چاروں شجرے چھپے ہوئے ہیں اور چاروں میں دعاء کا طریقہ یہی ہے۔بلکہ بعض مرشد اور پیر اپنے خلیفوں اور مریدوں کو تو یہ حکم دیتے ہیں کہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ شجرہ پڑھا کرو اور بزرگوں کے وسیلہ کے ساتھ دعاء کیا کرو۔سلف صالحین وبزرگان دین نے اس شجرہ اور ان مشائخ کے نام کو قبولیت دعاء میں بڑا مئوثر پایا ہے۔بہر حال اہل حق کی جماعت کا یہی معمول ہے۔اسی طرح وسیلہ کے ذریعے دعاء کی قبولیت کے قائل ہیں اور اس کو جائز بلکہ مستحسن اور افضل سمجھتے ہیں۔یہ کوئی شرک والا عمل نہیں۔نہ ہی اس میں کوئی شرک کا شائبہ ہے۔نہ ہی یہ بدعت ہے۔نہ کوئی اس میں گناہ یا حرج ہے۔بلکہ ثواب ہی ثواب ہے۔جب کہ استعانت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں انسان مانگتا ہی صرف اسی نیک بندے سے ہے۔اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ اگر یہ نیک آدمی راضی ہوگیا تو میرے سارے کام مکمل ہو جائیں گے۔اسی کو سب اختیار اللہ تعالیٰ نے دیئے ہوئے ہیں۔اب اس کی مرضی چلے گی۔کسی کو دے یا نہ دے۔گویا ہم اگر اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں تو وہ ہماری نہیں سنے گا۔بلکہ اسی نیک ولی کی سنے گا۔جیسے کوئی افسر اپنے وزیر مشیر کی سنتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نیک بندوں کو وزیر ومشیر بنا دیا ہے۔اب ہمارا واسطہ ان سے ہوگا اور ان کا واسطہ خدا سے ہوگا۔ یہ عقیدہ شرک ہے۔گناہ کبیرہ ہے۔اس سے توبہ لازمی ہے۔ورنہ ایمان اسلام سے خارج ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ یہ وسیلے کی طرح نہیں ہے کہ جس طرح وسیلہ جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔کیونکہ وسیلہ اور استعانت میں زمین وآسمان کا فرق ہے ایک دوسرے پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔جو ایک دوسرے پر قیاس کرتے ہیں۔وہ راہ اعتدال سے اور راہ مستقیم سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔بدعتی ومعتزلی بن چکے ہیں۔ان دونوں سے علیحدہ رہنا ضروری ہے۔

وسیلہ کے دلائل

دلائل پڑھنے سے پہلے ایک عظیم فائدہ یہ بھی جان لیں کہ وسیلہ جس طرح کسی نیک آدمی کا جو ابھی زندہ ہے لینا صحیح ہے۔اسی طرح جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ان کا وسیلہ پیش کرنا بھی بالکل صحیح ہے۔یوں وسیلہ پیش کرنے کی تقریباً چند صورتیں بنتی ہے جو مختصراً درج ذیل ہیں:

۱...... انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات کا وسیلہ جب کہ وہ دنیا میں زندہ ہوں۔
۲...... ان کی ذات کا وسیلہ، دنیا میں آنے سے پہلے۔
۳...... وفات کے بعد ان کی ذات کا وسیلہ۔
۴...... اعمال کا وسیلہ پیش کرنا۔
۵...... زندہ بزرگ وفوت شدگان کا وسیلہ پیش کرنا۔
۶...... آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا یا آپ ﷺ سے وفات کے بعد دعاء کروانا۔
۷...... اہل قبور اور نیک فوت شدہ بزرگان دین سے دعاء کی درخواست کرنا۔

یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

دلیل نمبر ۱......"ولما جاء هم کتاب من عند الله مصدق لما معهم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (سورة: ۸۹)" (جب آئی ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب جو تصدیق کرتی ہے۔ اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے اور تھے۔ اس سے پہلے کہ فتح مانگتے کافروں پر) "یستفتحون" کا مصدر ہے۔ استفتاح جس کا معنی ہے۔ مدد طلب کرنا۔ جیسا کہ (فتح القدیر ص ۹۵ ج ۱، الاستفتاح، الاستنصار اور تفسیر روح المعانی ص ۳۲۰ ج ۱) میں یہ تفسیر موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل کتاب میں سے بنونظیر اور بنوقریظہ اپنے فریق مخالف یعنی دشمن کے مقابلہ میں اوس اور خزرج کے خلاف فتح مانگنے میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء کیا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ اس آخری نبی ﷺ کے طفیل جس کے آنے کا تو نے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یہ کہ آج ہمارے دشمن پر ہمیں فتح نصیب فرما۔ ہماری مدد فرما۔ پھر ان کی مدد کی جاتی۔ ان کی دعا قبول ہو جاتی اور وہ غالب آ جاتے۔

فائدہ! اس آیت میں یہودیوں کا ایک کام ذکر کر کے ان پر احسان جتلایا گیا ہے کہ دیکھو اس آخری نبی ﷺ کے آنے سے پہلے اس کے وسیلے اور صدقہ سے تم دعاء مانگتے تھے اور میں خدا تمہاری دعاؤں کو قبول کرتا تھا۔ آج جب وہ آخری نبی ﷺ تشریف لائے ہیں تو تم اس کو کیوں نہیں مانتے؟ اس پر کیوں نہیں ایمان لاتے؟ جب اس آیت میں وسیلہ کا ثبوت ہے اور قرآن نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور یہ نہیں کہا کہ وہ اس طرح غلط دعاء کرتے تھے تو ہمارے لئے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ ان کا اس طرح سے دعا کرنا بالکل ٹھیک ہے۔ ورنہ بطور احسان کے یہودیوں کو یوں نہ فرمایا جاتا۔ جیسا کہ اب فرمایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ اس عالم دنیا میں ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ اس وقت بھی اہل کتاب، یہودی آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء کر کے فتح پا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کر کے اس قسم کے توسل کی کہیں تردید نفی نہیں فرمائی۔ اب اس کے جواز میں شبہ کی گنجائش کیا ہو سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ (منقول از خیر الآثار ص ۲۸۵)

دلیل نمبر ۲......"ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان آمنوا بربکم فآمنا (آل عمران: ۱۹۳)"

دلیل نمبر ۳......"یقولون ربنا امنا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین (مؤمنون: ۱۰۹)"

ان دونوں آیتوں میں ایمان والوں کی دعاء کا ذکر ہے۔ جس میں وہ اپنے ایمان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بخشش

مانگ رہے ہیں اور بھی کئی آیتوں میں اس ایمان کے وسیلہ اور واسطہ سے دعا کی گئی ہے۔ یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم تجھ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب اس ایمان کے صدقہ سے ہم کو معاف فرما دے۔ ہمارے گناہوں کو ختم کر دے۔

فائدہ! جن آیات میں ایمان کو وسیلہ بنا کر دعاء کی گئی ہے خوش ہو کر، راضی ہو کر ان کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے کہ دیکھو یہ کیسے مجھ سے مانگتے ہیں اور مجھ پر ایمان لاتے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ ایمان کے وسیلے سے دعاء کرنے کے ساتھ خوش ہوتے ہیں تو وسیلے والا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا کہ وہ جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ دیکھو ان آیات سے اعمال کے ساتھ وسیلے کا ثبوت ہو گیا۔

دلیل نمبر ۴...... کسی سے دعاء کروانا اور دعاء کی درخواست کرنا بھی دراصل اس کا وسیلہ لینا ہوتا ہے کہ آپ میرے لئے دعاء کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاء کے وسیلہ سے میرے کام آسان فرما دے گا۔ تو اس طرح دعاء کروانا احادیث سے اتنی کثرت سے ثابت ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ فلاں صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے فلاں دعاء کروائی ہے۔ تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ جس طرح شفاء السقام میں کہ "ہذا متواتر" کہ دعاء کروانا صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ وہ صحابی آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یارسول اللہ ہمارے اموال ہلاک ہو گئے ہیں۔ پانی خشک ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعاء فرمائیں۔ آپ ﷺ نے رحمت والے جب دونوں ہاتھ اٹھائے بارش کی دعاء کے لئے تو اسی وقت بارش کے لئے بادل آئے اور بارش برسائی۔ اس کو روایت کرنے والے صحابی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہیں دیکھا۔ مسلسل تھوڑی تھوڑی بارش ہوتی رہی۔ (شفاء السقام ص ۱۶۹)

دلیل نمبر ۵......"عن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ان رجلاً ضریر البصر اتی النبی ﷺ قال ادع اللّٰہ لی ان یعافینی (الی قولہ) اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ... الخ" (قال ابو اسحاق ہذا حدیث صحیح، مسند احمد ص ۱۳۸ ج ۲، سنن ابن ماجہ باب الصلوٰۃ الحاجہ) (حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نابینا آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے لئے دعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو اس کو مؤخر کر دے اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے دعاء کر دوں۔ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ابھی دعا کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کر اور دو رکعت نماز پڑھ اور یوں دعاء کر کہ یا اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں آپ ﷺ کے وسیلے کے ساتھ جو رحمت والے نبی ہیں۔ اے محمد ﷺ میں آپ کے وسیلہ کے ساتھ اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ تاکہ وہ پوری ہو جائے۔ اے اللہ آپ ﷺ کی شفاعت آپ ﷺ کا وسیلہ میرے حق میں قبول فرما اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ (اے محمد ﷺ) آپ میرے لئے شفاعت کریں اللہ تعالیٰ سے۔ پس بار بار اسی دعا کو کہتا رہا۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے گمان ہے کہ مجھے اس میں شفاء دے دی جائے گی۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پس اس کو شفاء دے دی گئی)

فائدہ! اس حدیث سے توسل صراحۃً ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے بذات خود اس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یوں میری ذات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر پیش کرو اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے آگے رکھو۔ اب چونکہ آپ ﷺ کا اس کے لیے دعاء کرنا کہیں منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جس طرح توسل کسی کی دعاء کا جائز ہے۔ اس طرح توسل دعاء میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔ (نشر الطیب ص ۲۴۸)

دلیل نمبر ۶...... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انجاح الحاجہ میں پہلی حدیث کو صحیح قرار دینے کے بعد کہا کہ طبرانی نے کبیر میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کے لئے جایا کرتا تھا اور وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہی تو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا کہ وضو کر کے مسجد میں جا اور وہی دعاء اوپر والی سکھائی کہ یہ پڑھو اور اس طرح دعاء کرو۔ چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور فوراً اس کا کام پورا کر دیا۔

دلیل نمبر ۷...... "عن امية بن خالد بن عبدالله بن اسيد رضی اللہ عنہ: عن النبی ﷺ: انه كان ستفتح بصعاليک المهاجرين" حضرت امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ فقراء مہاجرین کے وسیلہ کے ساتھ فتح کی دعاء کیا کرتے تھے۔ (رواہ فی شرح السنۃ مشکوۃ ص ۴۴۹)

فائدہ! عام طور پر اہل طریق و بزرگان دین سے مقبولان خدا کے توسل سے دعا کرنا بکثرت ثابت ہے اور حدیث پاک سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اسی کا اثبات ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے ہاں مقبول ہے۔ اس کی بھی یہی (توسل) والی حقیقت اور غرض ہے۔

بصعاليک المهاجرين کا مطلب

فقراء، مہاجرین کے ساتھ فتح طلب کرنے کے دو مطلب ہیں۔ پہلا مطلب تو یہ ہے کہ آپ ﷺ فقراء مہاجرین کو اپنی دعاء میں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض و التجاء کرتے کہ یا اللہ ان مہاجرین و فقراء کے وسیلہ سے اور ان کے طفیل ہمیں فتح نصیب فرما۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان مہاجرین کو کہتے تھے کہ تم ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کے وسیلہ سے ہمیں کافروں پر فتح نصیب فرمائے۔ یہ بھی دوسرے کے ساتھ وسیلہ لینا ہے۔

توسل کا ثبوت علماء دیوبند کی نظر میں

۱...... حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سید حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگو تو آپ ﷺ کے وسیلہ سے مانگو اور یوں کہو کہ یا اللہ! آپ سے سوال کرتے ہیں آپ ﷺ کے وسیلہ کے ساتھ کہ آپ ہمارا کام پورا کر دیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو آپ ﷺ کو یہ پیغام پہنچا دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں آدمی نے آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے ان کاموں کے بارے میں دعاء کی ہے۔ پس آپ ﷺ بھی اس آدمی کے لئے اسی کام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں۔ پس آپ ﷺ کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی دعاء کبھی رد نہیں کی جاتی اور اسی

طرح کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ سے اولیاء اللہ کے وسیلے سے سوال کرنے بارے میں اس لئے کہ فرشتے اولیاء اللہ کو یہ بات پہنچا دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ولی بھی اللہ تعالیٰ سے اس آدمی کے لے لئے دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ علیم اور حکمت والا ہے۔ (مشارق الانوار القدسیہ ص ۱۸۱)

۲...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول۔ وہ فرماتے ہیں کہ دعاء کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ دعاء مانگنے والا پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑے۔ تاکہ دعاء قبول ہو۔

۳...... حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے المہند کی تصدیق کرتے ہوئے خطبہ میں لکھا ہے کہ وسیلہ پکڑا جاتا ہے۔ یعنی پیغمبران، صدیقین اور شہداء وصلحاء اور کامل ترین لوگوں کا جن کے لئے وصال اور انتقال کے بعد حیات ثابت ہے۔ (المہند ص ۸۴)

اکابر علماء دیوبند کا متفقہ فتویٰ توسل کے بارہ میں

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ علماء دیوبند کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء کرام علیہم السلام، صلحاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے۔ ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور کہ دعا کرنے والا کہے یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برآری چاہتا ہوں۔ (المہند سوال نمبر ۳)

فائدہ! قارئین مسئلہ توسل احادیث، قرآن، اقوال سلف صالحین کی روشنی میں بخوبی واضح ہوگیا کہ دعاؤں میں وسیلہ لینا بالکل جائز بلکہ مستحسن اور دعاء کے جلدی قبول ہونے کا قوی ذریعہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے توسل کا ثبوت

حضرت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح دعا کرنا کہ یا اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہمارا فلاں کام کردے۔ ہمیں گناہوں سے بچالے۔ ہمیں اعمال صالحہ کرنے کی توفیق عطاء فرما۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شرعاً درست ہے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرنا ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی درست ہے۔ تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بھی دعا درست ہے۔ (منقول از تسکین الاذکیا ص ۶۰۹)

عقیدۂ توسل واقعات کی روشنی میں

ناظرین کرام! اب ذرا مسئلہ توسل واقعات کی صورت میں پڑھیں۔ تاکہ آپ کو علم العین اور علم الیقین حاصل ہوجائے کہ واقعتاً علماء دیوبند اہل حق ہیں اور ان کا مسلک نہایت ہی معتدل ہے۔

واقعہ نمبر ۱...... حضرت مالک الدار رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مطبخ کے ناظم تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ تو ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمائیں۔ کیونکہ وہ ہلاک ہورہی ہے۔ بعد میں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کو میرا اسلام کہو اور خوشخبری دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہنا کہ دانائی پر قائم رہ۔ وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ کو سارے واقعہ کی خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے کوتاہی نہیں کی مگر جس کام میں میں عاجز آگیا۔ (ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ

ص ۴۸۰ ج ۷) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے (فتح الباری ص ۴۳۹ ج ۲) حضرت ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور پھر فرمایا کہ بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ یوں یوں کہتا ہے۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ سچ کہتا ہے۔ (تاریخ طبری) دوسری کتاب میں یہ واقعہ کچھ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جسے مختصراً یہاں نقل کیا جاتا ہے کہ قبیلہ مزینہ کے ایک گھر والوں نے اپنے صاحب خانہ حضرت بلال بن حارث مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں۔ آپ ہمارے لئے کوئی بکری ذبح کریں۔ انہوں نے کہا کہ اس بکری میں کچھ نہیں۔ گھر والوں کے اصرار پر بکری ذبح کی تھی تو سرخ ہڈیوں کے علاوہ کچھ نہ نکلا۔ پس وہ اسی وقت یا محمداہ، یا محمداہ پکار اٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ الفاظ کہے جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تشریف لائے۔ لوگوں کو اکٹھا کیا۔ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ سارے لوگوں کے سامنے حضرت بلال رضی اللہ عنہ والا واقعہ سنایا تو لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ صلوٰۃ استسقاء یعنی بارش والی نماز پڑھایئے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں صلوٰۃ استسقاء کا اعلان فرمایا اور خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیدل میدان میں نکل پڑے۔ نماز پڑھانے کے بعد التحیات کی شکل میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے یوں دعاء کی کہ اے اللہ! ہم کو بارش عطاء فرما اور اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ فرما اور آپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے آنسو ان کی اپنی داڑھی مبارک پر بہہ رہے تھے اور فرمایا کہ یا اللہ ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ساتھ وسیلہ لیتے ہیں۔ اے اللہ! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے چچا کی صورت میں حفاظت فرما۔ ہم ان کو ساتھ لے کر وسیلہ پکڑتے ہوئے استغفار کرتے ہوئے حاضر ہیں۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے یوں اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے اللہ! آپ پانی پلانے والے ہیں۔ پس بچے چیخ رہے ہیں اور بڑے رقت آمیز ہیں۔ اے اللہ! اپنے غناء سے ان کو غنی فرما۔ پہلے اس کے کہ آپ کی رحمت سے مایوس ہوں۔ پس بادل کا ٹکڑا اسی وقت آیا اور ہوا چلی۔ پھر وہ خوب برسا۔ پس اللہ کی قسم لوگ واپس جا رہے تھے اور دیواروں کی اوٹ تلاش کر رہے تھے اور کوئی گھر کے برآمدوں میں چھپ رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اعضاء مبارکہ کو ہاتھ لگا لگا کر کہہ رہے تھے کہ اے حرمین کے ساقی تجھے مبارک ہو اور خوشی ہو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی اشعار کی صورت میں تعریف کر رہے تھے۔ (الکامل فی التاریخ ص ۵۵۶ ج ۲)

فائدہ! خواب دیکھنے والے حضرت بلال بن الحارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے جو کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کروانا بالکل جائز ہے اور سارے واقعہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان کرنا لوگوں کا ان کی تصدیق کرنا۔ اس بات پر اجماع ہے اور سب کے سامنے وسیلہ لینا بھی اجماع ہونے کی قوی دلیل ہے۔ جس پر شاہد یہ حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب بھی قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعاء کرتے اور کہتے کہ یا اللہ! ہم اپنے پیغمبر کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے اور اب اپنے نبی کے چچا کے ذریعے سے آپ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتے ہیں تو ہم کو بارش عنایت فرما تو بارش ہو جاتی۔ (بخاری شریف ص ۱۳۷ ج ۱)

اعتراض...... حضرت عمر کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دعا میں وسیلہ بنانا اس بات کی دلیل ہے کہ وفات کے بعد کسی کا وسیلہ لینا جائز نہیں۔ اگر جائز ہوتا تو حضرت عمر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بجائے آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کرتے۔ لہٰذا بعد از وفات کسی کا توسل دعا میں جائز نہیں۔ جیسے کہ منکرین توسل و منکرین حیات کہتے ہیں۔

جواب نمبر ا...... حضرت عمر کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ دعا میں وسیلہ لینا اس شک وشبہ کو دور کرنے کے لئے تھا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ آپ ﷺ کے سوا کسی اور شخص کے ساتھ توسل جائز نہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس سے توسل کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے صلحاء کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ (خیر الفتاویٰ ص ۱۹۸ ج ۱)

جواب نمبر ۲...... حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء میں توسل لینا ہرگز اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے توسل فی الدعاء ممنوع ہے۔ (امداد الاحکام ص ۱۴۱ ج ۱)

جواب نمبر ۳...... یہ دلیل دینا کہ حضرت عمر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے وسیلہ پکڑا تھا۔ لہٰذا معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ سے وسیلہ جائز نہیں یہ مفہوم مخالف ہے۔ جس کا احناف حضرات بالکل اعتبار نہیں کرتے۔ ہاں! جو اعتبار کرتے ہیں وہ حنفیوں میں شامل نہیں۔

واقعہ نمبر ۲...... آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بنی اسرائیل کے تین آدمیوں کا واقعہ سنایا کہ تین آدمی بنی اسرائیل کے کسی سفر پر جا رہے تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ بارش سے بچنے کے لئے ایک پہاڑ کی غار میں جا چھپے۔ بارش جب مسلسل زور سے برسی تو غار کے اوپر سے ایک پتھر گرا اور سیدھا غار کے منہ کے اوپر آ کر رک گیا جس کی وجہ سے غار سے باہر نکلنے کا راستہ بالکل بند ہو گیا۔ اتنا وزنی پتھر تھا کہ تینوں زور لگا لگا کر تھک ہار گئے۔ لیکن وہ پتھر اپنی جگہ سے نہ ہلا اور نہ سرکا۔ اب تینوں نے بیٹھ کر مشورہ کیا اور سوچنے لگے کہ کیسے باہر نکلنے کی تدبیر کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تینوں نے آپس میں مشورہ سے یہ طے کیا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا اپنا نیک عمل یاد کرے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہو۔ اس عمل کو وسیلہ بنا کر اللہ کو واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگے کہ یا اللہ اس عمل کے واسطہ سے اس پتھر کو غار کے منہ سے دور فرما۔ چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعاء کی کہ یا اللہ! میں اپنے والدین کی خدمت کرتا تھا۔ ان کو دودھ بکریوں کا پلاتا تھا۔ ایک دن دیر سے آیا۔ والدین سو چکے تھے۔ ان کو نیند آ گئی تھی۔ لیکن میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کی وجہ سے ابھی تڑپ رہے تھے۔ ان کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے بکریوں کا دودھ نکالا اور اپنے بچوں کو روتا ہوا چھوڑ کر پہلے والدین کی خدمت میں دودھ پیش کیا۔ اگر یہ عمل میرا تیرے ہاں قبول ہے اور صرف تیری رضا کے لئے ہے۔ تو اسی کے وسیلہ سے ہمیں مصیبت سے نجات دلا دے اور پتھر کو غار کے منہ سے دور فرما۔ جب دعا مکمل ہوئی تو تھوڑا سا پتھر خود بخود دور ہو گیا۔ دوسرے آدمی نے بھی دعا کرنا شروع کی کہ یا اللہ! میں نے ایک مزدور آدمی پر احسان کیا تھا۔ صرف تیری رضا کے لئے۔ اگر تجھے میرا یہ عمل پسند ہے تو اسی کے واسطہ سے پتھر کو غار کے منہ سے دور فرما۔ دعاء پوری ہوئی تو تھوڑا سا پتھر اور غار کے منہ سے دور ہو گیا۔ تیسرے آدمی نے دعا کی کہ یا اللہ ایک دفعہ مجھے مکمل تیری نافرمانی کرنے پر قدرت تھی۔ میں زنا کے لئے بالکل تیار تھا۔ لیکن صرف تجھے حاضر و ناظر سمجھ کر تیرے خوف سے چھوڑ دیا اور

تجھ سے ڈر گیا۔ اگر تیرے ہاں میرا یہ عمل قبول ہے اور صرف تیری رضا کے لئے ہے تو اسی کے واسطہ سے یہ مصیبت ہم سے دور فرما۔ جب دعاء مکمل ہوئی تو پتھر مکمل طور پر غار کے منہ سے دور ہو گیا اور باہر نکلنے کا راستہ بالکل صاف ہو گیا۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے تینوں باہر نکل آئے۔ (بخاری شریف ص ۴۹۳ ج ۱، مسلم شریف ص ۳۵۳ ج ۲)

فائدہ! اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ اعمال کے ساتھ وسیلہ لینا بالکل جائز اور دعا کے جلدی قبول ہونے کا قوی ذریعہ ہے۔

واقعہ نمبر ۳...... حضرت علی بن احمد الصوری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا نام شافعی رحمۃ اللہ اس لئے رکھا گیا کہ یہ اپنی والدہ کے پیٹ میں اٹھارہ مہینے رہے ہیں۔ جب ان کی والدہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ کے جنازے کو دیکھا تو کہا کہ اے ہمارے کامل اور مجتہد اور عامل امام میری شفاعت کیجیے۔ تا کہ میں اس حمل سے چھٹکارہ حاصل کروں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو سنا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ کی شفاعت کی وجہ سے اس عورت کے لئے۔ پس شمس الہدیٰ کی ولادت امام اعظم رحمۃ اللہ کے وسیلہ اور شفاعت کی وجہ سے اسی دن ہو گئی۔ اس لئے ان کا نام رکھ دیا گیا شافعی رحمۃ اللہ۔ (کتاب نعم الالوان ص ۱۸۷ ج ۱)

واقعہ نمبر ۴...... ابوبکر بن خطیب علی بن میمون رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں (امام شافعی رحمۃ اللہ) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہوں اور ان کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعاء کرتا ہوں۔ اس دعاء کے بعد جلد میری مراد پوری ہو جاتی ہے۔ (تاریخ خطیب ص ۱۲۳ ج ۱، ردالمختار ص ۳۹ ج ۱)

فائدہ! جن حضرات کو شریعت پر عبور حاصل ہے اور شریعت کے عامل بھی ہیں تو وہ حضرات روزانہ مزارات اولیاء پر جا کر اور اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی ہوں ان کے وسیلہ سے دعا بھی کرتے ہیں۔ ان سے باطنی فیض بھی حاصل کرتے ہیں۔ جو شریعت سے بالکل کورے ہیں۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قبر پر دعا کرنا شرک و بدعت ہے۔

واقعہ نمبر ۵...... ایک دیہاتی آپ ﷺ کی مزار اقدس پر حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی کہ یا اللہ! تو نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ (یعنی آپ ﷺ) تیرے محبوب ہیں۔ میں تیرا غلام ہوں۔ آپ کے محبوب ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوں۔ مجھ غلام کو آگ سے آزادی عطاء فرما۔ (یعنی آپ ﷺ کے وسیلہ سے اپنے غلام کو آگ سے نجات عطاء فرما) تو غیب سے آواز آئی کہ تم نے صرف اپنے لئے آزادی مانگی ہے۔ تمام حاضرین کے لئے آزادی کیوں نہ مانگی؟ لہٰذا جاؤ ہم نے تمہیں آگ سے آزادی عطاء فرمائی۔ (مواہب، منقول از فضائل حج ص ۱۵۳)

واقعہ نمبر ۶...... ابو محمد اشبیلی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ غرناطہ کے شہر میں ایک شخص اتنا بیمار رہا جس کی کوئی حد نہیں۔ یعنی بہت زیادہ بیمار رہا۔ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج کر دیا۔ بیچارہ زندگی سے مایوس ہو گیا۔ وزیر ابوعبداللہ محمد بن ابی ضال نے ایک خط آپ ﷺ کی خدمت میں لکھا اور اس میں چند اشعار بھی لکھے اور اس بیمار آدمی کی صحت کے لئے دعاء کی درخواست بھی لکھی۔ خط لکھ کر ان حاجیوں کے حوالہ کر دیا جو مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ وہ حاجی جب مدینہ منورہ پہنچے اور وہ خط مزار شریف پر پڑھا گیا تو کہنے والے کہتے ہیں کہ ادھر خط پڑھا جا رہا تھا اور ادھر بیمار آدمی صحیح اور تندرست ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ خط مکمل ہوا تو اسی وقت وہ بیمار بالکل اچھا ہو گیا۔ جب وہ آدمی گھر آیا جو خط لے کر گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ بیمار آدمی ایسے تندرست تھا۔ جیسے اس کو کبھی بیماری لگی بھی نہیں۔ (وفاء الوفاء، منقول از فضائل حج ص ۱۶۶)

فائدہ! جہاں اس بات کا اندازہ ہوا کہ آپ ﷺ روضۂ اطہر میں اعلیٰ زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ وہیں اس بات کا بھی پتہ چلا کہ دعاء کی درخواست کرنا اور آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا بالکل جائز ہے۔

واقعہ نمبر ۷......علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اتنا بیمار رہا کہ سبھی ڈاکٹر میرے علاج معالجہ سے عاجز آ گئے اور میں کئی سال تک مسلسل بیمار رہا۔ ایک مرتبہ ۸۹۳ھ کو جب میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے وسیلہ سے حرم پاک میں اللہ تعالیٰ سے تندرستی کی دعاء کی۔ بعد میں جب میں سویا تو خواب میں ایک آدمی کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا تھا۔ جس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ دوا احمد بن القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ ﷺ کی طرف سے۔ آپ ﷺ کے ارشاد عالی سے آپ کو ملی ہے۔ میں خواب سے بیدار ہوا تو بیماری کا اثر بالکل نہیں تھا۔ (مواہب، منقول از فضائل حج)

فائدہ! وسیلہ سے دعا کرنا دعا کے جلدی قبول ہونے کا قوی ذریعہ ہے۔ اس لئے وسیلہ میں کسی قسم کا شبہ نہیں کرنا چاہئے۔

واقعہ نمبر ۸......علامہ ابو عبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے قصیدہ بردہ اشعار کی صورت میں لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر فالج کا حملہ ہو گیا۔ نیچے والا سارا حصہ بالکل شل ہو گیا۔ کام کرنا چھوڑ گیا۔ اس بیماری اور فالج سے تندرستی اور نجات پانے کے لئے پورے اخلاص کے ساتھ ایک قصیدہ لکھا۔ آقاء نامدار ﷺ کی مدح وثناء میں۔ تاکہ اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بیماری سے شفاء کی درخواست کروں۔ چنانچہ جب وہ قصیدہ لکھ لیا تو آپ ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ میں نے وہ قصیدہ آپ ﷺ کو پڑھ کر سنایا تو آپ ﷺ اتنے خوش ہوئے کہ خوشی کی وجہ سے سرسبز ٹہنی کی طرح جھوم رہے تھے۔ جب قصیدہ پورا ہو گیا تو آپ ﷺ نے شفقت والا، رحمت والا، ہاتھ میرے جسم پر پھیرا اور ایک چادر انعام میں عطاء فرمائی۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میں بالکل تندرست اور صحیح سالم تھا۔ فالج کا نام ونشان تک باقی نہیں تھا اور وہ چادر جو آپ ﷺ نے دی تھی۔ وہ میرے ہاتھ میں تھی۔ (عطر الوردہ ص ۳)

فائدہ! اس چادر کی وجہ سے اس قصیدہ کا نام رکھ دیا گیا۔ قصیدہ بردہ کیوں کہ عربی میں چادر کو بردہ کہتے ہیں۔ یعنی چادر والا قصیدہ۔ اس واقعہ سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ اعمال کو، ذات کو، وسیلہ بنانا بالکل درست ہے۔ کسی قسم کا کوئی حرج نہیں۔

عقیدۂ حیات شہداء کرام علیہ رحمۃ اللہ...... آٹھواں اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

علماء دیوبند کا عقیدہ یہ ہے کہ جو آدمی جہاد کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دے اور شہید ہو جائے تو شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ اس شہید کو جو زندگی دیتا ہے۔ وہ زندگی روح اور جسم عنصری دونوں کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے جو شہید کو رزق ملتا ہے۔ وہ اسی جسم عنصری کے لئے ملتا ہے۔ روح کو مادی غذا کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور روح چاہے جنت میں ہو یا عرش کے نیچے یا جہاں اللہ تعالیٰ اس کو ٹھکانہ دیدے۔ اس روح کا اس جسم عنصری کے ساتھ تعلق ہوتا ہے کہ اس جسم عنصری کو مردہ گمان کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے مطابق شہادت کی وجہ سے جو ان کو خصوصیت اور امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ حیات جسمانی ہی ہے۔ صرف روحانی حیات نہیں۔ کیونکہ روحانی حیات تو ہر انسان کو ملتی ہے۔ لیکن شہید کی یہ جسمانی حیات انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً آقاء نامدار ﷺ کی حیات جسمانی سے انقص اور ادنیٰ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اعلیٰ، افضل، قوی اور بلند تر ہے اور آپ ﷺ کی حیات روضۂ پاک میں تمام روئے زمین کے شہداء کی حیات سے زیادہ قوی اور بلند وبالا ہے۔

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات کا عقیدہ یہ ہے کہ جب انسان شہید ہو جاتا ہے تو اس کی روح کا جسم عنصری سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ یہ جسم بالکل مردہ ہوتا ہے۔ ہاں! اس کی روح زندہ اور باقی ہوتی ہے۔ جسد تو گل سڑ جاتا ہے۔ جیسے مولوی شہاب الدین خالدی لکھتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح نہ اس کے مٹی والے جسم میں لوٹ کر آتی ہے اور نہ ہی قبر کے اندر ہوتی ہے اور نہ ہی قبر کے ارد گرد ہوتی ہے اور نہ ہی روح کا اپنے بدن سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہوتا ہے۔ (عقیدۃ الامت ص ۲۶۲)

نیز حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے غلط استدلال کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شہداء یہاں کے بدن کے ساتھ زندہ نہیں۔ اس بدن کے لحاظ سے مردہ ہیں۔ ہاں! جنت میں ان کو دوسرا بدن ملتا ہے۔ (ایضاً ۳۲۴)

تیسری جگہ لکھتا ہے کہ دنیا والے بدنوں کے بدلہ میں برزخ میں جو بدن شہیدوں کو ملتے ہیں۔ محققین انہی بدنوں کو مثالی بدن کہتے ہیں اور دنیا والے جسم جیسا جسم ہے جس کے ساتھ تمام معاملات کھانا پینا، آرام، راحت، لذت والم وغیرہ! سب اسی جسم مثالی برزخی کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہاں دنیا والا جسم نہیں ہوتا۔ (ایضاً ۴۱، ۴۲)

ندائے حق والا لکھتا ہے کہ سو فیصد علماء اس امر پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد اس جسم عنصری کے ساتھ روح کا کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ نیز حضرات شہداء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے جب اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پیش کر دیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے ان کو تلف کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض میں ان کو برزخ میں ان سے بہتر جانیں عطا فرما دیں جن میں قیامت تک رہیں گے۔ شہدا کے ارواح کو وفات کے بعد اجساد عنصری کے عوض میں اس سے بہتر نورانی اجساد مثالیہ عطا ہوں گے۔ (ندائے حق ص ۲۲۲ منقول از تسکین الصدور ص ۱۲۸)

نیز حیات شہید کے متعلق ندائے حق والا دوسری جگہ لکھتا ہے کہ شہداء کی حیات سے اگر حقیقت حیات یعنی روح کا تعلق انہیں ابدان کے ساتھ جو پہلے تھے۔ یعنی ابدان عنصریہ لیا جائے تو یہ بات واقع کے بھی خلاف ہے اور شرع شریف کے بھی خلاف ہے۔ (ندائے حق ص ۳۲۶)

تیسری جگہ پر لکھتا ہے کہ معتزلی لوگ شہداء کی حیات مجازی مانتے ہیں اور ہم (یعنی منکرین حیات) اہل سنت والجماعت شہیدوں کو حقیقی معنوں میں زندہ مانتے ہیں۔ (ندائے حق ص ۶۲۹) (جو حیات برزخیہ فی الجنۃ ہے نہ کہ عنصریہ جوفی القبر)

چوتھی جگہ لکھتا ہے حیات شہداء کی کیفیت کی طرف قرآن مجید میں تو چند اجمالی اشارات ہی ہیں۔ تفصیل نہیں (ندائے حق ص ۶۲۶) پھر لکھا کہ شہداء کی یہ زندگی بلا مشارکت بدن عنصری صرف روح کے لئے ہے۔ (ایضاً)

نیز مولوی عطاء اللہ بندیالی نے شہدا کی حیات جسمانی اور ان کے اجساد سے ارواح کا عدم تعلق ثابت کرنے کے لئے سبز پرندوں والی روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ شہیدوں کی روحیں اللہ کے پاس جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں ہیں۔ (اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ حیات النبی ﷺ ص ۲۱، منقول از عقیدہ حیات النبی ﷺ مولانا عبدالحق خان بشیر نقشبندی ص ۵۸)

نیز ایک دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اجساد کے عنصری کی قید مبتدعین کی خود ساختہ اور خانہ ساز قید ہے کسی آیت کریمہ یا حدیث نبوی ﷺ میں عنصری کا کوئی ذکر تک نہیں۔ (تحقیق حق ص ۶)

قارئین کرام! آپ حضرات نے علماء دیوبند کا عقیدہ بھی وضاحت کے ساتھ پڑھا اور منکرین حیات کا

عقیدہ بھی پڑھا۔ ان کی کتابوں کے حوالہ کے ساتھ۔ ان کی کتابوں میں جو عقیدہ لکھا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ شہید بھی عام مردوں کی طرح مر چکا ہے۔ اس کے اس جسم سے جو اللہ کے راستہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہے۔ روح کو اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ اس جسم کے بدلے جنت میں اور جسم ملتا ہے۔ اس جسم میں وہ روح ہوتی ہے اور وہی جسم مثالی کھاتا پیتا ہے اور سبز پرندوں کی شکل وصورت میں وہ جسم مثالی جنت میں سیر کرتا ہے اور عرش کے نیچے لٹکی قندیلوں میں بسیرا کرتا ہے۔ یعنی اس قبر والے جسم میں کچھ بھی نہیں یہ پتھر کی طرح ہے اور اکثر وبیشتر اس جسم کو مٹی کھا جاتی ہے۔ یہ عقیدہ ان منکرین حیات ومعتزلہ کا واضح طور پر قرآن وحدیث کے مخالف ہے۔

منکرین حیات کے شبہات

شبہ نمبر ا...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے تو ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ نے سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھا۔ جو جنت کی نہروں پر آتے جاتے ہیں اور جنت کے پھل کھاتے ہیں اور رات کو سونے کی قندیلوں میں عرش کے نیچے بسیرا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! تم اور کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں دوں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے جو ہم کو عطاء فرمایا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر آپ اور کچھ دینا چاہتے ہیں تو پھر ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیں اور ہمیں دنیا میں بھیج دیں۔ تاکہ ہم تیری راہ میں ایک بار پھر قتل کئے جائیں۔ (مسلم ص ۱۳۵، ج ا، ترمذی ص ۱۳۰، ج ۲، ابن ماجہ ص ۲۰۱)

منکرین حیات کا غلط استدلال

مولوی شہاب الدین خالدی نے اس حدیث کو بیان کر کے یہ استدلال اور نتیجہ نکالا ہے کہ اس حدیث پاک میں صراحت اور وضاحت ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ وہیں کھاتی پیتی ہیں۔ شہیدوں کی درخواست کے باوجود ان کو دنیا میں نہیں آنے دیا جاتا۔ روحوں کا قبروں میں یا جسم میں لوٹ آنا صریح اور صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ جسے کوئی مسلمان قبول نہیں کرے گا۔ (عقیدۃ الامت ص ۲۲۶)

شبہ نمبر ۲...... آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو مرنے کے بعد جنت میں جائے۔ پھر وہاں سے دنیا میں لوٹنے کو پسند کرے۔ اگرچہ جو کچھ زمین پر ہے سب اس کا ہو۔ مگر شہید کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ مجھے دنیا میں لوٹا دیا جائے اور دس مرتبہ اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے۔ اس عزت وکرامت کی وجہ سے جو وہ شہادت کی وجہ سے دیکھ رہا ہے۔ (بخاری ص ۳۹۵، ج ا، مشکوٰۃ ص ۳۳۱)

مولوی شہاب الدین کا استدلال

مولوی صاحب اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ موت کے بعد مؤمن کی روح اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے علیین، جنت، ملأ اعلیٰ اور عرش کے نیچے ہوتی ہے اور دنیا ساری اگر اس کو دے کر دنیا میں آنے کے لئے کہا جائے۔ تو وہ روح دنیا میں واپس آنا پسند نہیں کرتی۔ نہ قبر میں، نہ دنیا والے جسم میں۔

فائدہ! شہید کے اس جسم عنصری کے ساتھ روح کا عدم تعلق ثابت کرنے کے لئے منکرین حیات تمام وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ جن میں یہ ذکر ملتا ہے کہ شہید کی روح جنت میں ہے۔ اسے جنت میں جسم ملتا ہے۔ جسے جسم

مثالی کہتے ہیں۔ وہ جسم مثالی سب کچھ کھاتا پیتا ہے اور وہ حدیثیں جن میں یہ ذکر ہے کہ شہید کی روح عرش کے نیچے سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو یہ پیش کرتے ہوں۔ عام طور پر یہی پیش کرتے ہیں۔ یا پھر وہ آیات جن میں یہ ذکر ہے کہ ان کو کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

شبہات کے جوابات

جواب نمبر ۱...... ان حضرات نے جو دعویٰ کیا ہے۔ دلائل اس کے مطابق نہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ جسم عنصری کے ساتھ روح کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اور دلیل یہ دی کہ روح جنت میں ہوتی ہے۔ حالانکہ اپنے عقیدے کے مطابق کوئی ایسی حدیث یا آیت یا کسی محدث ومفسر کا قول دکھاتے کہ روح جنت میں ہے اور اس کا تعلق اس جسم کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی ان کے پاس اپنے عقیدے کے مطابق ایسی کوئی دلیل نہیں۔ جس میں اشارۃً یا کنایۃً یا صراحتاً یہ بات ثابت ہو کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق نہیں۔ جب دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں تو گویا دعویٰ بے دلیل ہے۔ جب دعوی بلا دلیل ہے۔ تو وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا۔

جواب نمبر ۲...... جب ان حضرات نے یہ بات مان لی کہ روح جنت میں ہوتی ہے اور شہید کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے۔ ''یا عبادی وتشتھون فازیدکم'' اے میرے بندوں تم اور کیا چاہتے ہو کہ میں زیادہ کروں۔ پس وہ شہید کہتے ہیں ''انا نختار ان تردا رواحنا فی اجساد نا ثم تردنا الی الدنیا'' ہم پسند کرتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے اور ہمیں دنیا میں بھیج دے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جن جسموں سے مخاطب ہوتا ہے۔ وہ جسم یہی دنیا والے جسم ہیں جن کو کہا ''یا عبادی'' اے میرے بندو! اور بندے یعنی شہیدوں کا تمنا کرنا تو اس بات کی دلیل ہے کہ ان جسموں میں حیات ہے۔ کیونکہ تمنا وہی چیز کرتی ہے جس میں حیات ہو اور یہ بالا تفاق مسئلہ ہے کہ یہی جسم عنصری تمنا کرتا ہے۔ کیونکہ جسم مثالی تمنا نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس میں تو پہلے سے روح ہے۔ وہ کیسے تمنا کرے کہ روح کو میرے اندر لوٹا اور میں دوبارہ قتل ہو کر آؤں۔ حالانکہ پہلے یہ قتل نہیں ہوا۔ قتل وہ جسم عنصری ہوا ہے اور وہ جسم عنصری یہ تمنا کر رہا ہے کہ روح ہمارے جسموں میں لوٹا دے۔ تا کہ ہم دوبارہ پہلے کی طرح شہید ہو کر آئیں۔ اس جسم عنصری کا تمنائے شہادت کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہی جسم عنصری حیات ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا کہ اے میرے بندو! اور بندہ روح مع الجسد کو کہتے ہیں اور جسد سے مراد بھی جسد عنصری ہے۔

جواب نمبر ۳...... موت کے بعد شہیدوں کو جو زندہ کہا گیا ہے۔ اس زندگی سے اگر صرف جنت میں جسم مثالی والی زندگی مراد ہیں اور جسم عنصری کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ مانیں تو عام مومنین اور شہیدان دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ کیونکہ عام مومنین جو شہید نہیں ہوئے۔ وہ بھی تو جنت میں جسم مثالی کے ساتھ رہتے ہیں اور خوب مزے اڑاتے ہیں۔ جب فرق نہیں تو پھر ''بل احیاء'' کیوں کہا۔ گویا ''بل احیاء'' کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر شہدا کی اس حیات سے مرنے کے بعد فوری حیات مراد نہ لی جائے تو معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کی خبر سچی نہیں رہتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ خبر دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ فی الحال جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہوں۔ چونکہ روح پر تو موت آتی نہیں۔ اس لئے موت اور پھر حیات یہ اجسام ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی موت چونکہ اسی جسم عنصری پر وارد ہوئی ہے۔ شہید یہی جسم عنصری ہوا ہے اور تمنا بھی یہی

کرتا ہے۔لہٰذا حیات بھی اس کی ثابت ہوگی۔اسی کے بارہ میں کہا کہ وہ زندہ ہے اور شک اسی جسم عنصری کے بارہ میں ہے۔کیونکہ قتل یہی ہوا ہے۔اب جن لوگوں نے اس آیت کی تاویل یہ کی ہے کہ ''احیاء'' سے مراد قبر اور برزخ میں زندہ نہیں۔ بلکہ جنت میں زندہ ہیں۔تو ان کی اس تاویل سے اللہ تعالیٰ کے اس ''احیاء'' والے ارشاد کا فائدہ ہی باطل ہو جاتا ہے۔کیونکہ مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو اس پر یقین نہ رکھتا ہو کہ شہداء دیگر اہل جنت کی طرح زندہ ہوں گے۔کیونکہ جنت میں سرے سے موت ہے ہی نہیں۔(تسکین الصدور ص ۱۲۶) یعنی جب مسلمان اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت میں ہر کوئی زندہ ہوتا ہے۔وہاں کوئی مردہ نہیں ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں بتا دیا کہ وہ جنت میں زندہ ہیں۔ہاں! اس وقت بتاتے جہاں کوئی شک کرتا۔لہٰذا جنت والی زندگی کے بارے میں کسی نے شک نہیں کیا تو اللہ نے اس کے بارہ میں بتایا بھی نہیں۔جس کے بارہ میں شک کیا ہے۔اس کے بارہ میں بتایا بھی ہے اور وہ ہے قبر والا جسم اس میں شک کی گنجائش تھی۔اللہ تعالیٰ نے شک کو دور کر دیا کہ نہیں وہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔

جواب ۴...... ''بل احیاء عند ربھم یرزقون'' وہ شہید اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔یہ رزق اسی جسم عنصری کے لئے ملتا ہے۔کیونکہ روح کو اس کھانے پینے، آرام وراحت والے رزق کی ضرورت ہی نہیں۔کیونکہ روح ایک اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور قائم بالغیر ہے۔اس کا تو جسم ہی نہیں عین ہی نہیں صرف وجود ہے۔جس طرح کہ ہوا وغیرہ کا وجود ہے جسم نہیں۔ جب یہ عین اور جسم والی چیز نہیں تو اس کو کھانے پینے کی ضرورت ہی نہیں۔جیسے کہ روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شہداء کو خدا کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ رزق جسم کے لئے ہوتا ہے۔(روح المعانی ص ۱۷ ج ۲) اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا'' حیات بمعنی افعال حیات ہیں۔ورنہ ارواح سب زندہ ہیں۔اسی لئے قرآن وحدیث میں جہاں بھی حیات کا ذکر آیا ہے۔اس کے ساتھ فعل کو بھی افعال حیات میں سے ضرور ذکر کیا گیا ہے۔''بل احیاء عند ربھم یرزقون'' میں ان کا مرزوق ہونا ذکر فرمایا ہے جو زندوں کا فعل ہے۔ یعنی اگرچہ دوسرے بھی زندہ ہیں۔مگر ان لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے۔یہ زندوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں۔ان کو زندہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ (ملفوظات کشمیری ۱۲۱)

جواب نمبر ۵...... شہید تو ہوا ہے جسم عنصری، ٹکڑے ٹکڑے تو ہوا ہے جسم عنصری، تلوار چلی ہے اس پر اور مزے کرے صرف روح اور جسم مثالی۔یہ انصاف اور عقل کے خلاف ہے۔

شہداء کرام رحمۃ اللہ علیہ کو رزق ملنے کا مطلب

اب یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ رزق ملتا ہے۔لیکن اس کی کیفیت وصورت کیا ہوگی۔اس کے بارے میں دو قول ہیں:

۱...... اصلی کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔لیکن یہ رزق ایسا بھی ملتا ہے جیسا کہ کبھی کبھی آپ ﷺ اس عالم دنیا میں بھی غیبی رزق سے فائدہ اٹھاتے تھے۔جو بدن میں قوت تو پیدا کرتا تھا۔لیکن منہ سے کھانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔جیسا کہ حدیث میں ہے: ''لست کاحدکم انی یطعمنی ربی ویسقینی'' (بخاری ص ۲۶۳ ج ۱) میں تم میں سے کسی ایک کی طرح نہیں۔مجھے میرا رب کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

۲...... اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس طرح عادتاً رزق انسان کو ملتا ہے اور وہ کھاتا پیتا ہے منہ سے، ایسے ہی شہید کو ملتا ہے واقعات سے اندازہ ہو جائے گا۔

حیات شہداء کرام رحمۃ اللہ علیہ دلائل کی روشنی میں

قارئین اب وہ دلائل آئیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ شہید کا یہی جسم زندہ ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ۱...... "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون" (جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے ہیں۔ ان کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم کو شعور نہیں) (بقرہ:۱۵۴)

فائدہ! حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس آیت کریمہ سے شہداء کی حیات مرنے کے بعد عبارت النص سے ثابت ہے اور اسی جسم کو حیات حاصل ہے۔ کیونکہ "یقتل" فعل مضارع کا صیغہ ہے اور فعل حدث پر دلالت کرتا ہے یعنی فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شہداء کو جو قتل کیا جاتا ہے۔ وہ قتل والا کام ختم ہو جاتا ہے۔ قتل کرنا ختم ہو گیا۔ ایسے نہیں کہ شہید کو ابھی تک قتل کر رہے ہیں اور شہید ہمیشہ قتل ہوتے رہیں گے۔ جب موت آ گئی تو قتل کرنا ختم اور ظاہر ہے کہ قتل جسد عنصری ہوا ہے۔ نہ کہ جسم مثالی اور اسی جسد عنصری کو لوگ مردہ کہتے ہیں۔ جسم مثالی کو کوئی مردہ نہیں کہتا اور نہ ہی روح کو کوئی مردہ کہتا ہے تو جب اسی جسم کے بارے میں لوگوں نے کہنا تھا کہ مردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہید کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے فوراً روک دیا کہ اس کے جسم کو مردہ نہ کہو "بل احیاء" بلکہ یہی جسم روح کے تعلق کی وجہ سے زندہ ہے۔ اب ان جسموں کو نہ مردہ کہنا ہے۔ نہ مردہ خیال کرنا اور نہ مردہ ہونے کا عقیدہ رکھنا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ موت تو ان پر یقیناً آئی۔ لیکن اس موت کو دوام نہیں۔ اب دوام ہے کس چیز کو تو آگے فرمایا "بل احیاء" میں احیاء خبر ہے اس کا مبتداء ہم ضمیر ہے جو من کی طرف لوٹ رہی ہے اور جملہ اسمیہ ہے (یعنی "بل ہم احیاء" اور جملہ اسمیہ استمرار کے لئے آتا ہے۔ یعنی ان کی یہ زندگی جو مرنے کے بعد عطاء ہوئی ہے وہ ہمیشہ رہے گی) اب ان منکرین حیات کا یہ کہنا کہ قتل تو شہید کا جسم ہوا۔ لیکن "بل" کے بعد "احیاء" سے مراد جو حیات ہے۔ وہ صرف روح کے لئے حیات ہے۔ یہ بالکل وہی بات ہے جو قادیانی کہتے ہیں کہ "وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ" قتل کا تعلق تو یقیناً جسم مسیح کے ساتھ ہے۔ لیکن رفع اور آسمانوں پر اٹھانا صرف روح کا ہے۔ ہم کہتے ہیں جس جسم کو یہودی قتل کرنا چاہتے تھے۔ اسی جسم کو خدا نے قتل سے بچا کر آسمانوں پر اٹھالیا۔ اس طرح شہید کا جو جسم قتل ہوا۔ اسی جسم کو اللہ تعالیٰ نے حیات عطاء فرمائی ہے۔ کیونکہ "بل" سے پہلے اسی جسم عنصری کے قتل کا ذکر ہے تو بل کے بعد بھی لازمی طور پر اسی جسم عنصری کے قتل کا ذکر ہے (تو "بل" کے بعد بھی لازمی طور پر اسی جسم عنصری کے قتل کا ذکر ہے) کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ بل اپنے ماقبل سے حکم ختم کر کے اپنے مابعد کے لئے حکم کو ثابت کرتا ہے۔ جیسے "جاءنی زید بل عمرو" آیا میرے پاس زید بلکہ عمرو یعنی زید نہیں آیا بلکہ عمرو آیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شہید کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ شہید زندہ ہے۔ لیکن ایسی زندگی کے ساتھ جو ہمارے شعور میں نہیں آئے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ احیاء سے مراد اکیلی روح جسم مثالی والی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اکیلی روح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مردہ کہنا نہیں کہا ہے بلکہ اس جسم کے متعلق مردہ نہ کہنے کا حکم فرمایا ہے جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوا ہے۔ روح تو نہ کبھی مری ہے اور نہ اس پر موت آئے گی۔ وہ تو ہمیشہ سے ہمیشہ تک زندہ رہے گی۔ معلوم ہوا کہ اکیلی روح کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے سارے اعزاز و اکرام اسی جسم عنصری کے لئے ہیں

جو مقتول فی سبیل اللہ ہوا ہے۔اس لئے احیاء کا تعلق اجسام کے ساتھ ہوگا۔نہ کہ روح جسم مثالی والی کے ساتھ۔ (فافہم)

اعتراض...... بظاہر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ادب کی وجہ سے روک دیا ہو کہ شہداء کو مردہ نہ کہو۔کیونکہ اس میں ان کی بے ادبی ہے۔بلکہ ان کا ادب کرتے ہوئے یوں کہو وہ زندہ ہیں۔اب ان کا زندہ ہونا عقیدہ کی وجہ سے نہیں، (حقیقتاً نہیں) بلکہ ادباً ہے، جیسے کہ منکرین حیات عقیدہ رکھتے ہیں۔مردہ نہ کہنے کا کہ ظاہر اور ادب کی وجہ سے مردہ نہیں کہتے۔

جواب......" ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹)" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس وہم کی بھی تردید کردی کہ دل میں خیال بھی نہیں لانا کہ وہ مردہ ہیں۔جب دل میں خیال تک کو روک دیا گیا تو عقیدہ رکھنا کیسے صحیح ہوگا؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ روک دیا کہ ہرگز ہرگز گمان نہ کرو ان کے بارہ میں جو شہید ہوئے تو ان شہیدوں کے جسم کو مردہ کہنا اور خیال کرنا گناہ کبیرہ ہے تو ان کے مردہ ہونے کا عقیدہ رکھنا تو قریب من الکفر ہے۔

شہیدوں کے جسم عنصری کو زندہ نہ ماننے کے نقصانات

جسم عنصری کے متعلق آپ نے مکمل مسئلہ پڑھا کہ سب کچھ اسی جسم عنصری کے لئے ہے تو جو شخص جسم عنصری کو زندہ نہیں مانتا اس کے نقصانات کیا کیا ہیں؟ ملاحظہ فرمائیں۔دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نہی کا صیغہ استعمال فرمایا ہے" ولا تقولوا، ولا تحسبن، ولا تقولوا" جمع مذکر نہی حاضر کا صیغہ ہے۔ولا تحسبن واحد مذکر حاضر نہی با نون ثقیلہ کا صیغہ ہے۔جب یہ نہی کے صیغے ہیں تو نہی کے صیغوں سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے جسم کو مردہ کہنے، خیال کرنے اور عقیدہ رکھنے سے منع فرمادیا ہے۔اب اس عقیدہ سے رکنا اور اس عقیدے کو چھوڑنا واجب ہے اور جو نہیں رکے گا واجب کو چھوڑنے والا ہے۔گناہ کبیرہ کرنے والا ہے۔اگر کوئی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے بھی مردہ ہونے کا عقیدہ رکھے یا خیال کرے تو بھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا شمار ہوگا۔کیونکہ شریعت میں جہالت کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر کوئی جان بوجھ کر یہ عقیدہ رکھے۔جیسے منکرین حیات رکھتے ہیں۔تو یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔اب اگر اس گناہ کو گناہ سمجھ کر یہ عقیدہ رکھے تو اس کو توبہ کی توفیق ہوتی ہے اور اگر اس کو ثواب سمجھ کر عقیدہ رکھا جائے تو توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔الٹا کئی گناہ اور بھی ساتھ ہوتے ہیں" نیکی برباد گناہ لازم" کے مترادف ہوتا ہے۔نتیجہ یہ نکلا کہ جو بھی یہ عقیدہ رکھے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء کرام رحمۃ اللہ علیہ، اپنی اپنی قبروں میں اسی جسم عنصری والے جسم کے ساتھ زندہ نہیں اور روح کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو یہ عقیدہ رکھنا تقریباً دس گناہوں کا مجموعہ ہے اور گناہ بھی گناہ کبیرہ ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) ایسا عقیدہ رکھنے سے اللہ کے حکم کو نہ ماننا لازم آتا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔(۲) پھر نہ ماننے پر اصرار اور ضد یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔(۳) اللہ نے حکم دیا تھا کہ مردہ خیال بھی نہیں کرنا، ان لوگوں نے خیال سے بڑھ کر عقیدہ رکھ لیا، گمان کا علیحدہ گناہ عقیدے کا علیحدہ گناہ۔(۴) ان کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنا ثواب ہے، اگر ثواب نہ سمجھتے تو عقیدہ نہ رکھتے، اس کو ثواب سمجھنا یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔(۵) اس کی تبلیغ کرنا اور لوگوں کو گمراہ کرنا، یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔(۶) جو یہ عقیدہ نہیں رکھتے ان کو مشرک کہنا، یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔(۷) پھر ان تمام گناہوں کو علی الاعلان کرنا سب کے سامنے بیان کرنا، یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔(۸) پھر اس پر فخر کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔(۹) پھر ان تمام گناہوں

کو گناہ نہ سمجھنا، سب سے بڑا گناہ ہے۔ (۱۰) پھر ان سب گناہوں کو توحید و سنت کا نام دینا، یہ بھی کبیرہ گناہ ہے (تلک عشرۃ کاملۃ) یہ منکرین حیات والا عقیدہ رکھنا جس کے اتنے نقصانات ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے منکر حیات سویا ہوا ہو، یا جاگتا ہو، نماز پڑھتا ہو یا تلاوت کرتا ہو۔ غرض جو بھی نیک کام کرے، اس عقیدے کی وجہ سے دس گناہوں کو بھی بیک وقت کر رہا ہے، چوبیس گھنٹے دس گناہوں میں ملوث ہے، جو آدمی اتنے گناہ کرے اس پر اللہ کی رحمت کیا برسے گی؟ اسی وجہ سے دارالافتاء جامعہ قاسم العلوم ملتان سے یہ فتویٰ جاری ہوا کہ منکرین حیات النبی ﷺ گمراہ اور سخت گنہگار ہیں اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں اگر کوئی پڑھ بھی لے تو واجب الاعادہ ہے۔ (اظہار الحق علامہ عبد الحمید حقانی صوابی)

کانوا احیاء مرزوقین

دلیل نمبر ۲...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب لوگ حساب و کتاب کے لئے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی گردن پر تلواریں رکھے ہوئے آئیں گے، جن سے خون ٹپک رہا ہوگا۔ یہ لوگ جنت کے دروازے پر جمع ہو جائیں گے۔ لوگ پوچھیں گے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جن کا حساب و کتاب بھی نہیں ہوا، سیدھے جنت میں آ گئے ہیں)۔ لوگوں کو بتایا جائے گا کہ یہ شہید ہیں۔ جو "کانوا احیاء مرزوقین" زندہ تھے۔ جنہیں رزق ملتا تھا۔ (رواہ الطبرانی منقول از آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۶۵۳ ج ۸)

فائدہ! جن جسموں سے خون ٹپک رہا ہے۔ اسی کے بارہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ زندہ تھے۔ انہیں رزق ملتا تھا۔ روح سے نہ خون ٹپکا۔ نہ آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں کچھ ارشاد فرمایا۔

آپ ﷺ کا احد سے واپسی پر شہیدوں کے زندہ ہونے کی گواہی دینا

دلیل نمبر ۳...... حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ جب احد سے واپس ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی قبر پر ٹھہرے اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہو۔ (پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:) پس ان کی زیارت کرو اور ان کو سلام کہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بھی ان کو سلام کہے گا اسے یہ ضرور جواب دیں گے قیامت تک۔ (حاکم صححہ بیہقی وطبرانی، شرح الصدور ص ۲۰۳)

فائدہ! آپ ﷺ نے شہیدوں کے بارے میں فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ زندہ ہیں پھر قسم اٹھا کر فرمایا کہ سلام کا جواب دیتے ہیں جن کی قبر پر آپ ﷺ قیام فرما ہیں۔ ان کے بارہ میں سب کچھ ارشاد فرما رہے ہیں اور قبر میں یہی جسم ہوتا ہے نہ کہ روح۔ البتہ روح کا اتنا تعلق ہے کہ وہ زندہ اعلیٰ زندگی کے ساتھ ہے۔ اب جن لوگوں کو آپ ﷺ کے ارشاد کا یقین ہو۔ وہ تو بلا چون و چرا اس کہیں گے کہ یہی جسم زندہ ہے۔ جن کو معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر یقین نہیں۔ وہ نہیں مانیں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت کہ شہید کا رزق جاری رہتا ہے

دلیل نمبر ۴...... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اسلامی ملک کی سرحد کی ایک رات ایک دن حفاظت کرنا ایک مہینہ کے نفلی روزوں سے اور ایک مہینہ کی

راتوں میں نماز کے لئے کھڑے رہنے سے بہتر ہے۔ یہ حفاظت کرنے والا اگر اسی حالت میں مر گیا تو جو وہ نیک عمل کرتا تھا۔ اس کا ثواب اس کے لئے قیامت تک جاری رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور قبر میں فتنہ ڈالنے والوں سے امن میں رہے گا۔ (مشکوۃ ص ۳۲۹ ج ۲ رواہ مسلم)

شہادت کے بعد تلاوت کرنا

دلیل نمبر ۵......ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "غابہ" میں اپنے مال وجانور وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے گیا تھا کہ رات ہوگئی تو میں عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب لیٹ گیا تو قبر سے ایسی قرأت سنی کہ اس سے اچھی قرأت کبھی نہیں سنی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ قاری عبد اللہ شہید رضی اللہ عنہ تھے۔ تمہیں معلوم نہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو قبض کر کے زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھتے ہیں اور ان کو جنت کے درمیان آویزاں کر (یعنی لٹکا) دیتے ہیں۔ جب رات آتی ہے تو ان کی روحیں ان کے اجسام کی طرف واپس کر دی جاتی ہیں اور جب صبح ہوتی ہے تو پھر ان قندیلوں میں آجاتی ہیں۔ (یہ حدیث حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری ص ۱۷۰ ج ۲ میں ذکر کی ہے)

فائدہ! حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اسی قبر کے قریب لیٹے تھے اور اسی قبر سے قرأت کی آواز آئی اور اسی قبر والے جسم کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں روح لوٹ آتی ہے رات کے وقت تو یہی جسم زندہ ہوا۔ پھر جب روح صبح کو چلی جاتی ہے تو اس کا تعلق باقی رہ جاتا ہے۔ معلوم ہوا اسی قبر والا جسم بعینہ زندہ ہوتا ہے۔ نہ کہ روح صرف تلاوت کر رہی تھی علیین اور جنت میں کہ اس کی آواز صحابی رضی اللہ عنہ نے سن لی ہو قبر سے۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ جسم مردہ ہے اور صرف روح زندہ ہے۔ باطل ہوا۔

علماء کرام کے اقوال کہ شہید کا جسم عنصری زندہ ہے

۱...... قرآن پاک میں جو شہداء کو زندہ کہا گیا ہے۔ تو اس کی دلیل میں یرزقون بھی فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "بل احیاء" یہ دلیل ہے ان شہداء کی حیات (جسمانی) پر اور بے شک وہ شہداء رزق دیئے جاتے ہیں اور رزق اس کو ملتا ہے جو زندہ ہو۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۷ ج ۲)

۲...... حیات شہداء کے بارے میں حضرت امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حیات شہداء کی آیت کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیات حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں۔ آگے لکھا کہ اس کی حیات فی القبر حقیقی حیات ہے اور رزق سے مراد وہی رزق ہے جسے عادتاً رزق کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ (نیل الاوطار ص ۱۱۳ ج ۳) ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں شہداء کے بارے نص وارد ہوئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں اور ان کی یہ حیات جسدی حیات ہے۔ وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد! (نیل الاوطار ص ۲۲۱ ج ۳)

۳...... حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ میرے مرشد حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کشف والی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہداء پر اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ آگے لکھا کہ یہ عنایات صرف شہداء تک ہی محدود ہیں۔ کیونکہ مقربین

فرشتوں پر بھی خداوند تعالیٰ کی ذاتی تجلیات نہیں پڑتیں۔ ان پر صفاتی تجلیات ہی پڑتی ہیں۔ ذاتی تجلیات صرف انسانوں کے لئے خاص ہیں۔ (معالم العرفان ص ۵۲۷ ج ۴)

۴...... حضرت مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہداء کو اللہ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے اور رزق زندہ آدمی کو ملا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دنیا سے منتقل ہوتے ہی شہید کے لئے رزق جنت کا جاری ہوجاتا ہے۔ (بحوالہ قرطبی ۷۲۳ ج ۲)

۵...... حضرت مولانا قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الشھید لا یبلی فی القبر ولا یاکلہ الارض وھذا اثر من اثر حیاتہ'' (شہید قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتا اور اس کو زمین کھاتی نہیں۔ یہ اس کی زندگی کی علامت ہے کہ وہ زندہ ہے) (تفسیر مظہری ص ۱۷۰ ج ۲)

۶...... ''وعن الحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ ان الشھداء احیاء عند ربھم تعرض ارزاقھم علی ارواحم، فیصل الیھم (ای الشھداء) الروح والفرح، کما تعرض النار علی ارواح آل فرعون غدوا و عشیا، فیصل الیھم الوجع (حاشیہ شیخ زادہ محی الدین علی التفسیر البیضاوی ص ۳۹۲، سورۃ بقرہ)'' (حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے شک شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ ان کے رزق ان کی روحوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر ان روحوں کے واسطہ سے شہداء کی طرف راحت اور فرحت یعنی خوشی پہنچتی ہے۔ جیسا کہ آل فرعون کی روحوں پر آگ پیش کی جاتی ہے۔ صبح وشام۔ پھر آل فرعون کے جسموں کی طرف عذاب پہنچتا ہے)

فائدہ! اس قول سے تمام ان احادیث کا مطلب واضح ہوگیا۔ جن میں یہ بات موجود ہے کہ روحیں علیین میں ہیں اور سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔ سیر کرتی ہیں۔ چلتی پھرتی ہیں۔ جنت میں عرش کے نیچے بسیرا کرتی ہے۔ یہ سب کچھ اس روح کے واسطہ سے اسی جسم عنصری کے لئے ہوتا ہے۔ اس جسم عنصری کو فرحت وخوشی پہنچتی ہے۔ کیونکہ روح کو بذات خود کسی شئے کی ضرورت نہیں۔ اس واسطے کہ وہ ایک اللہ کا حکم ہے جو قائم بال[illegible]یر ہے۔ دوسری دلیل اس بات پر کہ یہ سب کچھ جسم عنصری کے لئے ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ انسان کی پیدائش سے پہلے بھی تو روح عرصہ دراز سے تھی۔ اس وقت تو اس کا اتنا اعزاز واکرام بالکل نہیں تھا۔ جیسا کہ اب ہے معلوم ہوا۔ یہ سب کچھ اس جسم عنصری کے لئے ہے۔ اگر روح کے لئے ہوتا تو انسان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی ہوتا۔ پہلے نہ ہونا اس بات پر قوی دلیل ہے کہ اب جسم عنصری کے لئے مل رہا ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

۷...... تفسیر بیضاوی میں یہ بات صراحت کے ساتھ لکھی ہوئی ہے کہ جن لوگوں نے شہداء کے جسم عنصری کے لئے حیات کو ثابت کیا ہے۔ انہوں نے اس بات میں کچھ اختلاف کیا ہے کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ شہداء کے اجسام عنصریہ ہی کو آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے اور عرش کے نیچے قندیلوں میں یہ رہائش اختیار کرتے ہیں اور احادیث سے ثابت شدہ تمام اعزاز واکرام انہی اجسام کے لئے ہوتے ہیں اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان کے اجسام عنصریہ کو زمین میں ہی رکھا جاتا ہے اور اسی کو زندہ کردیا جاتا ہے اور تمام اعزاز واکرام اسی جسم عنصریہ کی طرف پہنچتے ہیں۔ (اور یہی جمہور کا مسلک ہے) (شیخ زادہ محی الدین علی البیضاوی سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۹ ج ۳)

قارئین! اگر دونوں اقوال مان لئے جائیں تو اس میں کوئی حرج ہی نہیں ہے اور یوں تطبیق بھی دی جاسکتی ہے کہ جو شہداء اعلیٰ درجہ کی شہادت کو پالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عرش کے نیچے جگہ دیتے ہیں اور باقی انہی قبروں میں مزے کرتے ہیں خوشی اور فرحت راحت وآرام کرتے ہیں۔ یہی ان کے لئے جنت الفردوس ہے۔

۸...... حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہید جسمانی طور پر بھی زندہ ہے۔ اسے مردہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ "لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ" میں مردہ کہنے کی ممانعت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ "قتیل و شہید فی سبیل اللّٰہ" وجود اور جسم ہے۔ لہٰذا شہید کے وجود اور جسم کو مردہ نہیں کہہ سکتے۔ وہ زندہ ہے۔ ایک تو اکراماً، دوسرا جسم کے ساتھ روح کے تعلق ہونے کی وجہ سے۔ (حیات الاموات ۸۸)

۹...... محمد بن علی بن محمد المعروف قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں صراحت سے شہدا کے بارے میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور بلاشبہ یہ حیات ان کے جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء کرام و مرسلین علیہم السلام کی حیات بطریق اولیٰ اجسام سے متعلق ہوگی۔ (نیل الاوطار ص ۲۶۴ ج ۳)

حیات شہداء کرام رحمۃ اللہ علیہ واقعات کی روشنی میں

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کھولنے کا واقعہ

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد نشتر میڈیکل کالج ملتان والے کہتے ہیں کہ یہ ۱۹۶۸ء کا واقعہ ہے کہ میں سعودی عرب میں "بریدہ" کے مقام پر بطور فزیشن کام کر رہا تھا۔ جمعہ کے روز زیارت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ وہاں ایک اپنے ڈاکٹر دوست کے پاس قیام کیا۔ ڈاکٹر صاحب اس دن بیمار تھے اور مریض بہت زیادہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے مریض دیکھنے کے لئے کہہ دیا۔ چنانچہ میں نے مریضوں کو چیک کر کے فارغ کر دیا۔ ان میں سے ایک بوڑھا بدو مجھے احد پہاڑ کے پاس مریض دیکھنے کے لئے لے گیا۔ شہداء احد کے پاس ہی خیمہ میں مریض پڑا تھا۔ میں نے اسے چیک کر کے نسخہ لکھ دیا۔ اس کے بعد وہ شخص مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مزار مقدس پر لے گیا اور بتایا کہ آج سے پچاس سال پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر نیچے وادی میں تھی۔ ایک دفعہ زبردست بارش ہوئی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پانی کے نیچے آ گئی۔ شریف مکہ جو ان دنوں میں حجاز مقدس کا حکمران تھا۔ اس کو خواب آیا جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مکہ کے حکمران کو کہا کہ مجھے بارش کا پانی تنگ کر رہا ہے۔ اس کا بندوبست وانتظام کرو۔ شریف مکہ نے علماء کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ جب قبر کو کھودا گیا تو واقعی اس میں پانی تھا۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو اونچی جگہ منتقل کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ بوڑھے دیہاتی نے کہا کہ قبر کھودنے والوں میں میں بھی شریک تھا۔ کھودائی کے دوران کدال، کسی معمولی سی غلطی سے نعش مبارک کے ٹخنے پر جا لگی۔ یہ دیکھ کر سب لوگ حیران ہو گئے کہ وہاں سے تازہ خون جاری ہو گیا۔ چنانچہ اس جگہ پٹی باندھ دی گی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو کھولا گیا تو دیکھا کہ جسم کے نچلے حصہ پر کفن موجود ہے۔ زخموں سے تازہ خون رس رہا ہے۔ آنکھ نکلی ہوئی ہے اور کان، ناک کٹے ہوئے ہیں اور پیٹ چاک ہے، وہاں پر موجود سب لوگوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور اسی حالت میں ان کو پرانی قبر سے اونچی جگہ منتقل کر دیا گیا۔ یہ سارا ماجرا مجھے اس دیہاتی نے اس لئے سنایا تا کہ ہمیں مرنے کے بعد زندگی پر یقین آ جائے۔ (قبر کی زندگی اور موت کے چند مناظر مکتبہ نعمانیہ سرگودھا)

فائدہ! اس واقعہ سے صراحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوئی کہ شہید کا قبر میں رکھا ہوا جسم عنصری زندہ ہوتا ہے۔ اگر زندہ نہ ہوتا تو خون کبھی نہ نکلتا۔ خون کا نکلنا زندہ ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت حافظ ضامن شہید تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مرنے کے بعد کلام کرنا

حضرت حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر ایک صاحب کشف بزرگ فاتحہ خانی کے لئے تشریف لے گئے۔ فاتحہ کے بعد کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں؟ بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر فاتحہ پڑھو۔ یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو؟ یہ کیا بات ہے۔ پھر لوگوں نے بتایا کہ یہ شہید ہیں۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۷۰)

شہید کے منہ میں پھل نما چیز سے پانی کا گرنا

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد فرماتے ہیں کہ میرا ایک دوست کینال (ایک نہر کا نام ہے جو تونسہ بیراج سے نکالی جا رہی تھی اور اس کی کھدائی کا کام مکمل ہو چکا تھا) کے معائنہ کے لئے گیا۔ وہاں پہنچنے پر دیکھا کہ مزدور ایک جگہ جمع ہوئے کھڑے ہیں اور شور مچا ہوا ہے۔ یہ دوست انجینئر تھے۔ مزدوروں نے انجینئر صاحب کو دیکھا تو اس کے پاس آئے اور بتایا کہ نہر کی تہہ میں (یعنی نہر کے نیچے) ایک سراخ سے انسانی جسم کا ایک حصہ نظر آ رہا ہے۔ انجینئر صاحب نے خود جا کر دیکھا اور کہا کہ اوپر والی مٹی ہٹاؤ۔ جب مٹی ہٹائی گئی تو نیچے سے پوری انسانی نعش نظر آ رہی تھی۔ اس نعش میں دو باتیں حیران کن تھیں۔ ایک تو اس کے کپڑے خون آلودہ تھے جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ شہید کی نعش ہے۔ دوسرا اس کے منہ کے اوپر ایک پھل نما چیز رکھی ہوئی تھی۔ جس سے وقفہ وقفہ کے بعد کچھ قطرے نعش کے منہ میں گر رہے تھے۔ نہر کی کھدائی تقریبا بیس فٹ نیچے تھی اور یہ نعش اس سے بھی نیچے تھی۔ مٹی میں محفوظ تھی۔ جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اس آدمی کو دنیا سے کوچ کئے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ اسی شام کو انجینئر صاحب میرے گھر آئے اور مجھے پوارا واقعہ سنا کر کہنے لگے کہ قرآن پاک میں یہ جو کہا گیا ہے کہ شہیدوں کو مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔ میں اس آیت کی زندہ مثال دیکھ کر آ رہا ہوں اور مجھے مکمل یقین ہو گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے جس میں یوم حساب بھی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اس شہید کی نعش کو بھی کھا جاتی جو صدیوں سے زمین کے اندر محفوظ تھی۔ کہنے لگے ایسا لگتا تھا جیسے مردہ اس وقت کی انتظار میں ہے جب اللہ تعالیٰ دوبارہ اس میں روح پھونکیں گے اور یہ یوم حساب کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا۔ میں نے انجینئر صاحب سے کہا کہ آپ کے اور ہمارے قیامت پر ایمان لانے میں فرق ہے۔ ہم تو آپ ﷺ کی احادیث سن کر ایمان لے آئے اور آپ نے جب تک مشاہدہ نہیں کیا آپ کو یقین نہیں آیا۔ (قبر کی زندگی اور موت کے چند مناظر۔ مکتبہ نعمانیہ سرگودھا)

ایک نعش پر پڑے پھولوں کی خوشبو سے علاقہ معطر

چند برس پہلے کی بات ہے کہ راجن پور کے علاقہ میں ایک مردے کو دفن کرنے کے لئے ایک قبر تیار کی گئی۔ ابھی تک لوگ مردہ کو لے کر قبرستان نہیں پہنچے تھے کہ پورے قبرستان میں بھی عجیب وغریب حیرت انگیز خوشبو مہک رہی تھی۔ لوگ حیران ہوئے کہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے۔ جب کہ قبرستان میں صرف دو پیلو کے درخت اور اور چند جنگلی پودے تھے جو کہ خوشبو بالکل نہیں دے سکتے تھے۔ تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ خوشبو کا منبع نئی تیار کی گئی قبر کی تہہ میں موجود ایک سوراخ ہے۔ لوگوں نے جب اس سوراخ کو کھلا کیا تو نیچے سے ایک اور قبر نکلی جس میں سفید پوش

بزرگ ہمیشہ سے سور ہے تھے۔ قابل حیران بات یہ تھی کہ ان کی نعش کے اوپر ایک پھول رکھا ہوا تھا اور خوشبو دے رہا تھا۔ تمام شہر کے لوگوں نے یہ منظر دیکھا اور خوشبو سونگھی۔ (قبر کی زندگی اور موت کے چند مناظر ڈاکٹر نور محمد)

فائدہ! ان تمام واقعات سے بخوبی علم ہو گیا کہ شہید کا نص قرانی کے مطابق یہی جسم عنصری زندہ ہوتا ہے اور رزق دیا جاتا ہے اور یہی قبر شہید کے لئے جنت کا باغ ہے اور روح کا اس جسم عنصری سے قوی تعلق ہوتا ہے۔

ایک منکر حیات سے مناظرہ

حضرت مولانا محمد امین صفدر و کاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مناظرہ میں میں نے یونس نعمانی سے پوچھا کہ آپ ذرا موت کا معنی واضح کریں تو اس نے فورا کہا کہ روح جسم سے نکل جائے اور اس کا تعلق جسم سے نہ ہو۔ حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اب حیات کا معنی بھی واضح کرو۔ تو وہ اس پر تین دفعہ کانپا۔ کیونکہ اس نے حیات کا معنی بھی یہ بتانا تھا کہ روح سبز پرندوں میں ہے یا علیین میں ہے اور اس جسم کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو یہی موت کا معنی ہے نہ کہ حیات کا۔ تو اب وہ تین دفعہ یوں لرزا۔ جب میں نے بار بار اصرار کیا کہ اب حیات کا معنی بھی سمجھا دیں۔ کیونکہ انبیاء اور شہید میں موت کے بعد حیات بھی تو ثابت ہے۔ تو لہٰذا اس کا معنی بھی معلوم ہونا چاہئے۔ اب جب وہ زیادہ مجبور ہوا تو کہنے لگا کہ حیات کا ایک معنی وہی ہوتا ہے جو موت کا ہے۔ حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اس پر کہا کہ اس کا مطلب صاف نکل آیا کہ جو شخص جسم کے ساتھ روح کے تعلق کا انکار کرتا ہے کہ اللہ نے کہا کہ ان کو مردہ نہ کہو۔ اب اگرچہ اس نے لفظوں میں تو مردہ نہیں کہا۔ لیکن معنی وہی کیا کہ جسم کے ساتھ روح کا تعلق نہیں ہے۔ تو اس آیت کا انکار کر گیا۔ اب جب اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ یہ پھنس چکا ہے۔ تو انہوں نے شور ڈالنا شروع کر دیا کہ اندھیرا ہو رہا ہے۔ بس کرو۔ باقی مناظرہ صبح ہوگا۔ (تسکین الازکیاء فی حیات الانبیاء ص ۷۴)

شہید کا ہاتھ کو حرکت دینا

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد سیدنا عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پانی کے سیلاب کی وجہ سے ان کی قبروں کو (جو کہ احد کے قریب تھیں) دوسرے مقام پر منتقل کیا گیا۔ جب ان کی قبروں کو کھولا گیا تو ان دونوں کے اجسام مبارک ایسے تھے۔ جیسے کل ان انتقال ہوا ہے۔ اور ان کے اجسام مبارکہ میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں تھا۔ ان دونوں میں سے ایک نے اپنے بدن پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اسی حالت میں دفن کر دیا گیا۔ جب ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو پھر چھوڑنے پر اسی پہلے والی جگہ پر خود بخود جالگا۔ یہ واقعہ ۴۶ھ کا ہے۔ (موطا امام مالک ص ۱۷۷)

فائدہ! وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوگئی کہ شہداء کے یہی دنیا والے جسم قبر میں زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ان کی روحیں جنت میں سیر کرتی ہیں۔ لیکن ان کا قوی تعلق ہوتا ہے اجسام کے ساتھ۔ اس تعلق کی وجہ سے وہ اجسام ایسی زندگی پالیتے ہیں۔ جسے وہ خود بھی محسوس کرتے ہیں اور واقعات سے ہم نے بھی مشاہدہ کیا ہے۔

صحابی رضی اللہ عنہ کی میت کو دوسری جگہ منتقلی اور شہید صحابی کا تیرہ سو سال بعد تلاوت کرنا

یہ واقعہ ۱۹۳۲ء قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ پہلے اس کا نام مدائن تھا جہاں

اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم گورنری کے عہدہ پر فائز رہے خلافت راشدہ کے زمانے میں۔ یہاں ایک شاندار مقبرہ ہے جس میں مشہور صحابی رسول ﷺ سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدفون ہیں اور اب آپ کے مزار اقدس کے قریب دو اور صحابی رسول ﷺ سیدنا حذیفہ الیمانی اور سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے مزارات بھی ہیں جو پہلے عراق کے مشہور دریا، دریائے دجلہ کے کنارے قصبہ سلمان سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر تھے۔ اس وقت ملک کا بادشاہ شاہ ملک فیصل تھا۔ دریائے دجلہ مزارات کو کاٹتا ہوا حضرت جابر بن عبد اللہ اور حذیفہ الیمانی رضی اللہ عنہما کے مزارت اور قبر کی جڑ تک پہنچ گیا۔ حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں شاہ فیصل کو فرمایا کہ دونوں کو موجودہ مزار سے منتقل کر کے کچھ دور انتظام کیا جائے۔ اس لئے کہ میرے مزار میں پانی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مزار میں نمی شروع ہوگی ہے۔ بادشاہ نے یہ خواب تقریباً دو دن مسلسل دیکھا۔ لیکن خواب سمجھ کر بے پرواہی کرتا رہا۔ بالآخر تیسرے دن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں عراق کے مفتی اعظم کو یہی بات فرمائی کہ متبادل انتظام کیا جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی تنبیہ کی کہ ہم دوراتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں۔ لیکن اس نے بھی تک کوئی انتظام نہیں کیا۔ اب تمہارا کام ہے۔ اس بادشاہ کو متوجہ کر کے فوری بندوبست کرو۔ چنانچہ اگلے ہی دن مفتی اعظم نورالسعید پاشا وزیر اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے جا ملے اور سارا واقعہ سنایا۔ بادشاہ فیصل نے تصدیق کی کہ دوراتوں سے میں بھی دیکھ رہا تھا۔ آخر کافی غور وخوض اور مشورے کے بعد شاہ فیصل نے مفتی اعظم سے کہا کہ آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں۔ میں اس کی تعمیل کر دیتا ہوں۔ مفتی اعظم نے فوراً مزارات کھولنے کا فتویٰ دیا۔ اگلے دن یہ فتویٰ اور بادشاہ کا بیان دونوں اکٹھے اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ فلاں دن مزارات کھولے جائیں گے۔ تمام حضرات شرکت کریں۔ یہ خبر شائع ہونے کی دیر تھی کہ پوری دنیا میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ حسن اتفاق کہ ایام حج بھی قریب تھے۔ مسلمان حج کرنے کے لئے قافلوں کی صورت میں براستہ بغداد حرمین شریفین میں جمع ہو رہے تھے۔ جب حجاج کرام کو معلوم ہوا کہ یہ خبر اخبارات میں آئی ہے اور عید کے دن مزارات کھولے جائیں گے۔، انہوں نے خواہش ظاہر کی اور درخواست دی کہ کچھ دن عید کے بعد کھولے جائیں۔ تاکہ ہم بھی حج سے فارغ ہو کر شرکت کر سکیں۔ پانی کا کچھ ویسے انتظام کر دیا جائے عارضی طور پر۔ اسی طرح حجاز مقدس، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، افریقہ، روس اور ہندوستان، وغیرہ ملکوں سے بھی پیغامات آنے شروع ہو گئے کہ تاریخ کی مدت کچھ اور بڑھا دی جائے۔ ان کی پرزور اپیل پر تاریخ کو کچھ بڑھا دیا اور عارضی طور پر پانی کا بندوبست کر لیا گیا کہ پانی مزید نقصان نہ دے۔ آخر جب مقررہ تاریخ آئی تو لوگ پہلے سے ہی جوق در جوق قافلوں کی صورت میں پہنچ چکے تھے۔ لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے۔ معلوم ہوا کہ واقعتاً سیدنا حذیفہ الیمانی رضی اللہ عنہ کے مزار میں پانی آچکا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مزار میں بھی نمی تھی۔ پہلے حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کو اوپر اٹھایا گیا اور بڑے احترام سے پہلے سے تیار شدہ ایک شیشے کے تابوت میں رکھ دیا گیا۔ پھر حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بھی نعش مبارک کو اسی طرح ایک شیشے کے تابوت میں رکھ دیا گیا۔ اب لاکھوں انسانوں کے لئے دشواری تھی دیکھنے کی تو اس کے لئے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ ایک جرمن کمپنی نے اپنے خرچ پر عین مزارات کے اوپر ۱۰۰ فٹ بلند چار کھمبوں پر کوئی ۳۰ فٹ لمبا اور ۲۰ فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا سکرین لگایا۔ پھر کھمبوں کے چاروں طرف، چار سکرین اور لگائے۔ تاکہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑا زیارت کر سکے۔ ساری کاروائی ہر ایک نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ کیا دیکھا۔ اب جو ان میں شامل تھا۔ ان سب نے بتایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی نعش مبارک حتیٰ

کے کفن، داڑھی مبارک، بالکل صحیح سالم تھیں۔ کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔ ایسے لگتا تھا شاید ان کو فوت ہوئے کوئی دو تین گھنٹے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ دو عجیب باتیں سامنے آئیں:

۱...... دونوں حضرات کی آنکھیں کھلی تھیں اور ان میں اتنی پر اسرار چمک تھی لوگوں نے تجربہ کیا کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں تو سہی۔ لیکن ان دیکھنے والوں کی نظریں اس چمک کے سامنے چندھیا گئیں۔ اس منظر کو دیکھ کر کئی کافر اسی وقت مسلمان ہو گئے اور کئی بعد میں۔

۲...... دوسری عجیب بات یہ کہ ان حضرات کے تابوت حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار کے سامنے رکھے گئے تو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو سفید داڑھی والے ضعیف العمر تھے۔ انہوں نے سورۃ الانبیاء کا یہ رکوع تلاوت کرنا شروع کر دیا۔ "ان الذین سبقت لھم منّا الحسنی" اور بڑی رقت آمیز اور اونچی آواز سے خوبصورت انداز میں۔ سننے والے کہتے ہیں کہ اس جیسی قرأت ہم نے دنیا میں کسی کی نہیں سنی۔ جب خلق خدا نے یہ آواز سنی تو صبر کے بندھن ٹوٹ گئے۔ آہ! و بکا نے قیامت صغریٰ کا نمونہ برپا کر دیا۔ اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گے۔ رکوع ختم کرنے بعد تلاوت بس ہوئی۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب تیار شدہ قبروں میں قیامت تک کے لئے سلا دیا گیا "ھم احیاء عند ربھم یرزقون" (منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اگست ۱۹۶۴ء، رحمت کائنات ص ۷۳)

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کا آسمان کی طرف چڑھنا

۴ھ صفر الخیر کے مہینہ میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک شخص نجد سے آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اسلام کی طرف آپ ﷺ نے دعوت دی۔ لیکن اس نے سکوت اختیار کیا۔ نہ ہاں کی، نہ نا کی۔ جاتے ہوئے آپ ﷺ کو کہا کہ اگر آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نجد والوں کی طرف دعوت اسلام کے لئے بھیج دیں تو امید ہے کہ نجد والے اسلام قبول کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نجد والوں سے غداری کا اندیشہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں ضامن بنتا ہوں کہ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے تقریباً ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے ساتھ نجد کی طرف بھیج دیا۔ جب یہ لوگ "بیر معونہ" (ایک کنوے کا نام ہے) پر پہنچے تو عامر بن طفیل نے غداری کی۔ جو بیر معونہ کے مقام پر رہنے والا تھا۔ اس نے قبیلہ رعل اور ذکوان کو ساتھ ملا کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کرا دیا۔ ان میں سے ایک صحابی حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ وہ ہجرت کے موقع پر غار ثور میں آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روزانہ بکریوں کا دودھ پہنچانے جاتے تھے اور دودھ والی بکریاں چرانے کے بہانے ساتھ لے جاتے تھے۔ صبح کو جاتے اور شام ہونے سے پہلے گھر واپس لوٹ آتے۔ یہ صحابی حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے تو ان کا جنازہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ چنانچہ یہی عامر بن طفیل غداری کرنے والا بطور حیرانگی کے لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ کون مرد تھا؟ مسلمانوں میں سے جس کو میں نے دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان اسے لے جایا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ آسمان نیچے رہ گیا، لوگوں نے کہا کہ وہ صحابی رسول ﷺ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو شہید کرنے والا جبار بن سلمیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ اپنا مسلمان ہونے کا خود واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اسلام لانے کا باعث یہ ہوا کہ میں نے جب حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو انہوں نے آخر وقت میں یہ الفاظ کہے کہ خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کو

آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے۔ اس واقعہ سے آپ ﷺ کو بہت صدمہ ہوا۔ تقریباً ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے رہے اور ان کے لئے بدعا کرتے تھے۔ (بخاری شریف ص ۵۸۷ ج ۲، حیات صحابہ ص ۸۵۳ ج ۳)

فائدہ! اس واقعہ سے جہاں ان حضرات کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔ جنہوں نے یہ بات کہی کہ شہید کے جسم عنصری کو جنت میں پہنچا دیا جاتا ہے اور وہ جنت میں مزے اڑاتا ہے اور کھاتا پیتا ہے۔ وہاں منکرین حیات کی اور مبتدعین کی پوری پوری تکذیب ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ منکرین حیات کہتے ہیں کہ جسم عنصری کے مرنے کے بعد کسی قسم کی حیات نہیں ہوتی۔ اگر حیات نہ ہوتی تو ان کو آسمانوں پر کیوں اٹھایا جاتا۔ آسمانوں پر اٹھایا جانا؟ یہ قوی دلیل ہے اس بات کی کہ شہید کا یہی جسم عنصری ہی زندہ ہوتا ہے اور سب کچھ جو روح کو جنت میں حاصل ہوتا ہے۔ وہ اسی جسم عنصری کے لئے ہوتا ہے۔ نہ کہ روح کے لئے، یا جسم مثالی کے لئے اور مبتدعین کی ایسے تکذیب ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں آپ ﷺ عالم الغیب ہیں۔ اگر عالم الغیب ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ بھیجتے۔ کیونکہ پہلے پتہ چل جاتا کہ انہوں نے ایسے کرنا ہے۔ لیکن خدشے کا اظہار جو پہلے کیا تھا وہ حالات سے اندازہ لگا کر کیا تھا نہ کہ عالم الغیب ہونے کی وجہ سے۔ لہٰذا یہ دونوں فرقے، راہ مستقیم سے ہٹ کر چل رہے ہیں۔ اپنے اپنے عقائد پر نظر ثانی کریں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ ورنہ واللہ عزیز ذوانتقام سب حالات سے بخوبی واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح عقائد رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

عقیدہ معجزات وکرامات......نواں اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ معجزات وکرامات اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں اور انبیاء کرام علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزات اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر کرامات کا ظہور ہوتا ہے اور اللہ کے نبی اور اللہ کے ولی کے کسب واختیار اور ارادے کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ یعنی اللہ پاک کے نبیوں اور ولیوں سے ایسے ایسے کام ظاہر ہوتے ہیں جو عام انسانوں سے سرزد نہیں ہوسکتے۔ اس میں ان برگزیدہ حضرات کا کچھ اپنا ذاتی عمل اور دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم سے ایسا ہوگا فلاں وقت میں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو کسی نبی یا ولی کے ہاتھ پر ظاہر فرمادے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ جو یہاں ہم نے بحث کرنی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس طرح زندگی کی حالت میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے معجزات وکرامات ظاہر ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام سے معجزات اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ سے کرامات ان کے انتقال کے بعد بھی ظاہر ہوتے ہیں اور بعد انتقال کے ان کا ظہور حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ البتہ اس وقت بھی ان کا اس میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے تو کچھ دنیا والوں کے لئے ظاہر ہوجاتا ہے۔ ورنہ قانون اور عادت اسی طرح کی نہیں۔

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات کا عقیدہ کیپٹن مسعود الدین عثمانی والے فرقے کی طرح ہے۔ کیپٹن عثمانی والا فرقہ چونکہ کشف وکرامات کا منکر ہے اور قادیانی مرتد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے منکر ہیں۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی

لکھتا ہے کہ عیسائیوں نے بہت سارے آپ کے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہیں آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۰) نیز آپ ﷺ کے بارے میں مرزا مردود لکھتا ہے کہ معراج جسم کثیف (یعنی جسم عنصری) کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ (ازالہ اوہام ص ۲۰) ایک اور منکر حدیث چوہدری غلام احمد پرویز آپ ﷺ کے معجزات کا منکر ہے۔ جیسا کہ لکھتا ہے کہ اگر آج سائنس اتنی ترقی کرے کہ روشنی کی رفتار سے مریخ یا چاند کے کروں تک پہنچ جائے اور پھر چند منٹوں سکینڈوں میں واپس آجائے تو میں پھر بھی آپ ﷺ کے معراج جسمانی کو نہیں تسلیم کروں گا۔ کیونکہ جسمانی معراج سے یہ تصور کرنا لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مقام پر موجود ہے۔ (منقول از معارف القرآن ص ۴۴۴ ج ۲)

صرف رہ گئے تھے منکرین حیات۔ یہ بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ ﷺ کے معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ساری روح کی کاروائی تھی۔ جسم مبارک بالکل شامل نہیں تھا۔ چنانچہ ان کا مؤلف تحقیق حق پنج پیری منکر حیات لکھتا ہے کہ اس بیان سے معراج والا مسئلہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ یہ ساری باتیں ارواح کی تھیں۔ (تحقیق حق ص ۲۰۷) یہ تو ان کے امام اور مجتہد کا حال ہے۔ اب مقتدیوں نے بھی معجزات وکرامات بعد الموت (یعنی انتقال کے بعد) کا انکار کردیا اور یوں کہہ دیا کہ معجزات وکرامات تو دور کی بات ہے۔ سرے سے قبر بلکہ گڑھے میں کچھ بھی نہیں۔ نہ حیات ہے، نہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ انسانی ڈھانچہ ہے۔ سب کچھ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ کرامات کبھی بھی ممکن نہیں جو یہ عقیدہ رکھے وہ ان کے نزدیک مشرک ہے۔ یہ سب منکرین حیات کا عقیدہ ہے۔ کوئی بھی اس عقیدے سے انکاری نہیں۔ کیونکہ ان کی اصل بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ نہ یہ قبر ہے اور نہ کچھ گڑھے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ تحقیق الحق والے نے لکھا کہ ہم (سارے منکرین حیات) کرامت بعد الموت کے ایک اعتبار سے بھی قائل نہیں۔ (تحقیق حق ص ۷)

<u>وضاحت</u>...... جیسے منکرین حدیث اور قادنیوں نے آپ ﷺ کے جسمانی معراج ہونے کا انکار کیا ہے۔ بالکل انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منکرین حیات نے بھی آپ ﷺ کے جسمانی معراج کا انکار کردیا ہے اور جیسے کیپٹن عثمانی والا فرقہ کشف وکرامات کا زندگی کی حالت میں انکار کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ منکرین حیات ومعتزلہ کرامات بعد الموت کا انکار کرتے ہیں۔ اب صاحب عقل خود فیصلہ کرے کہ کیا ان لوگوں کا علماء دیوبند اہل سنت والجماعت کے ساتھ دور کا بھی کچھ تعلق ہے؟ جب ہر بات میں یہ حضرات علماء دیوبند کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر اپنے آپ کو دیوبندی کس منہ سے کہلاتے ہیں۔ اب یہ منکرین حیات لوگ، منکر حدیث، کیپٹن عثمانی اور قادیانیوں کی صف میں شامل ہوگئے۔ ان کا کسی قسم کا اہل سنت والجماعت علماء دیوبند سے تعلق نہیں۔

معجزہ وکرامت کی تعریف

معجزہ کی لغوی تعریف

معجزہ لغوی طور پر عجز سے مشتق ہے جو قدرت کی ضد ہے۔ ’’ۃ‘‘ اس میں مبالغہ کے لئے ہے (یعنی معجزہ وہ کہلاتا ہے جس کے سامنے لوگ بالکل عاجز ہوں)

اصطلاحی تعریف

اصطلاحی طور پر معجزہ اس کام کو کہتے ہیں جو خلاف عادت اور خلاف قانون ہو اور ایسا کام کہ عام لوگوں سے بالکل نہ ہو سکے اور معجزے والا کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اللہ کے نبی کے ہاتھوں سے لوگوں کے سامنے آتا ہے۔ جیسے کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معجزہ کے اندر فعل عجز کو پیدا کرنے والا اور فی الحقیقت منکروں کو عاجز کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ مگر اس میں نبی کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ (راہ ہدایت ۱۹)

معجزہ کا حکم

انبیاء کرام علیہم السلام کے جو معجزات دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں۔ ان پر ایمان لانا فرض ہے قطعی معجزوں میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے کا معجزہ، پیدائش کے فوراً بعد کلام کرنے کا معجزہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمانی والا معجزہ اور قرآن کا معجزہ وغیرہ۔

کرامت کی تعریف

کرامت ایک ایسے کام کو کہتے ہیں جو کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ جو ولی شریعت کا سو فیصد پابند ہو، قانون اور عادت کے خلاف ہو، یعنی عام طور پر لوگوں سے ایسے کام نہ ہو سکتے ہوں، اللہ تعالیٰ ایسا کام کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ اس کی عزت، اعزاز و اکرام کو بڑھانے کے لئے اور اس میں اللہ کے ولی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ جیسے قلم لکھ رہا ہے تو دیکھنے والا یہی کہے گا کہ سب کچھ قلم کر رہا ہے۔ لیکن قلم کا اس میں کچھ اختیار نہیں۔ کوئی ارادہ وقصد نہیں۔ اسی طرح کرامت ہے کہ دیکھنے سے ایسے معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ اللہ کا ولی خود کر رہا ہے۔ لیکن اس میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ سب کچھ اللہ کی قدرت سے ہو رہا ہے اور ماتحت الاسباب ہو رہا ہے۔ اگرچہ اسباب مخفی ہیں اور ظاہر نہیں ہو رہے۔ جیسے کہ حضرت ابوعلی حسین بن عبداللہ نے فرمایا کہ ان خوارق عادات کے اسباب طبعی موجود ہوتے ہیں اور حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب بھی کوئی واقعہ عادت کے خلاف ہوتا ہے۔ تو وہ واقعہ اسباب ہی کی وجہ سے وقوع میں آتا ہے۔ گو وہ اسباب مخفی اور غیر معمولی ہوتے ہیں۔ (راہ ہدایت ص ۷۲)

کرامت کا حکم

اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کی جو کرامات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں۔ ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ ان سے انکار کرنے والا کافر ہے۔ جیسے اصحاب کہف کی کرامت کہ تین سو نو سال تک سوئے ہوئے رہے اور روحانی غذاء کے ذریعے زندہ رہے اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ملکہ بلقیس کے تخت کا آنکھ جھپکنے سے پہلے آنا وغیرہ اور جو کرامات دلائل ظنیہ سے ثابت ہوں۔ ان کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ ایسی کرامات کا انکار کرنے والا بھی ضلالت اور گمراہی اختیار کرنے والا ہوگا۔ (عقائد اہل سنت والجماعت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود ص ۱۷۷) اگر کوئی خلاف عادت وخلاف قانون کام کسی کافر، منافق، فاسق یا فاجر، یا کسی غیر متبع سنت شخص کے ہاتھوں ظاہر ہو وہ ہرگز ہرگز کرامت

نہیں۔ وہ سو فیصد شعبدہ بازی، جادوگری ہے۔ ایک اختیاری فن ہے جو اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اس میں اس کا ارادہ اور اختیار شامل ہوتا ہے۔ جب چاہے دکھلا دے۔ کرامت کا بالکل مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ایسے کام کرنا ناجائز و حرام ہیں۔

معجزات و کرامات کا بعد الموت حکم اقوال علماء اور فتاویٰ جات کی روشنی میں

آپ حضرات نے کرامت کی تعریف پڑھ لی اور اس کا حکم بھی پڑھ لیا۔ اب آپ حضرات ان حضرات کے اقوال اور فتوے پڑھیں۔ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ جو شخص بعد الموت کرامات کا انکار کرتا ہے۔ وہ اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں۔ فاسق و گمراہ ہے۔ جیسے کہ منکرین حیات کرامات بعد الموت کا بالکل انکار کرتے ہیں۔ جب کرامت بعد الموت کا حکم آجائے گا تو معجزہ بعد الموت کا حکم خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

۱...... حضرت مولانا مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ کرامات اولیاء اللہ حق ہیں۔ حالت حیات اور بعد الموت دونوں میں قرآن و حدیث اور علم کلام (یعنی عقائد) سے یہی عموم ثابت ہیں۔ ان کا انکار کرنے والا مبتدع (یعنی بدعتی ہے) اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اس (انکار کرنے والوں) کا باقاعدہ رد کرنا علماء حق کا فریضہ اور ذمہ داری ہے۔ (فتاویٰ دیوبند المعروف فتاوی فریدیہ ص ۵۴۵ ج ۱)

۲...... دار العلوم حقانیہ کا فتوی کرامات اولیاء قبل الموت و بعد الموت دونوں ثابت ہیں۔ منکرین کرامات اولیاء فرقہ معتزلہ کی طرف مائل ہیں۔ منکرین کرامات اولیاء منکرین حیات الانبیاء اور علماء حق کو علماء سوء کہنے والے اعتدال سے ہٹ کر اعتزال کی طرف مائل ہیں۔ کرامات اولیاء بعد الممات کا یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت اور اکابر علماء دیوبند کا ہے۔ ہمارے جید و مستند اسلاف نے کرامت ولی قبل الموت و بعد الموت دونوں پر جواز کا قول فرمایا ہے۔ تاہم منصب ولایت کے لئے کرامات کا ظہور لازمی نہیں۔ (فتوی نمبر ۲۳۳۸ دار الافتاء دار العلوم حقانیہ مفتی محمد طارق ۲۳ دسمبر ۲۰۰۸ء)

۳...... حضرت مولانا عزیز الرحمن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی کرامات اور تصرفات بعد ممات کے بھی ثابت ہیں۔ اس کو شرک کہنا بھی غلط ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سوائے اللہ کے کسی سے مدد نہ مانگی جائے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۱۵۸ ج ۳)

۴...... حضرت مولانا مفتی عبد الحمید حقانی فرماتے ہیں کہ کرامات اولیاء اللہ حالت حیات اور بعد الممات دونوں حق ہیں اور احادیث اور آثار اور علم کلام (عقائد) سے یہی عموم ثابت ہے اور اس کا منکر معتزلی و نجدی اور مبتدع (بدعتی) تو ہو سکتا ہے۔ دیوبندی نہیں ہو سکتا۔ (اظہار الحق ص ۲۳۹)

۵...... حضرت مولانا مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث اور آثار سے ثابت ہے کہ کرامت بعد الممات اور توسل بالصالحین ثابت ہے۔ تمام دیوبندی اکابر کا یہی مسلک ہے۔ (فتاوی دار العلوم المعروف فتاوی فریدیہ ص ۱۴۱ ج ۱)

فائدہ! جب تمام اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے کہ کرامات بعد الموت ثابت ہیں تو اس سے انکار کرنے والا دیوبند اہل سنت والجماعت سے خارج ہے معتزلی اور بدعتی ہے۔

۶...... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال...... ایک بزرگ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا انتقال ہوا۔ ان کو تختہ پر رکھا گیا تو وہ ہنسنے لگے۔ کیا یہ واقعی صحیح ہے یا غلط؟

جواب...... بطور کرامت یہ واقعہ صحیح ہو سکتا ہے۔ دیوبندی اہل سنت ہیں اور اہل سنت کا عقیدہ تمام عقائد کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اولیاء کی کرامت برحق ہے اور ان واقعات میں عقیدہ کی خرابی کی کوئی بات نہیں۔ ورنہ اہل سنت کرامات اولیاء کے برحق ہونے کے قائل نہ ہوتے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۸۷ ج ۷)

فائدہ! آپ حضرات نے علماء کرام کے فتووں سے پڑھ لیا کہ کرامات مرنے کے بعد بھی ولیوں سے صادر ہوتی ہیں۔ یہ بات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ علماء دیوبند کا یہی عقیدہ و مسلک ہے۔ اب جو نہیں مانتا اس کا علماء دیوبند کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور نہ ماننے والا ان کے نزدیک بدعتی، معتزلی، خارجی، اہل سنت سے خارج ہوگا۔ جب کرامت بعد الموت ثابت ہوگئی تو معجزہ بعد الموت خود بخود ثابت ہو گیا۔ کیونکہ کرامت معجزہ سے ادنیٰ ہے۔ جب ادنیٰ ثابت تو قوی بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہے۔ جس نبی کی امت سے یہ ولی ہے۔ کیونکہ اس امتی کی کرامت نبی کے سچا رسول ہونے پر علامت و دلالت ہے۔ قابل غور تیسری بات یہ ہے کہ معجزات اور کرامات بعد الموت تب ثابت ہو سکتے ہیں۔ جب کہ وہ زندہ ہوں۔ ان کا ثابت ہونا اس بات پر قوی دلیل ہے کہ اس جسم عنصری کو قبر میں حیات حاصل ہے۔

کرامات بعد الموت کا حدیث سے ثبوت

آپ حضرات نے شہداء کی حیات کے مسئلہ میں یہ دلیل جو پڑھی تھی کہ حضرت ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ غابہ میں ایک دفعہ اپنے مال وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں رات ہوگئی اور کسی قبر کے پاس لیٹ گئے اور قبر سے قرآن پاک کی تلاوت سنی تو صبح آپ ﷺ کو واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قاری عبداللہ شہید رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی روحیں ان کے اجسام کی طرف لوٹادی جاتی ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بات کی تصدیق فرمادی کہ واقعتاً تلاوت کرنا بالکل ٹھیک ہے۔ یہی کرامت بعد الموت کی مستقل دلیل ہے اور بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واقعات اس قسم کے ثابت ہیں۔ جیسے ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی جگہ خیمہ لگایا اور قبر سے قرآن پاک کی سورۃ ملک کی تلاوت سنی اور آپ ﷺ نے تصدیق فرمائی تھی۔ اس طرح کے واقعات مستقل دلیلیں ہیں۔ کرامات بعد الموت پر۔ ان سے انکار ممکن نہیں۔

معجزات و کرامات بعد الموت واقعات کی روشنی میں

آپ حضرات مسئلہ حیات النبی ﷺ اور مسئلہ صلوٰۃ وسلام اور مسئلہ استشفاع میں جو واقعات پڑھ چکے ہیں۔ وہ سب کے سب آپ ﷺ کے معجزات بعد الموت میں داخل ہیں۔ مزید واقعات لکھنے کی کتاب میں گنجائش نہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف چند واقعات پر اکتفاء کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ہاتھ پکڑ کر مسجد حرام میں پہنچا دیا

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ میرے پاس یمن کے رہنے والے بزرگ آئے اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایک ہدیہ لایا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے آدمی کو کہا جوان کے ساتھ تھے کہ اپنا قصہ بیان کرو اور ان کو سناؤ تو انہوں نے اپنا قصہ یوں بیان کیا کہ جب میں صنعاء یمن کے شہر سے حج کے

ارادہ سے چلا تو بہت سارے لوگ مجھے باہر تک رخصت کرنے کے لئے آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھے یہ کہہ دیا کہ جب تم مدینہ طیبہ حاضری دو تو آپ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں میرا بھی سلام عرض کر دینا۔ جب میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو اس آدمی کا سلام عرض کرنا بھول گیا۔ مدینہ طیبہ سے نکل کر مکہ مکرمہ کے ارادے سے ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے اور احرام باندھنے لگے۔ تو مجھے اس شخص کا سلام یاد آ گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ بھائیو! میرے اونٹ کا خیال رکھنا۔ مجھے مدینہ طیبہ واپس جانا پڑ گیا ہے۔ ایک چیز بھول گیا ہوں۔ ساتھیوں نے کہا کہ بھائی قافلہ کی روانگی کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر آپ مدینہ طیبہ چلے گئے تو پھر مکہ مکرمہ تک قافلہ والوں کو نہ پاسکو گے۔ میں نے کہا کہ تم میری سواری اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ کہہ کر مدینہ طیبہ واپس لوٹ آیا اور روضہ اقدس پر میں نے حاضر ہو کر اس شخص کا سلام آپ ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اتنے میں رات کا وقت بھی ہو گیا۔ میں مسجد نبوی سے باہر نکلا تو ایک آدمی ذوالحلیفہ کی طرف سے آ رہا تھا۔ وہ مجھے ملا۔ میں نے قافلہ والوں کا حال پوچھا کہ وہ چلے گئے ہیں یا وہیں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ اس نے کہا کہ قافلہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ وہ چلے گئے ہیں۔ تو میں مسجد نبوی دوبارہ لوٹ آیا اور یہ خیال کرتا رہا کہ جب کوئی دوسرا قافلہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جائے گا۔ اس کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ یہ سوچ کر سو گیا۔ رات کے آخری حصہ میں آپ ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ یارسول اللہ! یہی شخص ہے۔ آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوالوفاء! تو میں نے عرض کی یارسول اللہ! میری کنیت ابوالعباس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ابوالوفاء ہو۔ (یعنی وفادار) اس کے بعد آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مسجد حرام، بیت اللہ مکہ مکرمہ میں پہنچا دیا جب میں بیدار ہوا تو مکہ مکرمہ میں تھا۔ آٹھ دن تک میں مکہ مکرمہ میں رہا۔ اس کے بعد میرے قافلہ والے ساتھی مکہ مکرمہ پہنچے۔ (منقول از فضائل حج حضرت مولانا محمد زکریا ص ۱۵۶ بحوالہ روض)

فائدہ! قارئین کرام جہاں صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کا معجزہ ثابت ہوا بعد الموت۔ وہیں چند باتیں اور بھی ثابت ہوئیں کہ آپ ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما روضۂ اطہر میں زندہ ہیں۔ کسی کے ہاتھ صلوٰۃ وسلام والا پیغام بھیجنا صحیح ہے۔ جب کسی کو کوئی پیغام دیا جائے تو ضرور اس کا خیال رکھے۔ بھول نہ جائے وفاداری اسی میں ہے۔

نوٹ: جذب القلوب الی دیار الحبیب یہ کتاب لکھی ہوئی ہے۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے جس کا اردو میں ترجمہ بھی ''تاریخ مدینہ'' کے نام سے آ گیا ہے۔ اس میں انہوں نے ایک مستقل فصل قائم کی ہے جس کا عنوان رکھا ہے: ''جملہ نادر امور اور حوادثات عجائبہ'' جو درحقیقت سید کائنات ﷺ کے معجزات میں سے ہیں۔ (تاریخ مدینہ ۱۶۱) اس فصل میں انہوں نے بعد الموت معجزات کو بیان کیا ہے جس صاحب کو مطالعہ کا ذوق ہو وہ اسی کی طرف رجوع کرے۔

آپ ﷺ کا مدرسہ دارالعلوم دیوبند کا حساب وکتاب دیکھنا

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیوان محمد یٰسین مرحوم جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے تھے۔ ان کا ذکر جہر مشہور تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ان کا ذکر سن کر کوئی بغیر روئے وہاں سے گزر جائے۔ نہایت دردناک آواز میں ذکر کرتے اور بہت روتے تھے۔ ہر وارد وصادر پر اس ذکر اور گریہ کا اثر پڑتا تھا

اور وہ بھی روتا تھا۔ وہ یٰسین مرحوم خود فرماتے تھے کہ ایک دفعہ چھتہ کی مسجد کے شمالی گنبد کے نیچے ذکر جہر میں معروف تھا۔ (چھتہ کی مسجد دارالعلوم دیوبند کی بنیاد تھی) کہ حضرت (مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) مسجد کے صحن میں اسی شمالی جانب مراقب اور متوجہ تھے اور توجہ کا رخ میرے ہی دل کی طرف تھا۔ اسی اثناء میں مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور میں نے بحالت ذکر دیکھا کہ مسجد کی چار دیواری تو موجود ہے۔ مگر چھت اور گنبد کچھ نظر نہیں آ رہے۔ بلکہ ایک عظیم الشان روشنی اور نور ہے جو آسمان تک فضاء میں پھیلا ہوا ہے۔ یکا یک میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اتر رہا ہے اور اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم ہر چہار کونوں پر موجود ہیں۔ وہ تخت اترتے اترتے بالکل میرے قریب آ کر مسجد میں ٹھہر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک سے فرمایا کہ بھائی ذرا مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو بلا لو۔ وہ تشریف لے گئے اور مولانا کو لے کر آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مولانا مدرسہ کا حساب لائیے۔ عرض کیا حضرت حاضر ہے اور یہ کہہ کر حساب وکتاب بتلانا شروع کر دیا اور ایک ایک پائی کا حساب دیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور مسرت کی اس وقت انتہا نہ تھی۔ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا مولانا اب اجازت ہے۔ حضرت نے عرض کیا جو مرضی مبارک ہو۔ اس کے بعد وہ تخت آسمان کی طرف عروج کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۲۹) آگے حضرت حکیم الامت نے اس پر حاشیہ لگایا کہ یہ واقعہ ایک قسم کا کشف تھا جس میں ممکن ہے کہ مولانا کی توجہ کو دخل ہو جو تصرف کا فرد ہے۔ شاید تعبیر اس واقعہ کی یہ ہو کہ مدرسہ کی تصحیح حساب صاحب واقعہ (یٰسین صاحب) کو دکھلانا تھا۔ تاکہ متردد دین اسے سن کر مطمئن ہو جائیں باقی معاندین تو وحی میں بھی شبہ نکال لیتے ہیں۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا موت کے بعد کلام کرنا

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہو گیا۔ لوگ جنازہ تیار کر کے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے تھے۔ تو حضرت نعمان بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اتنے میں دو رکعت نماز نفل پڑھ لوں۔ دوسرے لوگ باتوں میں معروف ہو گئے۔ لوگوں نے اچانک حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کے سینے سے گھنٹی کی سی آواز سنی۔ پھر یہ آواز اونچی ہوئی کہ خاموش ہو جاؤ۔ خاموش ہو جاؤ۔ لوگوں نے یہ عجیب معاملہ دیکھا تو فوراً خاموش ہو گئے۔ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے پھر ایک طویل کلام فرمائی جس میں یہ بھی فرمایا کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم احمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلی کتابوں میں (اسی نام کے ساتھ مذکور) ہے سچ کہا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی ذات میں ضعیف ہیں۔ لیکن دین کے کاموں میں قوی ہیں۔ پہلی کتابوں میں (اسی وصف کے ساتھ) مذکور ہیں سچ کہا سچ کہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قوی امانت دار پہلی کتابوں میں (اسی وصف سے) مذکور ہیں۔ سچ کہا سچ کہا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ انہی کے طریقوں پر ہیں۔ (ازالۃ الخفاء ص ۳۶۴ ج ۱) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب میں علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زید بن خارجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بھی نقل کی ہے اور یہ وہی صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے موت کے بعد کلام کی ہے۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ (اہل قبور کی زندوں سے کلامی ص ۱۷۱ از مولانا منظور نعمانی، حیات الاموات ص ۷۳، مؤلف سید نورالحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ! معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے ساتھ کرامت بعد الموت ثابت ہے۔ کیونکہ کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ نہ اس وقت نہ بعد میں اور مردوں کے قبر میں مرنے کے بعد زندگی پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہو گیا۔

حضرت ربیع بن حراش رحمۃ اللہ علیہ کا موت کے بعد کلام کرنا

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ربعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ دونوں جلیل القدر تابعی سگے بھائی ہیں۔ ایک کا نام ربیع رحمۃ اللہ علیہ ہے اور ایک کا نام ربعی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ تو ربعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی بڑا عابد، تہجد گزار اور روزے رکھنے والا تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ ہم نے اس کے اوپر چادر ڈال دی اور اس کے قریب بیٹھ گئے۔ اچانک کیا دیکھا کہ ربیع بن حراش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹایا اور کہا کہ السلام علیکم۔ ربعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وعلیک ورحمۃ اللہ، سبحان اللہ! کیا مرنے کے بعد کلام اے میرے بھائی؟ اس نے کہا: ''لقیت ربی . . . الخ'' میں اپنے رب سے ملا، سو میرا رب خوشی اور رحمت کے ساتھ ملا اور بالکل بغیر غصے کے۔ (طبقات ابن سعد، ص ۱۵۰ ج ۶)

فائدہ! ان واقعات سے تو ایسے معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے خود روح ان کے اجسام میں دوبارہ لوٹا دی گئی ہو اور یہ واقعات حقیقت پر مبنی ہیں تواتر سے منقول ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ جن سے انکار کم عقلی پر دال اور مبنی ہے۔

ایک بزرگ کا قبر میں تلاوت اور کلام کرنا

حضرت علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایک قبر تیار کر رہا تھا۔ تیار کرتے ہوئے اچانک قریب والی قبر کی ایک اینٹ گر پڑی۔ وہ شخص کیا دیکھتا ہے کہ ایک اللہ والا بزرگ سفید کپڑے پہنے ہوئے گود میں رکھے ہوئے سونے سے لکھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے۔ اس نے اس شخص کے دیکھنے پر سر کو اوپر اٹھایا اور کہا کہ کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے۔ اس نے کہا نہیں۔ تو پھر قبر والے بزرگ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے عافیت نصیب فرمائے۔ اس اینٹ کو اپنی جگہ پر رکھ دو۔ (احکام القرآن ص ۱۷۸ ج ۳)

فائدہ! معلوم ہوا کہ حدیث کے مطابق قبر کشادہ بھی ہوتی ہے۔ جنت کی ہوائیں بھی چلتی ہیں اور اسی قبر میں روح کو لوٹا بھی دیا جاتا ہے۔ نیک لوگ تلاوت نماز وغیرہ میں مشغول بھی رہتے ہیں۔

نوجوان کا موت کے بعد بتانا کہ اللہ نے دو باغ عنایت فرمائے ہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک نوجوان مسجد میں بکثرت عبادت کرتا تھا۔ پس ایک عورت اس فریفتہ ہو گئی۔ اسے اپنی طرف بلایا اور ہمیشہ اسے ورغلاتی رہی۔ حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ شخص اس عورت کے گھر میں داخل ہو جائے۔ لیکن قرآن پاک کی یہ آیت اس کے ذہن میں آئی اور اس کی تلاوت شروع کر دی۔ وہ آیت یہ ہے: ''ان الذین اتقوا اذامسّھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون (اعراف: ۲۰۱)'' (یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں۔ جب ان کو کوئی شیطان کی طرف سے خطرہ آ جاتا ہے تو وہ خدا کی یاد میں لگ جاتے ہیں۔ سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) پس! وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا۔ پھر ہوش آیا تو اسی آیت کو دوبارہ پڑھا۔ پس اتنے میں فوت ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے باپ کے پاس گئے اور اس کی تعزیت کی۔ چونکہ نوجوان کو رات کے وقت دفن کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس لئے اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں نماز جنازہ پڑھی اور جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بھی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنازہ کے بعد اس نوجوان کو آواز دی کہ اے نوجوان جو شخص اپنے رب کی پیشی کا خوف رکھتا ہے۔ اس کو دو باغ ملتے

ہیں۔نوجوان نے قبر سے جواب دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باغ عنایت فرما دیئے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۹، ج ۲، حیاۃ صحابہ ص ۸۴۱، ج ۳ بحوالہ حاکم بیہقی، کنز العمال، ابن عساکر)

فائدہ! ان تمام واقعات سے بیک وقت کئی چیزیں ثابت ہو رہی ہیں:

۱...... قبر شرعی یہی ہے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر آواز دے رہے تھے۔

۲...... کرامت بعد الموت ثابت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے ساتھ۔

۳...... روح اسی قبر میں بھی لوٹائی جاتی ہے۔

۴...... مردے کا سن لینا قانون وقدرت خداوندی ہے۔

۵...... قبر زمین والی ہی کشادہ ہو جاتی ہے۔

۶...... جزاء وسزا کا محل یہی قبر ہے۔

۷...... جسد عنصری راحت والم میں شریک ہوتا ہے۔

۸...... حیات فی القبر صراحت کے ساتھ ثابت ہوئی۔

۹...... ایسے واقعات تواتر کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔جن سے انکار گمراہی وضلالت ہے۔

موت کے بعد ایک نوجوان نے کہا کہ عشاق مرتے نہیں زندہ ہوتے ہیں

حضرت ابو سعید خزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ایک دفعہ باب بنی شیبہ سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک نوجوان کی لاش رکھی دیکھی جو نہایت حسین چہرے والا تھا۔میں نے جو اس کے چہرے کو غور سے دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا ابو سعید! تمہیں معلوم نہیں کہ عشاق مرتے نہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔اگر چہ ظاہر میں مر جائیں۔ان کی موت ایک عالم سے دوسرے عالم (جہاں) میں منتقل ہونا ہوتا ہے۔ (منقول از فضائل حج ص ۲۵۶)

موت کے بعد جواب دینا کہ میں زندہ ہوں

شیخ ابو یعقوب سنوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید مکہ مکرمہ میں آیا اور کہنے لگا کہ اے استاذ! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا۔ یہ پیسے لے لیجئے۔اس میں سے آدھے تو قبر بنانے والے کی مزدوری ہے اور آدھے کفن وغیرہ کی قیمت ہے۔جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا تو وہ نوجوان مسجد حرام میں آیا۔ بیت اللہ کا طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا۔استاذ کہتا ہے کہ میں نے اس کی تجہیز وتکفین کی (نماز جنازہ پڑھی) جب اس کو قبر میں رکھنے لگے تو اس نے آنکھیں کھول لیں۔ میں نے کہا کہ کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ملتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں! میں زندہ ہوں اور اللہ جل شانہ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔ (فضائل حج ۲۵۶ بحوالہ روض)

فائدہ! یہ تمام واقعات کرامات بعد الموت پر دلالت کرتے ہیں۔

عقیدۂ قبر...... دسواں اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ ومسلک یہ ہے کہ قبر کا لفظ قرآن وحدیث یا اس کے علاوہ سلف

صالحین کی جس کسی کتاب میں جہاں آیا ہے تو اس سے یہی زمین والی قبر مراد ہوتی ہے جس میں مردہ جسم کو دفن کیا جاتا ہے جس کو کھود کر لحد بنا کر جسم عنصری رکھا جاتا ہے اور یہی عرفی شرعی قبر ہے۔ اسی وجہ سے زیادہ قبروں والی جگہ کو قبرستان کہا جاتا ہے۔ اس قبر میں ثواب وعذاب ہوتا ہے۔ اس قبر میں جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی قبر میں منکر نکیر سوال کرتے ہیں اور یہی قبر تنگ اور کشادہ ہوتی ہے۔

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین کا وہ حصہ جہاں مردہ جسم کو دفن کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقی قبر نہیں۔ بلکہ گڑھا اور عرفی قبر ہے اور جہاں قرآن وحدیث میں قبر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور عذاب وثواب کا ذکر ہوا ہے۔ اس قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ یعنی آسمانوں پر علیین سجین، یہ شرعی قبر نہیں۔ اس قبر میں بالکل ثواب وعذاب نہیں ہوتا اور نہ ہی اس قبر میں روح کا جسم کے ساتھ کچھ تعلق ہوتا ہے۔ نہ اس میں سوال و جواب ہوتا ہے۔ نہ یہ قبر تنگ اور کشادہ ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ عرفی دنیا والی زمینی قبر میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

۱...... عرفی قبر میں سوال وجواب نہیں عرفی اور شرعی قبر کا اجتماع ممکن ہی نہیں۔ (حیات جاوداں مولوی مظہر عباس ص ۱۶)

۲...... زمینی گڑھے کو قبر کہنا نصوص سے انکار ہے۔ (اقوال مرضیہ ص ۱۹)

۳...... شرعی قبر عالم برزخ ہے۔ نہ کہ یہ گڑھا۔ (المسلک المنصور ص ۳۵)

۴...... دنیاوی گڑھے میں عذاب نہیں ہوتا۔ (ایضا ۳۵)

۵...... اصطلاح شرع میں جب عذاب یا ثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو تو اس سے مراد عالم برزخ ہے۔ نہ کہ یہ عرفی قبر۔ جو کسیوں (کدال) سے کھود کر بنائی جاتی ہے۔ (ندائے حق ۶۷)

۶...... منکر نکیر، سوال وجواب، قبر کی تنگی ووسعت، علیین سجین میں سب کچھ ہوتا ہے۔ (المسلک المنصور ص ۲۱۷)

۷...... اس زمین والے گڑھے کو عام دنیاوی بول چال میں قبر کہتے ہیں۔ میت کو اس میں چھپایا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ جہاں ثواب وعذاب ہوتا ہے۔ قرآن نے علیین سجین کہا ہے۔ (عقیدۃ الامت ص ۱۸)

وضاحت! نام نہاد توحیدی حضرات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قبر اصل میں وہ ہے جہاں روح کا ٹھکانہ ہے اور روح کا ٹھکانہ علیین سجین ہے۔ لہٰذا قبر بھی علیین سجین میں ہوگی نہ کہ کہیں اور یعنی عرف عام میں جو قبر سمجھی جاتی ہے یہ حقیقی اور اصلی قبر نہیں بلکہ گڑھا ہے۔ گویا منکرین حیات نے علیین کو قبر کہہ کر جنت کو قبرستان بنا دیا۔ نیز "القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران" (الحدیث) اس حدیث کی تقسیم بھی ہوگئی۔ اہل سنت والجماعت نے پہلے حصہ کو لے لیا کہ قبر یہی زمین والی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس میں ثواب ہوتا ہے۔ راحت وآرام ہوتا ہے۔ جسم کو روح کے تعلق کے ساتھ۔ جب کہ دوسرا حصہ منکرین حیات نے لے لیا کہ یہ قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ کیونکہ ہم اس کو جنت کا باغ کہتے ہیں اور تمہیں جہنم کا گڑھا نصیب ہو۔ کیونکہ منکرین حیات کو باغ کہنے سے نصوص کا انکار لازم آتا ہے۔ اس لئے وہ باغ نہیں کہیں گے۔ البتہ گڑھا بڑی خوشی سے کہیں گے۔ تاکہ "انزلوا الناس منازلھم" کا دونوں حضرات مصداق بن جائیں۔

منکرین حیات نے زمینی قبر کو شرعی قبر ماننے سے کیوں انکار کیا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں کثرت سے یہ بات آئی ہے کہ قبر میں عذاب وثواب ہوتا ہے۔ اگر منکرین حیات اس زمین والی قبر کو قبر شرعی کہہ دیں تو عذاب قبر اور ثواب قبر ماننا پڑے گا۔ جب انہوں نے یہ مان لیا تو سارے اختلافات ختم ہو جائیں گے اور قبر میں جو حیات ہے۔ وہ ان کے نزدیک بھی ثابت ہو جائے گی۔ جب کہ ان کے مسلک کی اصل بنیاد ہی اس لئے رکھی گئی کہ قبر کی حیات کا انکار کر کے قرآن وحدیث سب کو چھوڑ کر عقل کے پیچھے چلیں اور عوام الناس کو بھی شریعت اسلامیہ سے دور کریں اور ان کو یہ بتائیں کہ معاذ اللہ! قرآن وحدیث بھی صحیح بات نہیں کہتا۔ بلکہ قبر کا لفظ بول کر عرفی قبر مراد لیتا ہے۔ حالانکہ اصل شرعی قبر عرف والی نہیں جو قرآن وحدیث میں آئی ہے۔ جیسے ندائے حق والا منکر حیات لکھتا ہے کہ جن امور کا تعلق عالم دنیا سے ہے تو وہاں قبر کے معنی واقعی لغت وعرف کے لحاظ سے اسی زمین کے گڑھے کے ہیں اور جہاں قرآن وحدیث میں قبر کا لفظ ہے سب جگہ یہی گڑھا مراد ہے عرف کے لحاظ سے۔ (نہ کہ شرع کے لحاظ سے) (دیکھئے ندائے حق ص ۸۳)

فائدہ! اگر اس بات پر غور کیا جائے سنجیدگی سے تو مسئلہ قبر والا حل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لغوی اور عرفی اعتبار سے تو منکرین حضرات بھی علماء دیوبندؒ کے ساتھ متفق ہیں۔ وہ اس طرح کہ عرف اور لغت میں قبر اس زمین والی قبر کو کہتے ہیں۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ شرعی قبر کونسی ہے؟ اب اہل سنت کہتے ہیں کہ شرعی قبر بھی یہی ہے زمین والی قبر۔ جب کہ منکرین حیات کہتے ہیں کہ نہیں شرعی قبر علیین یا سجین والی قبر ہے۔ اب ہم نے فیصلہ اس طرح کرنا ہے کہ شریعت نام ہے قرآن وحدیث کا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وسنت کا۔ جب شریعت ان چیزوں کا نام ہے اور سب مانتے ہیں کہ شریعت انہی چیزوں کا نام ہے۔ بالفاظ دیگر اہل سنت والجماعت کے چار دلائل ہیں: (۱) کتاب اللہ۔ (۲) سنت رسول اللہ۔ (۳) اجماع امت۔ (۴) قیاس شرعی۔ جو چیز بھی ان میں بیان ہوگی وہی شریعت ہوگی اور وہی شرعی چیز ہوگی۔ اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ قرآن وحدیث میں بیان کردہ چیز شرعی ہوتی ہے اور شریعت کہلاتی ہے۔ اب ہم نتیجہ نکال لیں کہ قبر کا لفظ قرآن وحدیث میں بہت ساری جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔ قرآن وحدیث شریعت ہیں تو اس میں بیان کردہ قبر بھی شرعی قبر ہوگی۔ کیونکہ شریعت میں جس چیز کا بیان آ جائے وہ شرعی چیز کہلاتی ہے۔ لہٰذا شرعی قبر یہی زمین والی قبر ہوگی۔ نہ کہ کوئی اور جب اس زمین والی قبر شرعی قبر ثابت ہوگئی۔ تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عذاب وثواب بھی اسی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ منکرین حیات یہ تو مانتے ہیں کہ شرعی قبر میں لازمی عذاب ہوتا ہے اور شرعی قبر یہی ہے نہ کہ کوئی اور۔

علماء حضرات نے قبر سے عالم برزخ کیوں مراد لیا

کتاب ندائے حق ص ۸۲ پر ایک اعتراض اور اس کا جواب لکھا ہوا ہے۔ سب سے پہلے آپ حضرات وہ اعتراض وجواب پڑھیں۔ پھر انشاء اللہ! یہ بات واضح ہو جائے گی کہ علما نے کیوں قبر سے عالم برزخ مراد لیا ہے؟

سوال...... ہم جب قبر کا لفظ بولتے ہیں تو یہی گڑھا مراد لیتے ہیں۔ نیز قرآن پاک میں اٹھارہ مقامات پر قبر کا لفظ آیا ہے۔ سب جگہ یہی گڑھا مراد ہے اور احادیث میں بھی قبر کے معنی گڑھا ہی کے لئے جاتے ہیں۔ تو تم کس دلیل سے قبر بمعنی برزخ لیتے ہو؟

جواب......ہم اپنی طرف سے قبر کے معنی برزخ نہیں لیتے۔ اکابر حضرات اور جید ماہرین قرآن وسنت، علماء متقدمین ومتاخرین، محدثین ومفسرین، متکلمین صوفیاء اور فقہاء کے اقوال سے قبر بمعنی برزخ لیتے ہیں۔ قرآن وحدیث اور فقہ اور عرف میں جو قبر بمعنی گڑھا ہے۔ وہ بھی ہمیں مسلم ہے۔ (ندائے حق ص ۸۲) جب حضرات مفسرین ومحدثین اور علماء دیو بند نے قبر کو عالم برزخ کہا ہے تو ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ آگے انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے یا مراد لیا ہے کہ قبر عالم برزخ ہے اور عالم برزخ سے مراد صرف علیین اور سجین ہے اور علیین وسجین شرعی قبر ہے اور اسی شرعی قبر میں عذاب ہوتا ہے اور اس زمین والی قبر میں عذاب نہیں ہوتا اور زمین والی قبر صرف عرفی قبر ہے اور جہاں قرآن وحدیث میں عذاب وثواب کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد یہی علیین وسجین ہے۔ زمین والی قبر میں عذاب نہیں ہوتا اور روح کا تعلق نہیں ہے۔ اگر کہیں ان کو کسی کا قول ملا ہو کہ وہ اس زمین والی قبر سے عذاب وثواب کا انکار کرتا تھا تو وہ قول پیش کریں قرآن وحدیث کی بات تو دور کی ہے۔ صرف کسی کا قول دکھا دیں۔ بشرطیکہ وہ قول اس عالم دین کا ہو جو صحیح العقیدہ ہو یا ان کو کسی کا یہ قول ملا ہو کہ زمین والی قبر عرفی قبر ہے اور علیین وسجین والی قبر شرعی قبر ہے اور عذاب وثواب عرفی قبر میں نہیں ہوتا۔ بلکہ شرعی قبر میں ہوتا ہے۔

قارئین! یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ حضرات علماء کرام نے قبر کو عالم برزخ کہا ہے اور یہ منکرین حیات بھی مانتے ہیں کہ قبر کو عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ اس میں دونوں کا اتفاق ہے۔ اب اس پر دلیل دینے کی ضرورت نہیں کہ فلاں نے قبر کو عالم برزخ کہا ہے جس میں سب کا اتفاق ہے۔ اس بات کو چھوڑ دیں۔ ہاں! جس بات میں اختلاف ہے۔ وہ بات علماء کے اقوال سے ثابت کریں۔ قرآن وحدیث فقہاء کی بات تو بہت دور کی ہے۔ اب اختلاف اس بات میں ہے کہ علماء دیو بند کہتے ہیں کہ عرفی قبر اور شرعی قبر یہی زمین والی قبر ہے۔ اس میں بھی روح کے تعلق کی وجہ سے عذاب وثواب ہوتا ہے اور منکرین حیات یہ کہتے ہیں کہ عرفی قبر یہ زمین والی قبر ہے اور شرعی قبر عالم برزخ والی ہے۔ عذاب وثواب صرف اور صرف اس شرعی عالم برزخ والی قبر میں ہوتا ہے۔ اس پر کوئی دلیل دیں۔ اس پر ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے۔ نہ قیامت تک ملے گی۔ یہ اپنے عقیدے غلط استدلال سے بناتے رہتے ہیں کہ جی دیکھو فلاں نے کہہ دیا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اس زمین والی قبر کو قبر شرعی نہیں کہتے۔ پتہ نہیں یہ کون سے اصول سے اس طرح عقائد ثابت کرتے ہیں؟ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ کسی نے بھی اس زمین والی قبر میں عذاب وثواب کا انکار نہیں کیا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ زمین والی قبر شرعی قبر نہیں ہے۔ برزخ والی شرعی قبر ہے تو یہ بات صراحت کے ساتھ ثابت ہو گئی کہ وہ حضرات منکرین حیات والا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ان سب حضرات کا عقیدہ علماء دیو بند والا عقیدہ تھا۔ جب ان کا عقیدہ ثابت ہو گیا تو اب یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ ان حضرات نے جو قبر کو عالم برزخ کہا ہے۔ وہ اس وجہ سے نہیں کہا کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ جسم عنصری عذاب وثواب میں شریک نہیں ہوتا۔ بلکہ اس وجہ سے کہا ہے کہ لفظ قبر کے مفہوم میں ذرا وسعت دے دی جائے۔ تاکہ جن حضرات کو قبر دنیا میں نہیں ملتی وہ جہاں کہیں ہوں گے وہی جگہ ان کے لئے قبر ہو گی اور اسی کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ کیونکہ عالم برزخ نام ہے موت کے وقت سے لیکر قیامت تک کے وقت کا۔ جب بھی مرے گا عالم برزخ میں لازمی پہنچے گا۔ چاہے قبر اس کو نصیب ہو یا نہ ہو۔ یہ بات ایک مثال سے سمجھیں۔

مثال......ایک آدمی کہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب میرے سر میں درد ہے۔ ذرا کوئی دوائی دے دیں۔ اب ڈاکٹر کہے کہ بھائی کیا تیرے گھٹنے میں درد ہے؟ یا تیری کمر میں درد ہے؟ یا سر میں ہے؟ مریض بولے گا کہ ڈاکٹر صاحب کیسی

بات کرر ہے ہو؟ درد سر میں ہے۔تو سر میں ہی ہوگا۔کہیں اور کیوں ہو؟ بالکل اسی طرح جس کا نام عذاب وثواب قبر ہے۔ وہ قبر میں ہی ہوتا ہے نہ کہ کہیں اور۔قبر سے مراد یہی زمین والی قبر ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ کسی جگہ قرآن وحدیث میں یہ بات نہیں آئی کہ عذاب صرف جسم مثالی کو ہوتا ہے۔ہاں! یہ بات تو آئی ہے کہ یہود کو قبروں میں عذاب ہورہا ہے اور میں (آپ ﷺ) سن رہا ہوں جب صراحت سے یہ بات آئی ہے کہ اس زمین والی قبروں میں عذاب ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مبارک کہ میں سن رہا ہوں صراحت کے ساتھ موجود ہے تو معلوم ہوا کہ اصل عرفی،شرعی،لغوی،عالم برزخ،سب کچھ یہی قبر ہے۔اب اس پر آپ حضرات دلائل ملاحظہ فرمائیں۔قبر سے مراد یہی زمین والی قبر ہے۔

قبر کا لغوی،شرعی،عرفی واصطلاحی معنی

قبر کا لغوی معنی ہے جائے مدفن۔یعنی جہاں انسان کو دفن کیا جاتا ہے۔(مصباح اللغات) قبر چھپانے کو بھی کہتے ہیں۔یعنی قبر کا معنی ہے چھپانا۔مقبور کہتے ہیں چھپائے ہوئے کو۔جس جگہ مردے کو چھپایا جاتا ہے۔اس کو لغت عرب میں قبر کہتے ہیں۔قبر کا اصطلاحی،عرفی وشرعی مفہوم اور معنی بھی یہی ہے۔جہاں مردہ انسان کو دفن کیا جاتا ہے۔وہ قبر ہے۔معلوم ہوا کہ صرف اور صرف علیین اور سجین قبر نہیں۔جیسے منکرین حیات کہتے ہیں۔

عقیدہ قبر دلائل کی روشنی میں

دلیل نمبر ۱......"واذالقبور بعثرت (انفطار:۴)" (جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی)

فائدہ! اگر صرف علیین یا سجین کو قبر مانا جائے تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ علیین سجین کو قیامت والے دن اکھاڑا جائے گا۔حالانکہ علیین جنت میں ہے اور سجین جہنم میں ہے۔اگر ان کو اکھاڑا جائے گا تو جنت اور جہنم کو بھی اکھاڑنا لازم آئے گا جو نقل اور عقل کے خلاف ہے۔احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ سجین جہنم میں ایک جگہ کا نام ہے۔جہاں کفار اور فجار کی روحیں بند کردی جاتی ہیں اور ان کے اعمال نامہ بھی اسی سجین کے اندر رکھے جاتے ہیں اور یہ سجین ساتویں زمین میں یا ساتویں زمین کے نیچے ہے اور علیین جنت میں ایک مقام کا نام ہے جہاں مومنین اور متقین کی روحیں سیر وسیاحت کرتی ہیں اور علیین ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے۔ان مؤمنین کے اعمال نامے بھی اسی میں رکھے جاتے ہیں۔(واللہ اعلم)

دلیل نمبر ۲......"ولا تصل علی احدمنهم مات ابداولا تقم علی قبره (توبہ:۸۴)" (اور نہ نماز پڑھیں ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر)

فائدہ! اس آیت کے ضمن میں حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب سے زیادہ صریح ہے۔نص قطعی کے درجہ میں ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تاویل کرنے کی گنجائش نہیں۔یہاں "ولا تقم علی قبره" سے بالیقین یہی قبر مراد ہے جس میں ہم میت کو دفن کرتے ہیں۔قرآن کریم میں یہ آیت اس مسئلہ (قبر) میں صریح ہے۔ (خطبات حکیم العصر ج ۴ ص ۱۰۶)

آیت کا شان نزول

منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول جب فوت ہوگیا تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔نماز جنازہ کے بعد دفن کرنے کے لئے قبر کے پاس جا کھڑے ہوئے۔اس کے بیٹے کی دل جوئی کے لئے جو مسلمان ہو چکا تھا۔

لیکن مسلمانوں کو اس سے تکلیف ہوئی۔ جس کا اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنازہ سے بھی پہلے کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو تکلیف اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے ساری زندگی اللہ کے رسول ﷺ کو پریشان کیا ہے اور ستانے میں انتہاء کر دی اور مسلمانوں کو بھی بہت ستایا اور پریشان کیا ہے۔ تو آپ اس کو دفعہ کرتے جنازہ نہ پڑھاتے تو اللہ تعالیٰ نے بعد میں یہ آیت اتاری کہ آج کے بعد آئندہ کسی منافق کا نہ جنازہ پڑھانا ہے، نہ منافق کی قبر کے پاس دفن اور دعاء کے لئے کھڑے ہونا ہے۔

فائدہ! معلوم ہوا کہ قبر علیین یا سجین یا جسم مثالی کا نام نہیں۔ جیسے منکرین حیات کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ سجین میں نہیں کھڑے تھے۔ بلکہ اسی زمین والی قبر پر دعا و استغفار اور دفن کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔ اللہ پاک نے روک دیا کہ ایسے نہ کیا کرو میرے محبوب (ﷺ)

دلیل نمبر ۳...... "ثم اماته فاقبره" (پھر انسان کو مارا پھر قبر میں رکھوایا) یعنی اس پر موت طاری کی۔ پھر اس کو قبر میں ڈالنے کا حکم دیا۔

فائدہ! معلوم ہوا جس انسان کو مارا ہے۔ اسی کو قبر میں ڈالنے کا حکم دیا ہے تو قبر زمین والی ہو گی تو اس انسان کو اندر رکھیں گے۔ اگر علیین یا سجین میں ہو یا جسم مثالی میں ہو تو ساتویں آسمان یا زمین پر کون رکھنے جائے گا؟ یہ عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر ۴...... "وان الله یبعث من فی القبور" بے شک اللہ پاک اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں۔ (ج:۷)

دلیل نمبر ۵...... "افلا یعلم اذا بعثر مافی القبور (العادیات: ۹)" (کیا نہیں جانتا وہ جب قبروں کو اکھڑا جائے گا)

فائدہ! قبروں میں یہی جسم ہیں انہی کو اللہ تعالیٰ بروز محشر اٹھائے گا اور اسی قبر میں رکھے ہوئے اجسام کے بارے میں کفار شک کرتے تھے کہ کیسے گلی سڑی ہوئی ہڈیوں کو اٹھائے گا؟ معلوم ہوا قبر یہی زمین والی ہے نہ کہ علیین اور سجین والی۔ جیسے منکرین حیات کہتے ہیں۔

قارئین کرام! قرآن کریم میں اور بھی بہت ساری جگہوں پر قبر کا ذکر ہوا ہے۔ وہاں بھی یہی زمین والی قبر مراد ہے۔

عقیدہ قبر احادیث کی روشنی میں

حدیث نمبر ۱...... "لعن الله الیهود والنصاریٰ، اتخذوا قبور انبیائهم مساجد لو لا ذاک ابرز قبره (بخاری ص ۱۸۶ ج ۱)" (اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عسائیوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر آپ ﷺ کی قبر اقدس و مطہر کو ظاہر نہیں کیا گیا)

فائدہ! معلوم ہوا کہ قبر یہی زمین والی تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے سجدہ گاہ بنا دیا تھا نہ کہ علیین میں جاتے تھے سجدہ کرنے کے لئے۔ جیسے منکرین حیات کا عقیدہ ہے کہ علیین میں قبر ہے۔

حدیث نمبر ۲...... "مر النبی ﷺ بقبرین یعذبان (بخاری ص ۱۸۲ ج ۱)" (آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن کو عذاب ہو رہا تھا) معلوم ہوا قبر یہی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اسی پر گزر رہے تھے نہ کہ العیاذ باللہ سجین پر۔

حدیث نمبر ۳...... "ان العبد اذا وضع فی قبره...... اتاه ملکان (بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)" (جب بندہ کو اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دفن کرنے والے ساتھی واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے منکر نکیر آ جاتے ہیں)

حدیث نمبر ۴...... ''عن عمر بن حذام رضی اللہ عنہ قال رانی النبی ﷺ متکأ علی قبر فقال لا تؤذ صاحب ھذا القبر (رواہ احمد مشکوۃ ص ۱۴۹)'' (آپ ﷺ نے عمر بن حذام رضی اللہ عنہ کو کسی قبر پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ اس قبر والے کو تکلیف نہ دو)

فائدہ! معلوم ہوا کہ لفظ قبر اسی زمین والی قبر پر بولا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر بن حذام رضی اللہ عنہ اسی قبر کے ساتھ ٹیک لگا کے بیٹھے ہوئے تھے۔ نہ کہ علیین یا سجیین والی قبر پر ٹیک لگا کے بیٹھے تھے۔ جیسا کہ منکرین حیات کہتے ہیں کہ قبر ساتویں آسمان یا ساتویں زمین میں ہے۔ دوسری یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس قبر میں رکھے ہوئے جسم کو حیات اور زندگی حاصل ہے۔ کیونکہ زندہ ہوگا تو تکلیف محسوس کرے گا۔ اگر پتھر یا لکڑی کی طرح ہوتا تو کبھی بھی آپ ﷺ یہ ارشاد نہ فرماتے کہ اس قبر والے کو تکلیف مت دو۔

حدیث نمبر ۵...... ''عن عائشه لمامات النجاشی کنانتحدث انه لا یزال یریٰ علیٰ قبره نور (ابو دائود ص ۳۴۹ ج ۱)'' (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی (حبشہ کا بادشاہ) فوت ہوگیا تو ہمارے اندر یہ بات بیان کی جاتی تھی کہ نجاشی کی قبر پر نور دیکھا جاتا تھا)

فائدہ! معلوم ہوا کہ لفظ قبر اسی زمین والی قبر کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی قبر پر نور دیکھتے تھے۔ نہ کہ علیین میں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قبر میں رکھے ہوئے جسم کو حیات برزخی حاصل ہے۔ ورنہ اگر حیات نہ ہوتی تو نور کیوں نظر آتا؟

حدیث نمبر ۶...... ''ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنه'' آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر آئیں گے یا محمد کہہ کر پکاریں گے۔ میں اس کا ضرور جواب دوں گا۔ (مسند ابویعلیٰ ص ۴۶۲ ج ۱۱)

فائدہ! معلوم ہوا کہ قبر کا لفظ اسی زمین والی قبر پر بولا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی پر حاضری دیں گے نہ کہ آسمانوں پر۔ کیونکہ آسمان پر تو اب بھی موجود ہیں۔ اگر علیین قبر ہوتی تو آپ ﷺ یہ ارشاد نہ فرماتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے میری قبر پر۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ کو حیات کاملہ حاصل ہے۔ کیونکہ جواب زندہ ہونے کی حالت ہی میں دے سکتے ہیں نہ کہ مردہ ہونے کی حالت میں۔ جیسے کہ منکرین حیات کہتے ہیں۔ تیسر بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب آسمانوں پر جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور قرب قیامت میں تشریف لائیں گے۔

حدیث نمبر ۷...... ''عن سفیان رضی اللہ عنہ التمار انه رای قبر النبی ﷺ مسنما (بخاری ص ۱۸۶ ج ۱)'' حضرت سفیان رضی اللہ عنہ التمار نے آپ ﷺ کی قبر مبارک کو دیکھا کہ وہ اونٹ کی کوہان کی طرح (زمین سے کچھ بلند بنی ہوئی) تھی۔

حدیث نمبر ۸...... ''عن عمر رضی اللہ عنہ انه دخل المسجد فاذا ھو بمعاذ بن جبل یبکی عند قبر رسو ل اللہ ﷺ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۷ ج ۳)'' (حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس بیٹھے رو رہے تھے)

فائدہ! معلوم ہوا کہ لفظ قبر اسی عرفی قبر پر بولا جاتا ہے اور یہی حقیقی قبر ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری بلکہ تمام وہ روایات اور تمام وہ دعائیں جن میں لفظ قبر کا ذکر ہے۔ اس قبر سے مراد یہی زمین والی قبر ہے نہ کہ کوئی اور۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے عرف عام میں بھی بچے سے لے کر بوڑھے تک تمام انسان اسی زمین والی جگہ کو جہاں

میت کو دفن کیا جاتا ہے قبر کہتے ہیں اور قبر میں رکھے ہوئے جسم کے لئے حیات اور روح کا تعلق بھی عرف عام میں مانتے ہیں دیکھو جب کسی کو کچھ احساس دلانا ہو تو کہتے ہیں کہ بھائی! کیا قبر میں نہیں جانا؟ یعنی کچھ خیال کرو۔ ورنہ قبر میں سزا ملے گی۔ اسی طرح عرف عام میں یہ بات بھی سننے میں آتی ہے کہ ہر کسی نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے۔ یعنی جو کوئی غلط یا نامناسب حرکتیں کرتا ہے تو اس کو بددعا دیتے ہوئے یوں بھی الفاظ بولتے ہیں "لگے تیری قبر کو آگ" معلوم ہوتا ہے عرف عام میں یہ بات ثابت ہے کہ قبر میں عذاب وثواب محسوس ہوتا ہے اور خود منکرین حیات بھی بعض دفعہ اسی قبر کو قبر کہتے ہیں۔ اس بات پر زور لگاتے ہوئے کہ مردے نہیں سنتے۔ یہ آیتیں پڑھتے ہیں وماانت بمسمع من فی القبور وغیرہ کہ آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ یہ دلیل دیتے ہوئے خود منکرین حیات یہی قبر مراد لیتے ہیں۔ اگر وہ قبر مراد لیں آسمانوں یا زمینوں والی تو پھر یہ مطلب ہوگا کہ روحیں بھی مردہ ہیں۔ کیونکہ اس آیت سے اصل مردہ ہونا منکرین حیات ثابت کرتے ہیں۔ اصولی بات یہ ہے کہ اگر اس آیت میں قبور سے مراد منکرین حیات یہی قبریں مراد لیتے ہیں اور واقعتا یہی مراد لیتے ہیں۔ تو پھر تمام وہ آیات اور احادیث اور دعائیں اور عرف عام کو بھی مان لینا چاہئے کہ ان میں جو لفظ "قبر" آیا ہے۔ اس قبر سے مراد یہی زمین والی قبر ہے۔ اس کے بعد پھر یہ بھی مان لینا چاہیے کہ احادیث اور قرآن میں جو عذاب قبر کا ذکر ہے۔ وہ اسی قبر میں ہوتا ہے۔

کیا برزخ کے لفظ سے حقیقی قبر خارج ہوگئی؟

اعتراض...... جب آپ حضرات نے قرآن وحدیث سے یہ ثابت کر دیا کہ قبر سے مراد یہی عرفی اور زمینی قبر ہے اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ اسی قبر میں عذاب اور ثواب ہوتا ہے۔ بتعلق روح تو پھر جن لوگوں کو قبر نصیب نہیں ہوتی یعنی جو سمندر میں ڈوب گیا ملا ہی نہیں اسے مچھلیاں کھا گئیں۔ جنگل میں موت آ گئی۔ درندے پرندے کھا گئے۔ آگ میں جلا کر راکھ اڑا دی گئی۔ یعنی جن لوگوں کو قبر میں دفن کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیا ان کو عذاب وثواب اور ان سے سوال وجواب نہیں ہوتا؟

جواب...... سمجھنے سے پہلے آپ حضرات برزخ کا مفہوم اور معنی سمجھیں۔ انشاء اللہ! جواب خود بخود آ جائے گا۔ برزخ کا لغوی معنی ہے رکاوٹ، آڑ، پردہ اور برزخ کا لفظ قرآن میں بھی آیا ہے "ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون (مئومنون: ۱۰۰)" اور لفظ برزخ اصطلاح اور عرف عام میں اس وقت پر بولا جاتا ہے۔ جو وقت موت سے لے کر اٹھائے جانے والے دن تک کا ہے۔ برزخ یہ ظرف زمان ہے۔ دوسری بات یہ سمجھو کہ قبر اور برزخ میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی جو شخص قبر میں ہوگا۔ وہ برزخ میں بھی لازمی ہوگا۔ کیونکہ "قبر" ایک جگہ کا نام ہے اور برزخ ایک وقت کا نام ہے۔ لہٰذا قبر والا شخص برزخ والے وقت میں لازمی ہوگا۔ جیسے دنیا میں رہنے والا شخص رات یا دن والے وقت میں رہتا ہے۔ اسی طرح قبر میں رہنے والا شخص برزخ والے وقت میں رہتا ہے اور جو شخص برزخ والے وقت میں ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ عرفی قبر والی جگہ میں ہو بلکہ عرفی اور حقیقی قبر کے علاوہ وہ کسی اور جگہ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے سمندر میں، کسی درندے کے پیٹ میں، یا جہاں کہیں بھی ذرات کی شکل میں ہو۔ وہ برزخ والے وقت میں ہے۔ وہی جگہ اس کی مجازاً قبر کہلائے گی۔ اب اگر اس عرفی اور زمین والی قبر میں ہو یا نہ ہو۔ بہر حال جہاں ہوگا وہی جگہ اس کے لئے مجازاً قبر ہوگی۔ اب یہ شخص بھی برزخ اور قبر والی جگہ میں ہے۔ اب اگر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ عذاب اور ثواب کا تعلق صرف قبر سے ہے اور قبر سے مراد حقیقی اور مجازی دونوں قبریں ہیں تو بالکل صحیح

ہے۔ کوئی حرج نہیں اور اگر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ عذاب اور ثواب کا تعلق عالم برزخ کے ساتھ ہے۔ یعنی برزخ والا جہان اور برزخ والے وقت میں عذاب اور ثواب ہوتا ہے۔ مردہ جہاں کہیں ہو تو بھی حرج نہیں بالکل صحیح ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ قبر کے عذاب سے مراد برزخ کا عذاب ہے اور برزخ کے عذاب سے مراد قبر کا عذاب ہے۔

دوسرا اعتراض...... یہ بھی ہوتا ہے کہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مردے کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے یا روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے تو فرشتے اس کو بیٹھا کر سوال کرتے ہیں اور وہ جواب دیتا ہے۔ اب اعتراض یہ ہی کہ جسکا جسم ہی نہیں ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔ پرندے درندے کھا گئے ہیں۔ اس کے جسم میں تو روح کے لوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور روح کا تعلق بھی جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب وہ جسم نہیں لہٰذا اس جسم کے ساتھ روح کا تعلق ختم ہو گیا ہے جب تعلق ختم تو عذاب و ثواب بھی ختم۔

جواب...... جسم اگر چہ ریزہ ریزہ اور ذرات کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اس کے ذرات کہاں کہاں بکھرے ہوئے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کا قیمہ قیمہ کر کے مختلف جگہوں پر رکھ دیا۔ پھر آواز دی تو ہر ایک پرندے کا جوجز جہاں تھا وہیں سے ایک جگہ جمع ہو گیا اور پورا پرندہ بن گیا۔ اسی طرح (بخاری ص ۹۵۴ ج ۱۱ اور ابن حبان ص ۴۲۱ ج ۲، فتح الباری ص ۴۹۷ ج ۶ میں) یہ واقعہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا بڑی صراحت اور بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے: ایک شخص بنی اسرائیل میں بہت گنہگار تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ کفن چور تھا۔ جب مرنے کے قریب ہوا تو اسے احساس ہوا کہ ساری زندگی گناہ کئے ہیں۔ نیکی کوئی نہیں کی۔ اپنے بیٹوں کو بلایا اور ایک بات پوچھی کہ میں تمہارا کیسا باپ تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ بہت اچھا تو ہمارا باپ ہے تو اس نے کہا پھر تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں کہ جب میں مر جاؤں مجھے آگ میں جلا دینا۔ میری ہڈیوں کو پیس کر بالکل باریک ذرات بنا لینا۔ پھر کسی آندھی کا انتظار کرنا۔ جب آندھی وغیرہ چلے تو آدھی میری راکھ ہوا میں اڑا دینا اور باقی آدھی سمندر میں بہا دینا۔ بیٹوں نے پوچھا ابا جان! ایسے کیوں وصیت کر رہے ہو؟ تو کہنے لگا کہ بہت گنہگار رہوں۔ اگر اللہ نے مجھے اٹھا لیا تو ایسا عذاب دیگا کہ (لایعذبہ احدا من العالمین) کہ ''سارے جہانوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہیں دے گا۔ بیچارہ کم علم رکھتا تھا۔ اپنے علم کے مطابق بات کی۔ اللہ کی قدرت کے احاطہ کو نہیں سمجھتا تھا کہ اللہ ان ذرات کو بھی اکٹھا کرنے پر قادر ہے تو بیٹوں نے اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی موت کے بعد اسے جلایا۔ ہڈیاں پیسیں اور آدھی راکھ ہوا میں اڑ دی اور آدھی سمندر میں بہا دی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اور سمندر کو حکم دیا کہ اس کے ذرات جمع کر دو۔ جب جمع ہو گئے دوبارہ بن گیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھڑا کر کے پوچھا؟ ایسے کیوں کیا تھا؟ اس نے کہا کہ یا اللہ! آپ سے ڈر گیا تھا۔ آپ کے عذاب سے ڈر گیا تھا کہ آپ مجھے کہیں سزا نہ دیدیں تو اللہ تعالیٰ کو اس پر ترس آ گیا۔ رحم کرتے ہوئے اس کو معاف فرما دیا۔ اس سارے واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان جسموں کے ریزوں کو جمع کرنے پر قادر ہے۔ ہو سکتا ہے جمع کر کے جسم بنا کے ان سے سوال فرشتے کرتے ہوں۔ عین ممکن ہے بعید از قیاس نہیں۔ پھر دوبارہ جسم کو ریزہ ریزہ کر کے جس صورت میں سے تھا ویسے کر دیا جائے اور روح کا تعلق ذرات سے ہو جائے تو یہ کونسی عجیب بات ہے جو عقل کے خلاف ہو۔

جواب...... ''برزخ کا وقت سب جگہوں کو شامل ہے چاہے وہ قبر والی جگہ ہو یا علیین اور سجین والی جگہ ہو۔ جو

روحوں کے لئے اصل ٹھکانہ ہے تو ان لوگوں کے لئے جن کے جسم ریزہ ریزہ ہو گئے ہیں۔ان کے لئے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ مقام علیین اور سجین ہی ان کی راحت اور عذاب کا محل ہے۔سوال قبر والی روح سے ہوا اور روح کا تعلق جسم سے ہو تو گویا سوال و جواب روح مع الجسد سے ہوا۔اگر چہ جسم کے ذرات بہت ساری جگہوں پر بکھرے پڑے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو قدرت کاملہ ہے کہ ان ذرات کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر کے ان کے اندر احساس اور شعور پیدا کر دے اور یہی ذرات روح کے تعلق کی وجہ سے عذاب اور ثواب محسوس کرتے ہیں۔جیسا کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ میت قبر کی تنگی اور پسلیوں کے آپس گھسنے کو محسوس کرتی ہے۔اگر چہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا اس کو جلا کر بکھیر دیا جائے میت کا ہر ذرہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔اگر چہ اس کے ذرات متفرق ہوں۔(مختصر تذکرہ قرطبی ص ۶۳ طبع مصر تسکین الصدور ص ۹۲) اسی طرح حافظ ابن القیم الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ جاننا مناسب ہے کہ عذاب قبر عذاب برزخ ہی کو کہتے ہیں ہر ایسا شخص جو عذاب کا مستحق ہے جب مر جاتا ہے تو اس کو اس کے عذاب کا حصہ پہنچ ہی جاتا ہے۔قبر میں دفن کیا گیا ہو یا نہ ہو۔اگر اس کو درندے کھا گئے ہوں یا جلا دیا گیا ہو۔حتیٰ کہ اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سولی پر لٹکا دیا گیا ہو۔یا دریا میں بہا دیا گیا ہو۔بہر کیف اس کی روح اور بدن دونوں کو وہ عذاب حاصل ہوگا۔جو قبر میں دفن ہونے والے کو ہوتا ہے۔(کتاب الروح ص ۷۱) اسی طرح امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قاضی محمد ابوبکر بن الطیب فرماتے ہیں کہ جو شخص دفن نہ کیا گیا ہو اور ہوز مین کی سطح پر تو اس سے بھی سوال و جواب ہوتا ہے اور قبر کی طرح اس پر فضا کو تنگ کیا جاتا ہے۔جس شخص کے دل میں ایمان داخل ہو چکا ہے۔وہ ان میں سے کسی چیز کو اوپرا نہیں سمجھتا اور اسی طرح جس کے اجزاء متفرق ہو گئے ہوں۔اللہ تعالیٰ بعض یا کل اجزاء میں حیات پیدا کر دیتا ہے اور پھر سوال متوجہ ہوتا ہے۔　(شرح الصدور ص ۵۹ طبع مصر)

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

قبر اسی گڑھے کو کہتے ہیں۔دیکھئے آپ ﷺ نے قبروں پر جانے والی عورتوں اور قبروں پر عبادت گاہیں بنانے والے مردوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔اب یہ عورتیں جن پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔بتائیں کہ علیین اور سجین میں زیارت کے لئے گئی تھیں؟ یا دنیا کے قبرستان میں؟ اور مردوں سے مراد کیا وہ مرد ہیں؟ جو علیین میں جا کر دیئے جلاتے تھے؟ یا وہ مرد ہیں جو دنیا میں قبروں پر دیئے جلاتے ہیں؟ معلوم ہوا احادیث میں قبر سے مراد وہی قبر ہے۔جن پر عورتیں جاتی ہیں۔لوگ عبادت گاہیں بناتے ہیں اور دیئے جلاتے ہیں اور وہ دنیا والی قبر ہے۔قرآن و حدیث میں اسی کو قبر کہتے ہیں جس کو قائلین حیات و سماع حضرات علماء دیوبند کہتے ہیں۔منکرین حیات کی قبر کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے (کیونکہ علیین و سجین کو کسی نے قبر نہیں کہا) جب ان کی قبر ہی نہیں تو میں یہی دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ جو لوگ اس قبر کو قبر نہیں مانتے ان کو یہ قبر کبھی نصیب نہ کرنا۔لیکن یہاں آمین صرف قائلین حیات و سماع حضرات کہیں گے منکرین حیات و سماع کبھی بھی اس دعا پر آمین نہیں کہیں گے۔انشاء اللہ! بلکہ بجائے آمین کہنے کے قائلین حیات و سماع کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے لئے بددعا کرتے ہو۔بھائی! بددعا کونسی؟ تیری قبر تو یہ ہے ہی نہیں (اور ہم اسی کے لئے بددعا کر رہے ہیں۔غصہ کس چیز کا؟ یا غصہ نہ کر یا قبر کو شرعی قبر مان لے) تو اب دیکھئے کہ قبر کے مسئلہ میں صاف طور پر قرآن کے منکر ہو گئے۔اب آخری بات منکرین حیات کی کیا

ہوتی ہے؟ جی جن کو قبر نہیں ملی ان کو کیسے عذاب ہوگا؟ ہم کہتے ہیں جتنی بات طے ہوگئی اتنی تو لکھ دو کہ جن کو قبر ملی ہے۔ ان کو عذاب وثواب ہورہا ہے۔ اب رہی اگلی بات کہ کس کو نہیں ملی؟ ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا جس کو قبر نہ ملی ہو ہر شخص کو قبر ملتی ہے۔ جلدی ملے یا دیر سے ملے کہتے ہیں کہ جیسے شیر کھا گیا؟ شیر کھا کر عرش پر تو نہیں چڑھ گیا۔ وہ بھی تو مر کر مٹی میں ہی جائے گا جن کو شیر کھا گئے (اور درندے پرندے کھائے گئے) آخر مر کر وہ بھی یہیں مٹی میں جائیں گے تو دیکھو چونکہ عذاب وثواب کا اکثر حصہ ہر شخص کو اسی زمین میں ہورہا ہے۔ اسی وجہ سے عذاب وثواب کا نام عذاب قبر رکھ دیا کہ اس کا اکثر حصہ اسی قبر میں ہوتا ہے۔ ورنہ عذاب وثواب تو اسی وقت شروع ہوجاتا ہے۔ قبر میں رکھنے کی بھی دیر نہیں ہوتی۔ آخر سارے مر کر پھر اسی زمین میں چلے جاتے ہیں اور آخر قرآن پاک نے یہاں بتا دیا ہے کہ قبروں سے اٹھائیں جائیں گے" وان اللہ یبعث من فی القبور... ومنها نخرجکم تارۃ اخری" وضاحت کردی کہ اسی زمین سے سارے اٹھائیں جائیں گے۔ (تسکین الاذکیا ص ۱۰۷)

عقیدۂ اعادۂ روح...... گیارواں اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

علماء دیوبند کا عقیدہ ونظریہ اعادۂ روح کے بارے میں یہ ہے کہ جب میت کو زمین والی قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے یا اس کی روح کا جسم عنصری کے ساتھ اتنا تعلق قائم کردیا جاتا ہے کہ فرشتے اس میت سے سوال وجواب کرسکیں۔ اسی زمین والی قبر میں فرشتے منکر نکیر سوال کرتے ہیں۔ سوال وجواب کے بعد روح کا جسم عنصری کے ساتھ یا جسم عنصری کے اصل اجزاء کے ساتھ اتنا تعلق قائم رہتا ہے کہ میت راحت وآرام، عذاب وتکلیف، دکھ وسکھ کو محسوس کرتا ہے اور روح پر وارد ہونے والے تمام حالات میں جسم عنصری برابر شریک رہتا ہے۔ گویا عالم برزخ وقبر کی ساری کاروائی روح اور جسد عنصری دونوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ چاہے میت کا جسم عنصری محفوظ رہے یا اس کو درندے وغیرہ کھاجائیں یا بالکل ریزہ ریزہ ہوجائے۔ اس کے جسم عنصری کے اجزاء جہاں اور جس حالت میں ہوں گے۔ اسی جگہ پر اس کے اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق ہوگا اور دونوں عذاب وثواب میں شریک ہوں گے۔ یہ نظریہ اور عقیدہ عین کتاب وسنت کے مطابق ہے اور ہمیشہ سے یہی اہل حق کا عقیدہ ونظریہ رہا ہے اور یہی عقیدہ اجماعی عقیدہ ہے اور اسی عقیدہ پر سلف صالحین کا اتفاق نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ (قبر کی زندگی مؤلف مولانا نور محمد تونسوی ص ۱۳۴)

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات وسماع کا عقیدہ ونظریہ روح کے اعادہ کے بارے میں یہ ہے کہ جب دھڑ (یعنی میت) کو گڑھے (یعنی قبر) میں ڈال دیا جاتا ہے۔ تو اس کی روح اس کے جسم کی طرف بالکل نہیں لوٹائی جاتی اور نہ ہی کسی قسم کا جسم عنصری کے ساتھ اس روح کا تعلق ہوتا ہے۔ عذاب وثواب کی ساری مکمل کاروائی صرف اور صرف روح کے ساتھ علیین وسجین میں ہوتی ہے۔ جسم مثالی کے ذریعے اور جو لوگ اعادۂ روح کے قائل ہیں۔ وہ منکرین حیات وسماع کے نزدیک معاذ اللہ! قرآن وسنت سے جاہل وناواقف ہیں اور نصوص کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی عبارات سے ان کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیں

منکرین حیات کا عقیدہ ان کی عبارات سے

۱...... تعلق روح اور اعادہ روح کے قائلین قرآن وسنت اور مذہب اہل سنت سے جاہل و ناواقف ہیں۔
(المسلک المنصور ص ۲۲)

۲...... اعادۂ روح کی احادیث قرآن وحدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہیں۔ (عقائد علماء اسلام ص ۵۲۳)

۳...... حیات وروح کا تعلق بدن کے ساتھ اس گڑھے میں نہ قرآن سے ثابت ہے نہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ (الصواعق المرسلہ ص ۲۷۲)

۴...... اعادۂ روح کی احادیث مردود عقیدہ ثابت کرتی ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۲۵۸)

۵...... اعادۂ روح کتاب وسنت کے نصوص صریحہ اور مسلک جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ومردود ہے۔ (اقامۃ البرہان ص ۱۶۱)

۶...... جو بغیر تعلق کے اکیلی روح کے لئے عذاب کے قائل نہیں ہیں۔ وہ معتزلہ ہیں۔
(ردمنکرات حیات الاموات مولوی حسین نیلوی ص ۲۲)

۷...... اعادۂ روح (کا عقیدہ) قرآن کے مخالف ہے۔ (البرہان المحلی ص ۱۷۳)

۸...... تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ روح کا جسد عنصری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (البرہان المحلی ص ۱۸۱)

۹...... اعادۂ روح قبر میں نہیں ہوتا۔ (الارشاد المفید ص ۱۶)

۱۰...... اعادۂ روح کی احادیث صحیح نہیں۔ (سیف الاور کزی محمد جمیل ص ۱۶۷)

منکرین حیات کی عبارات کا خلاصہ

ان دس اقوال میں نام نہاد اہل سنت توحید کا لبادہ اوڑھنے والے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو آدمی اس بات کا قائل ہے کہ قبر میں روح لوٹا دی جاتی ہے یا روح کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ وہ آدمی قرآن وسنت اور مذہب اہل سنت سے جاہل اور ناواقف ہے۔ (معاذ اللہ) اس کا یہ عقیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدہ کے خلاف ہے اور مسلک جمہور کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا مردود اور باطل ہے اور جو یہ عقیدہ رکھے گا اعادۂ روح والا وہ معتزلی ہے اور جس حدیث میں اعادۂ روح کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ حدیث مردود ہے گویا اعادۂ روح کا عقیدہ رکھنے والا ان حضرات کے نزدیک معتزلی جاہل ہے اور شریعت سے ناواقف ہے۔ قرآن وحدیث کے خلاف چلنے والا ہے۔ جب کہ خود ان منکرین حیات کے بڑے علماء حضرات نے اس بات کی تصریح کی ہے اور وضاحت کی ہے کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ گویا ان کا فتویٰ پہلے اپنے مقتداؤں اور اماموں پر معتزلہ اور جاہل اور شریعت سے ناواقف ہونے کا لگے گا۔ پھر بعد میں کسی اور کا نمبر لگے گا۔ اگر اس پر غور کیا جائے کہ جس کے اپنے مقتداء اور علماء معتزلہ، جاہل وناواقف ہوں اس کے اپنے فتوؤں کے مطابق تو وہ خود کتنا بڑا جاہل اور معتزلی اور شریعت سے ناواقف ہوگا۔

منکرین حیات کے اکابرین کا عقیدہ

۱...... ارواح طیبہ کا ابدان مبارکہ سے تعلق ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اجسام کو عذاب ہے۔ (مسالک العلماء ص ۲۴۸)

۲...... روح کا جسد سے تعلق اور رابطہ ہے۔ (تحفہ ابی نعمان ۷۶)

۳...... روح کا بدن کے ذرات سے تعلق ہے۔ (تحفہ ابی نعمان ص ۵۵)

۴...... جسم روح کے تابع ہوتا ہے۔ (ایضاً ۴۹۴)

۵...... مولانا غلام اللہ خان مسئلہ اعادۂ روح کے متعلق تعلق وعدم تعلق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس پر خاموشی وسکوت احوط ہے۔ (یعنی خاموشی میں زیادہ احتیاط ہے) (جواہر القرآن ص ۱۹۴)

فائدہ! سکوت احوط کو کہنا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے بالکل مخالف نہیں اور نہ ہی کسی قرآن کی آیت کا انکار لازم آتا ہے۔ نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کچھ لازم آتا ہے۔ ورنہ اتنے بڑے شیخ القرآن اس بارے میں کبھی خاموشی اختیار نہ کرتے فوراً کہہ دیتے کہ یہ عقیدہ قرآن کی فلاں آیت کے خلاف ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کے خلاف ہے۔ احادیث کے خلاف ہے۔ ان کا خاموشی اختیار کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اعادۂ روح کا عقیدہ کسی کے خلاف نہیں۔ سوائے منکرین حیات وسماع کے جو کہ فتوے کے مطابق معتزلی ہیں۔

۶...... سید عنایت اللہ شاہ گجراتی اور مولانا غلام اللہ خان کے پیرومرشد حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منکر نکیر میت کے پاس آتے ہیں تو اس میت میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ (تحریرات حدیث ص ۱۵۷ از مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ! قارئین کرام من وعن عبارات منکرین حیات کے بڑے علماء کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں جن سے سورج سے بھی زیادہ وضاحت ہے۔ اس بات کی کہ روح کا جسم سے تعلق ہے اور جسم میں روح لوٹا دی جاتی ہے۔ جب انسان بغیر علم کے فتوے لگاتا ہے جگہ جگہ ذلت ورسوائی بھی اسے اٹھانی پڑتی ہے۔ اپنے اور پرائے بھی اس پر لعن وطعن کرتے ہیں اور تاقیامت یہ سلسلہ پھر جاری وساری رہتا ہے۔ اب جن لوگوں نے عقیدہ اعادۂ روح رکھنے والوں کے بارے میں معتزلی یا جاہل، شریعت سے ناواقف ہونے کے فتوئے لگائے ہیں۔ یہ بات کہی ہے کہ یہ عقیدہ نصوص قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ ان سے اگر پوچھ لیا جائے کہ یہ عقیدہ کس آیت کے خلاف ہے؟ کس حدیث کے خلاف ہے؟ اگر خلاف تھا تو فتویٰ لگاتے ہوئے آپ نے قرآن وحدیث کی عبارات کیوں نہیں نقل کیں؟ تو اس کا جواب ان کے پاس نہ ہے نہ ہی قیامت تک ملے گا۔ ہاں! زیادہ سے زیادہ پھر وہ احادیث سنائیں گے جن سے یہ ثابت ہوگا کہ روح زندہ ہے، جنت میں ہے۔ جسم عنصری سے نکل گئی ہے اور پھر اس سے صرف خود استدلال کریں گے کہ جب روح جنت یا جہنم میں ہے تو پھر کیسے آسکتی ہے؟ کیسے لوٹ سکتی ہے؟ کیسے تعلق ہوسکتا ہے؟ اپنا غلط استدلال کریں گے۔ کسی کا کوئی قول تک تسلیم نہیں کریں گے اور اپنے غلط عقیدے پر کوئی معتبر قول کسی امام کا پیش نہیں کریں گے کہ کسی نے اس طرح استدلال کیا ہے؟ جس طرح یہ کرتے ہیں جب کسی کا قول تک ان کے پاس نہیں تو عقلی دلیل پر صرف یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کی عقل ہی صرف ان کا ساتھ دیتی ہے باقی کسی کے عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ ساری زندگی گناہ کریں جسم وروح دونوں اور عذاب ہو صرف روح کو یہ انصاف اور عقل کے بھی خلاف ہے۔

عقیدہ رکھنے کے لئے نصوص قطعیہ یا حدیث متواتر کا ہونا ضروری ہے

قارئین! چند باتیں ذہن نشین کرلیں۔ تاکہ آنے والے دلائل سے آپ حضرات بخوبی اندازہ لگا سکیں کہ کس کا عقیدہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے؟ اور کس کا نہیں؟

۱...... پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے یا اس کی نفی کرنے کے لئے جو عقیدہ رکھا جاتا ہے۔ اس کے لئے نصوص قطعیہ یا حدیث متواتر کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر نصوص قطعیہ یا احادیث متواترہ نہیں ہیں تو پھر اس عقیدہ کے لئے امت کا اجماع ضروری ہے۔ کیونکہ اجماع بھی نصوص قطعیہ یا احادیث صحیحہ سے مستنبط شدہ مسائل پر ہوتا ہے۔ یعنی آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کے اشاروں سے ایک بات کا یقین ہو جاتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین اس پر اجماع منعقد کر دیتے ہیں اور سب کا متفقہ وہ فیصلہ ہو جاتا ہے جس کو ماننا ایسے ضروری ہوتا ہے۔ جیسے آیت قرآنی یا خبر متواتر کا ماننا ضروری ہوتا ہے۔ اس پر کسی معترض کے اعتراض کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (ماہنامہ بینات صفر ۱۴۲۵ھ)

۲...... دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی چیز کے بارے میں کوئی عقیدہ رکھتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اب وہ اپنے عقیدے کے خلاف کسی قسم کی کوئی بات نہ لکھے نہ کہے۔ اگر اسنے بیان کردہ عقیدے کے خلاف کوئی بات لکھ دی یا کہہ دی تو اس نے جو عقیدہ رکھا ہے اس عقیدہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا (اس کی دلیل آیا چاہتی ہے) کیونکہ جب وہ اپنے عقیدے کے خلاف عمل کر رہا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس کا پہلے والا عقیدہ ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی نیا عقیدہ بنایا ہوا ہے۔

۳...... تیسری بات یہ ہے کہ اس انسان نے جو عقیدہ رکھا ہے اور اس عقیدے میں جن کو یہ اپنا امام مانتا ہے کہ جو عقیدہ فلاں صاحب کا ہوگا وہی میرا ہوگا۔ مثلاً منکرین حیات اپنے عقیدے کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ عقیدے میں ہم سید عنایت اللہ شاہ گجراتی، یا مولانا غلام اللہ خان، یا مولانا شمس الدین، یا مولانا حسین سجاد بخاری، یا مولانا منور حسین صدیقی، ان حضرات کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ ان کو بھی مانتے ہیں اور ہم دیوبندی بھی کہلاتے ہیں تو دیوبند کے بڑے حضرات کو بھی اپنا پیشوا اور امام مانتے ہیں۔ جب انسان اپنا پیشوا اور امام عقیدے کے بارے میں متعین کر لیتا ہے تو پھر یہ بات بھی ضروری ہوتی ہے کہ اس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے۔ اس کے عقیدہ کے خلاف اس کے اماموں نے بھی نہ عقیدہ رکھا ہو۔ نہ کوئی بات ایسی لکھی ہو جو مقتدی کے عقیدہ کے خلاف ہو اور نہ ہی اس امام نے عقیدہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہو۔ اگر یہ چیزیں پائی گئیں یعنی آدمی کے مقتداء آدمی کے عقیدہ کے خلاف چلتے ہیں تو اس آدمی کے عقیدہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ جب اس کے عقیدے کے خلاف خود اس کے امام چل رہے ہیں تو اس کا عقیدہ اب کس سے ثابت کریں گے؟ اس لئے اب اس کے عقیدے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۴...... چوتھی اصولی بات یہ ہے کہ غلط اور فاسد استدلال کے ذریعہ سے عقیدہ نہیں بنایا جا سکتا جو بنائے گا اس کا عقیدہ فاسد تو ہو سکتا ہے صحیح بالکل نہیں ہو سکتا اور فاسد عقیدہ اللہ کے ہاں بالکل مقبول نہیں۔ ورنہ قرآن پاک میں کفار کے اعمال کی تردید نہ ہوتی ان کے اعمال کا مردود و نامقبول ہونا غلط اور فاسد عقیدہ کی وجہ سے ہے۔

۵...... آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے اس عقیدہ کے مطابق جتنے لوگ پائے جاتے ہوں سب کا ایک جیسا عقیدہ ہو۔ اگر ان کا آپس میں اختلاف پایا گیا کہ کچھ لوگ اپنے عقیدے کی وضاحت اور انداز میں کرتے ہیں اور کچھ اور انداز میں کرتے ہیں جو پہلے والے اندازے کے بالکل خلاف ہے تو اس عقیدے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۶...... جس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے اس عقیدے کا حکم اس جیسے عقیدے رکھنے والے سب حضرات کے نزدیک ایک ہو یعنی سب اس جیسے عقیدے رکھنے والوں کا فیصلہ متفق ہو کہ جو آدمی یہ عقیدہ نہیں رکھے گا۔ اس کا یہ حکم ہے کہ مثلاً وہ اہل سنت سے خارج ہے یا نہیں؟ اگر آپس میں حکم کا اختلاف بھی پایا گیا تو اس عقیدے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۷...... جس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے اس کو اس پر کامل یقین ہو کہ میں نے جو عقیدہ رکھا ہے بالکل ٹھیک ہے۔ سو فیصد کسی قسم کا اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر شک پایا جاتا ہے تو اس عقیدے کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

۸...... جس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے اس عقیدہ کا برملا اظہار بھی کرے تاکہ سب لوگوں کو پتہ ہو کہ یہ آدمی اس عقیدے کا مالک ہے۔ ورنہ مداھن سمجھا جائے گا اور اپنے عقیدے کو امن کا سبق سمجھے کہ صرف اسی عقیدے کی صورت میں دنیا میں امن ہو سکتا ہے۔ امت مسلمہ میں اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر اپنے عقیدے کو چھپاتا ہے کھل کر اظہار نہیں کرتا اپنا عقیدہ لکھتے ہوئے ڈر محسوس کرتا ہے یا بالکل لکھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا بلکہ الٹا یہ کہتا ہے کہ اگر میں لکھ کر دے دوں تو فتنہ فساد پھیل جائے گا تو اس عقیدے کا بھی بالکل اعتبار نہیں۔ بلکہ ایسے شخص سے اجتناب لازمی ہے۔ ایسے ہے۔

۹...... جس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے اس عقیدے کو ثواب سمجھ کر تبلیغ کرے اگر تبلیغ کرتے ہوئے اسے ایک فیصد بھی خوف محسوس ہوتا ہے تو اس عقیدے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۱۰...... جس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے جب اس عقیدے کے متعلق کوئی بات چیت ہو کسی کے ساتھ تو اپنے عقیدے پر ڈٹ جائے۔ پکا ہو جائے۔ یہ کہہ کر جان نہ چھڑائے کہ اس میں تو علماء کا اختلاف ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف چلا آ رہا ہے۔ چھوڑو اس بات کو۔ اس قسم کی کوئی بات نہ کرے بلکہ اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے قوی اور مضبوط دلائل دے۔ اگر اس قسم کی کوئی بات کرتا ہے تو اس عقیدے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۱۱...... جس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے اور اس پر جو دلائل رکھتا ہے۔ ان دلائل میں کسی قسم کی کوئی تاویل نہ کرے۔ اگر تاویل کرتا ہے تو پھر شرط یہ ہے کہ تاویل متفق علیہ ہو سلف صالحین سے ہی تاویل منقول ہوتی چلی آ رہی ہو۔ اگر اپنی طرف سے تاویل کرتا ہے اور اپنا معنی و مطلب بیان کرتا ہے اور اس کا بیان کردہ معنی و مطلب پہلے کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا علماء کی کتابوں میں سے تو اس عقیدے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۱۲...... جس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے جمہور علماء اسلام نے اس کے عقیدے کی تائید بھی کی ہو یا وہ عقیدہ جمہور علماء امت و امت مسلمہ کے عقیدے کے مطابق ہو۔ اگر اس کے عقیدے کی صحیح العقیدہ علماء مخالفت کرتے ہیں اور اس کے عقیدے کو غلط بتلاتے ہیں تو اس عقیدے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۱۳...... جس آدمی نے جو عقیدہ رکھا ہے اس عقیدے میں اپنے اکابرین پر مکمل اعتماد رکھے کہ ان کا عقیدہ یہی تھا اور بالکل انہوں نے جو لکھا ہے صحیح اور ٹھیک لکھا ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوا کہ کسی مخالف نے اسے اپنے کسی اکابر کی کوئی ایسی عبارت یا بات دکھائی جو اس کے عقیدے کے بالکل خلاف ہے اور اس نے بجائے اس کے کہ وہ اس عبارت کی تحقیق کرتا۔ یا اس کی کوئی ایسی تاویل کرتا۔ جو بالکل ٹھیک اور اس کے عقیدے کے مطابق آ جاتی یا یوں کہتا کہ یہ بات میرے اکابرین کی لکھی ہوئی نہیں۔ لوگوں نے اپنی طرف سے لکھ کر اسے میرے اکابرین کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ان میں سے کوئی بات نہیں کہتا کیونکہ کچھ ہو نہیں سکتا بلکہ اسے یقین ہے کہ میرے اکابر نے ایسے لکھ دیا ہوگا۔ اب کوئی جواب دینے کے بجائے الٹا اپنے اکابر کو ہی برا بھلا کہنا شروع کر دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس نے واقعی غلطی کی ہے۔ میں اس عقیدے میں اس کی تصدیق نہیں کرتا تو اسنے جو باقی عقیدے رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا بھی کسی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب ایک عقیدے میں احتمال پایا گیا غلطی کا اکابرین کی طرف سے تو باقی خود بخود مشکوک ہو گئے۔ اسے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان عقائد میں اپنے اکابرین پر مکمل اعتماد اور یقین رکھے، ایسا نہ ہو کہ کوئی بات مان لے اور کوئی جھٹلا دے۔

۱۴...... جو عقیدے رکھے ہوئے ہیں اس پر انسان کو ایسا یقین اور اعتماد ہو کہ اس کے علاوہ لوگوں نے جو عقیدے رکھے ہوئے ہیں۔ ان سب کو غلطی پر سمجھے اور یہ سمجھے کہ میرے عقیدے بالکل ٹھیک ہیں اور انہی پر ثواب مرتب ہوگا۔ میرے عقائد کے علاوہ دوسرے جتنے عقائد والے لوگ ہیں۔ وہ سب غلط ہیں اور ان کو ان عقائد پر گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ ایسا یقین ہو انسان کو اپنے عقائد پر۔ ایسا نہ ہو کہ جو آ جائے وہی صحیح ہے اور یوں کہتا پھرے کہ شیعہ بھی ٹھیک ہیں۔ بریلوی بھی ٹھیک ہیں۔ دیوبندی بھی ٹھیک ہیں۔ غیر مقلد بھی ٹھیک ہیں۔ منکرین حیات وسماع بھی ٹھیک ہیں۔ سب ٹھیک ہیں۔ میں کسی کو غلط نہیں کہتا۔ ہر ایک خدا اور رسول کی بات کرتا ہے۔ اگر کوئی ایسے الفاظ کہتا ہے تو ان الفاظ کی وجہ سے اس نے جو عقائد رکھے ہوئے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ وہ انسان بھی ''الم تر انهم فی کل واد يهيمون'' کا کامل مصداق ہے۔

۱۵...... انسان اپنے عقائد صرف ایک ہی جماعت اور ایک ہی مسلک منسلک کرلے ایسا نہ ہو کہ ایک عقیدہ دیوبندیوں کا لے لیا اور ایک بریلویوں سے۔ ایک شیعوں سے۔، ایک غیر مقلدوں سے۔ ایک منکرین حیات سے۔ بقول کسے:

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا اشنان بھی راضی رہے رحمان بھی خوش رہے شیطان بھی

تا کہ سب راضی رہیں۔ اگر سب کو راضی کرتا رہا تو رب ناراض ہو جائے گا۔ جب رب ناراض تو اس کے عقائد کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ انسان ظلمت اور نور کو اکٹھا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حالانکہ قرآن نے کہا: ''ولا الظلمات ولا النور'' کہ ظلمت اور نور اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ''وما يستوی الاحياء ولا الاموات'' مردے اور زندہ برابر نہیں ہو سکتے (یعنی حیاتی اور مماتی اکٹھے نہیں ہو سکتے) اس وجہ سے ضروری ہے کہ صرف ایک ہی راستہ پر چلے جو صراط مستقیم ہے۔

۱۶...... عقائد کے بارے میں خود مجتہد نہ بنے کہ جو اس کی سمجھ میں آئے بس وہی صحیح ہے۔ باقی سب غلط ہیں۔ کیونکہ اجتہاد کے ذریعے جو کچھ اصول وضوابط مرتب ہونے تھے وہ ہو گئے۔ اب اگر کوئی اپنے اصول وضوابط اپنی عقل سے مرتب کرتا ہے تو ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

فائدہ! ان اصولوں کی روشنی میں اگر کوئی آدمی اپنا عقیدہ رکھتا ہے تو اس کا عقیدہ عین شریعت اسلامیہ کے مطابق ہوگا۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اصول نہیں پایا جاتا تو اس عقیدے کا اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اب ہر انسان اپنا عقیدہ خود پرکھ کر دیکھ لے کہ مجھ میں یہ تمام صفات پائی جاتیں ہیں یا نہیں؟ اگر پائی جاتیں ہیں تو خدا کا شکر کرے۔ اگر نہیں پائی جاتیں ہیں تو پھر اپنے عقیدے پر نظر ثانی کرے۔ غور وفکر کر کے صحیح عقیدہ رکھنے کی کوشش کرے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو یہ اصول سوائے علماء دیوبند کے جو کہ اہل سنت والجماعت ہیں کسی فرقے اور جماعت میں نہیں پائے جاتے۔ اس وقت علماء دیوبند کے علاوہ تمام فرقوں والے ان تمام اصولوں کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کے عقائد کا قرآن وحدیث کی روشنی میں کوئی اعتبار نہیں۔ جو عقائد اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے علاوہ رکھتے ہیں۔ وہ سب غلط ہیں اور وہ سب کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں۔ ان سب غلط عقائد سے توبہ کرنا لازمی اور فرض ہے۔ ورنہ ان غلط عقائد کے ہوتے ہوئے ان کے عمل صالح کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ یہ لوگ ''عاملة ناصبة'' (محنت کرنے والے تھکنے والے) کے کامل مصداق ہیں۔ کیونکہ عقائد بنیادی چیزیں ہیں۔ اگر کسی کی بنیاد ہی خراب اور کمزور ہے تو اس پر کھڑی ہونے والی عمل صالح کی عمارت دھڑام سے نیچے آ گرے گی۔

غلط استدلال کی مثال فقہ سے

"ثم نذكر طرقا من التمسكات الضعيفة الفاسدة عندنا (الاحناف) التمسك بقوله عليه السلام في اربعين شاةً شاة لاثبات عدم جواز دفع القيمة ضعيف لانه يقتضي وجوب الشاة ولا خلاف فيه وانما الخلاف في سقوط الواجب باداء القيمة (اصول الشاشي ص ۵۱)"

قارئین! اوپر جو عبارت لکھی گئی ہے یہ عبارت "اصول فقہ" کی کتاب "اصول الشاشی" سے نقل کی گئی ہے۔ اصول الشاشی مدارس عربیہ کے درس نظامی کے نصاب درجہ ثالثہ میں پڑھائی جاتی ہے اور اصول فقہ کی اہم ترین کتاب ہے کہ اس کے اندر اصول بیان کئے گئے ہیں (ہمارے یعنی احناف حضرات کے) کہ احناف حضرات نے کن کن اصولوں کے مطابق اپنے عقائد اور مسائل ثابت کئے ہیں۔ اس کتاب کو لکھنے والے مصنف حنفی ہیں جو سمرقند کے رہنے والے محلہ شاش کی طرف منسوب حضرت اسحاق بن ابراہیم الشاشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی وفات سن ۳۲۵ھ میں مصر کے اندر ہوئی ہے۔ انہوں نے بیان کردہ عبارت سے پہلے کچھ ایسے اصول بیان فرمائے ہیں جن اصولوں سے قرآن وحدیث کی مراد اور مطلب کو صحیح جاننے کا طریقہ معلوم ہوجاتا ہے اور انسان میں بخوبی اس بات کا ملکہ آجاتا ہے کہ کس طرح قرآن وحدیث کی مراد اور مطلب کو واضح اور متعین کیا جاتا ہے؟ یہ اصول بیان کرنے کے بعد پھر کچھ ایسے طریقے بتائے ہیں جن طریقوں سے استدلال کرنا فاسد ہوتا اور غلط ہوتا ہے۔ اس کے تحت تقریباً سات مثالیں ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اس طرح دلیل پکڑنا کسی مسئلہ میں صحیح نہیں ہوتا۔ بلکہ فاسد اور غلط ہوتا ہے اب آپ اس عبارت کا (جو لکھی گئی ہے) حاصل ملاحظہ فرمائیں۔ وہ یہ کہ صاحب اصول الشاشی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے باب میں بکریوں کا نصاب بیان فرماتے ہوئے ارشاد پاک فرمایا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک بکری زکوۃ واجب ہوگی۔ اب اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں موجود ہیں تو وہ ایک بکری زکوۃ دینے کی بجائے اس بکری کی قیمت دے دیتا ہے تو آیا اس کی زکوۃ اداء ہوگی یا نہیں؟

احناف کا مسلک

اس بارے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر بکری کی بجائے بکری کی قیمت ادا کر دی جائے تو اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ جب کہ شوافع کے نزدیک اسی بکری کو زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ اگر بکری کی قیمت ادا کی گئی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

شوافع کی دلیل

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسلک پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ حدیث میں آ گیا ہے "في الاربعين شاةً شاة" یعنی چالیس بکریوں میں سے ایک بکری بطور زکوٰۃ کے دینا واجب ہے۔ لہٰذا صرف بکری کا ذکر آیا ہے تو یہی بکری زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ اگر بکری کی جگہ کوئی اور چیز دے دی گئی تو زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔ کیونکہ فقراء کا حق بکری کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے۔ اگر بکری نہ دی گئی تو فقراء کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بکری ہی زکوٰۃ میں دی جائے۔ اگر قیمت دی گئی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

احناف کی طرف سے جواب

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو احناف حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کا حدیث سے دلیل پکڑنا ضعیف

اور کمزور ہے۔ کیونکہ حدیث سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ چالیس بکریوں کی زکوٰۃ میں ایک بکری واجب ہے۔ اس میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں یعنی احناف بھی مانتے ہیں کہ چالیس بکریوں میں ایک بکری بطور زکوٰۃ کے واجب ہے۔ جب ہم یہ مانتے ہیں تو اب یہ دلیل ہمیں دینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اس حدیث سے آپ کا یہ استدلال کرنا کہ چونکہ حدیث پاک میں بکری کے لفظ کی تصریح ہے۔ لہٰذا بکری ہی دی جائے کوئی اور چیز قیمت وغیرہ دینا صحیح نہیں یہ دلیل آپ کی صحیح نہیں۔ کیونکہ حدیث سے بکری کا وجوب تو ثابت ہے کہ بکری واجب ہوجاتی ہے لیکن عین بکری کا ہی دینا واجب ہو یہ بات حدیث سے ثابت نہیں۔ حدیث اس بارے کچھ نہیں کہتی بلکہ ساکت اور خاموش ہے یعنی نہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بکری ہی دو اور نہ ہی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بکری نہ دو۔ جب حدیث سے بکری کے وجوب کے سواء اور کچھ ثابت نہ ہوا تو اب تمہارا ہمارا اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر قیمت دے دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس پر ایسی دلیل دو جس میں صراحت ہو اس بات کی کہ چالیس بکریوں میں سے ایک بکری دینا واجب ہے قیمت دینا جائز نہیں۔ اس کے لئے مذکورہ حدیث سے استدلال نہیں کرسکتے۔ کیونکہ اس میں یہ بات نہیں آئی کہ قیمت دینا جائز نہیں۔ اگر آپ نے اسی سے دلیل پکڑی تو دلیل فاسد ہوگی۔ صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ حدیث قیمت دینے کے بارے میں خاموش ہے۔ اب حدیث سے صرف اتنا پتہ چلا کہ چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ کی دینی واجب ہوجاتی ہے۔ اب زکوٰۃ میں دینا کیا ہے بکری یا قیمت؟ اس حدیث سے کچھ ثابت نہیں ہورہا جو کہتے ہیں کہ بکری دینا واجب ہے۔ مستقل کوئی دلیل لے آئیں۔ اس حدیث کو دلیل نہیں بنا سکتے اور جو یہ کہتے ہیں کہ بکری ہی دینا واجب نہیں وہ بھی مستقل دلیل لے آئیں۔ اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑ سکتے تو احناف نے مستقل دلیل بنایا قیاس کو۔ کیونکہ زکوٰۃ کا مقصد ہے فقراء ومساکین کی ضرورت کو پورا کرنا۔ ضرورت جس طرح بکری دینے سے پوری ہوجاتی ہے۔ اسی طرح قیمت دینے سے بھی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔ بلکہ قیمت دینے سے فقراء کی ضرورت بطریق احسن پوری ہوگی۔ کیونکہ اس میں ان کی دیگر حاجات بھی پوری ہوجائیں گی۔ لہٰذا قیمت دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ یہ کہنا کہ نہیں ہوگی صحیح نہیں ہے۔ (اجمل الحواشی شرح اصول الشاشی ۲۶۳)

فائدہ! اس قسم کے تقریباً سات قسم کے مسائل صاحب اصول الشاشی نے ذکر کرکے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حدیث سے جتنا کچھ ثابت ہورہا ہے۔ اتنا ہی ثابت کرو اس سے زائد چیز کو ثابت کرنے کے لئے زائد دلیل کی ضرورت ہوگی جو مستقل طور پر دلیل بن سکے جس طرح احناف نے قیمت کو ثابت کرنے کے لئے ایک زائد چیز (قیاس) کو مستقل دلیل بنایا ہے۔

منکرین حیات کا حدیث سے غلط استدلال

قارئین! اب آپ حضرات ذرا اس بات کو غور اور ٹھنڈے دل سے سمجھیں کہ منکرین حیات اور ان کے علاوہ جتنے بھی باطل فرقے ہیں۔ اس طرح غلط استدلال کرکے اپنے باطل عقائد ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ احناف حضرات تو غلط استدلال سے نہ خود مسئلہ ثابت کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کرنے دیتے ہیں۔ چہ جائیکہ منکرین حیات وسماع کو غلط استدلال کی اجازت دی جائے۔

منکرین حیات وسماع کے باطل استدلالات

۱...... قرآن پاک اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر کسی کو موت آئے گی۔اس کا کوئی انکار کرنے والا آپ کو دنیا میں نہیں ملے گا۔اب موت کے واقع ہونے پر دلالت کرنے والی تمام دلیلیں صرف اس بات کو ثابت کریں گی کہ موت آئے گی۔اس کے علاوہ ان دلیلوں سے یہ بات ثابت نہیں ہوگی کہ موت کے بعد انسان کے جسم عنصری میں روح لوٹا دی جاتی ہے یا نہیں؟ نہ ہی ان دلیلوں سے یہ ثابت ہوگا کہ روح نکل گئی۔اب روح کا تعلق ختم۔جب ان دلیلوں سے موت کے بعد روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق یا جسم عنصری میں لوٹنا کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا تو ان دلیلوں کو نہ قائلین حیات حضرات علماء دیوبند دلیل بنا سکتے ہیں۔نہ ہی منکرین حضرات دلیل بنا سکتے ہیں۔جب کوئی بھی دلیل نہیں بنا سکتا تو اب ''انک میت'' والی آیت یا ''کل نفس ذائقة الموت'' والی آیت یا حضرت صدیق اکبرؓ کا خطبہ مبارک جس میں یہ بات آئی کہ آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔اس سے یہ دلیل پکڑنا کہ اب قبر میں کوئی زندگی نہیں۔یہ دلیل اس بیان کردہ احناف کے اصول کے بالکل خلاف ہے۔اگر کسی نے دلیل پکڑی تو دلیل فاسد ہوگی۔احناف تو دلیل فاسد سے کسی کو مسئلہ نہیں ثابت کرنے دیتے۔چہ جائیکہ کسی حنفی کو دلیل فاسد سے غلط عقیدہ ثابت کرنے دیں۔اگر کسی نے اس طرح غلط استدلال سے غلط عقیدہ اختیار کیا تو اس عقیدے کا احناف کے ساتھ کسی کا قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا شمار علماء دیوبند میں ہوگا۔

۲...... جن احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ روح زندہ ہے اور جنت میں یا جہنم میں ہے۔اس بات کو سب مانتے ہیں کہ روح یا جنت میں ہوتی ہے یا جہنم میں ہوتی ہے۔اس سے کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ہاں! ان حدیثوں سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ روح جنت میں ہوتی ہے یا جہنم میں ہوتی ہے۔اس کے علاوہ اور کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح کا تعلق جسم عنصری کے ساتھ ہوتا ہے۔نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح کا تعلق جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوتا۔اب جو روح کے تعلق کو جسم عنصری سے ثابت کرتے ہیں۔ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ مستقل کوئی دلیل دیں۔جس سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق ہے اور جو روح کے تعلق کو جسم عنصری سے نہیں مانتے۔ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ ایسی مستقل دلیل دیں جس سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ روح کا تعلق جسم عنصری سے نہیں۔اگر ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی انہی حدیثوں کو دلیل بنایا جس میں صرف یہ بات آئی کہ روح جنت میں ہے یا جہنم میں ہے۔احناف کے بیان کردہ اصول کے خلاف ہوگا۔جو اصول کے خلاف چلے گا۔وہ فاسد دلیل سے فاسد عقیدہ ثابت کرے گا۔اس فاسد عقیدہ رکھنے والے سے احناف کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

انک لا تسمع الموتیٰ سے غلط استدلال

۳...... قرآن میں آیا کہ: ''انک لا تسمع الموتی'' (کہ مردوں کو آپ نہیں سنا سکتے) اس آیت سے صرف یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ یا کوئی اور مخاطب قبروں والے مردوں کو سنا نہیں سکتے۔اس آیت سے کوئی دوسری چیز بالکل نہیں ثابت ہو رہی۔نہ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔نہ یہ کہ نہیں سنتے۔صرف اور صرف سنانے کی نفی ثابت ہو رہی ہے اور بس۔یہ ثابت نہیں ہو رہا کہ وہ سنتے بھی نہیں۔کیونکہ سنانے کی نفی سے سننے کی نفی بالکل لازم نہیں آتی۔اگر سنانے کی نفی سے کوئی سننے کی نفی کرتا ہے تو وہ پرلے درجہ کا جاہل ہے۔

ومانت بمسمع من فی القبور سے غلط استدلال

۴...... ''وماانت بمسمع من فی القبور'' سے صرف سنانے کی نفی ہے کسی اور چیز کی نفی نہیں۔ سننے کی نفی نہیں تو اب اس آیت سے یہ دلیل پکڑنا کہ مردے سنتے نہیں۔ یہ دلیل فاسد ہوگی۔ احناف کے بیان کردہ اصول کے خلاف کے خلاف ہوگی جو اس سے نہ سننے کا عقیدہ ثابت کرے گا اس کا عقیدہ فاسد ہوگا اس عقیدے کا احناف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ ہاں! مستقل کوئی دوسری دلیل لے آئیں جس میں یہ صراحت ہو کہ مردے نہیں سنتے جس طرح کہ قائلین حیات مستقل دلیل دیتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں سلام والی احادیث کے ساتھ دلیل پکڑتے ہیں کہ سلام کرو سلام تمہارا سنتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ! جب اس آیت سے نہ سننے کی دلیل پکڑنا دلیل فاسد ہے تو آگے پھر اسی آیت سے یہ دلیل پکڑنا کہ سنتے نہیں۔ لہٰذا زندہ نہیں۔ یہ بطریق اولیٰ فاسد ہوا کیونکہ فاسد سے فاسد تو ثابت ہوگا۔ صحیح نہیں ثابت ہوگا۔

۵...... جن حضرات کے اقوال میں یہ بات آگئی کہ قبر عالم برزخ کا نام ہے۔ اس بات کو سارے مانتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کسی کا کوئی اختلاف نہیں اچھی بات کہی ہے کہ ''قبر'' نام ہے عالم برزخ کا۔ لیکن اقوال سے صرف اتنا ہی ثابت ہو رہا ہے کہ قبر نام ہے عالم برزخ کا۔ آگے کچھ نہیں ثابت ہو رہا کہ عالم برزخ صرف علیین ہے اور علیین ہی شرعی قبر ہے۔ جب اقوال سے کچھ بھی ثابت نہیں ہو رہا تو اب ان حضرات کے یہ اقوال لے کر یہ دلیل پکڑنا کہ صرف علیین ہی مراد ہے عالم برزخ سے، یہ فاسد ہے یا یہ دلیل پکڑنا کہ عالم برزخ علیین یا سجین کا نام ہے اور یہی شرعی قبر ہے اور اس میں صرف عذاب ہوتا ہے۔ یہ دلیل پکڑنا فاسد ہے جو ان فاسد دلیلوں سے دلیل پکڑے گا۔ اس کا عقیدہ فاسد تو ہوگا صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس عقیدے کے ساتھ احناف کا کچھ تعلق نہیں ہوگا۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے غلط استدلال

۶...... اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ بات آئی کہ مردے نہیں سنتے۔ بالکل صحیح آئی کہ مردے اپنی قدرت سے کچھ نہیں سنتے۔ لیکن اس حدیث سے صرف یہ بات ثابت ہو رہی کہ مردے نہیں سنتے۔ اس سے آگے دوسری کوئی بات ثابت نہیں ہو رہی۔ لہٰذا اس حدیث سے اگر منکرین حیات نے یہ استدلال کیا کہ نہیں سنتے تو حیات نہیں روح کا تعلق نہیں۔ یہ استدلال کرنا فاسد ہے فاسد دلیل سے مسائل ثابت نہیں ہوا کرتے۔ چہ جائیکہ کہ کسی حنفی کو غلط دلیل سے عقیدہ ثابت کرنے دیں۔ اسی وجہ سے اس حدیث کو بنیاد بنا کر عدم حیات کا عقیدہ رکھنا باطل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ سے غلط استدلال

۷...... حضرت سلیمان علیہ السلام کم وبیش ایک سال عصاء مبارک پر ٹیک لگا کر موت کے بعد کھڑے رہے۔ کسی کو ان کی موت اور برزخ والی زندگی کا علم نہیں ہوا۔ اس آیت سے بھی صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو ان کی برزخ والی زندگی کا علم نہیں ہوا اور موت کا پتہ نہیں چلا۔ اس سے آگے کوئی دوسری چیز ثابت نہیں ہو رہی کہ ان کو زندگی روح کے تعلق یا دخول سے برزخ میں ملی ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس آیت سے روح کے تعلق یا عدم تعلق پر استدلال کسی کے لئے جائز نہیں۔ اگر کسی نے روح کے تعلق نہ ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا تو احناف کے بیان کردہ اصول کے خلاف ہوگا اور یہ استدلال فاسد ہوگا اور فاسد دلیل سے عقیدہ ثابت کرنا فاسد ہوگا۔ جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے غلط استدلال

۸...... حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی سو سال تک اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد اسی دنیا میں باقی رکھا۔ پھر ان کو زندہ کیا اور پوچھا کہ کتنی مدت آپ ٹھہرے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ آپ سو سال تک ٹھہرے رہے۔ اس آیت سے بھی صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام پر موت آئی اور سو سال تک میت رہے۔ جب اللہ نے زندہ کر کے پوچھا تو ان کو پتہ نہ چلا کہ کتنے سال تک میں میت رہا ہوں۔ اس سے زائد کوئی بات اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق تھا۔ سو سال کی مدت میں۔ نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق نہیں تھا۔ جب زائد کچھ ثابت نہیں ہوتا تو اس آیت سے اس بات کی دلیل پکڑنا کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق نہیں تھا۔ اس وجہ سے پتہ نہیں چلا۔ یہ دلیل فاسد ہوگی احناف کے بیان کردہ اصول کے خلاف ہوگی دلیل فاسد سے دلیل پکڑنا عقیدے کے لئے جائز نہیں۔ اگر کسی نے دلیل پکڑی تو اس کا عقیدہ فاسد ہوگا گناہ ہوگا۔

ثم انکم بعد ذالک لمیتون سے غلط استدلال

۹...... "ثم انکم بعد ذالک لمیتون ۰ ثم انکم یوم القیامته تبعثون" پھر تم اس کے بعد مر و گے۔ پھر قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو تخلیق کے بہت سے مراحل سے گزارا۔ بال آخر اس میں روح ڈالی اور جیتا جاگتا انسان بنایا۔ یعنی اس کو دنیا والی زندگی دی۔ پھر یہ مریں گے اور قیامت کے دن کھڑے کئے جائیں گے۔ ان دونوں آیتوں سے صرف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک زندگی بدخول روح دنیا میں عطاء فرمائی ہے اور ایک زندگی بدخول روح قیامت کے دن عطاء فرمائیں گے۔ بس اس سے آگے دوسری کوئی چیز ثابت نہیں ہو رہی۔ اب یہ آیت عالم قبر اور عالم برزخ میں نہ روح کے تعلق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ نہ ہی روح کے تعلق نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا اس آیت سے روح کے تعلق نہ ہونے پر دلیل پکڑنا احناف کے بیان کردہ اصول کے خلاف ہوگا۔ خلاف ہونے کی وجہ سے دلیل فاسد سے ثابت شدہ عقیدہ بھی فاسد ہوگا۔

اموت غیر احیاء سے غلط استدلال

۱۰...... "اموات غیر احیاء" اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو فوت ہو گئے ہیں۔ ان کی موت کی اطلاع دینا مقصود ہے کہ وہ دنیا سے چلے گئے۔ اب دنیا میں زندہ نہیں اور جو غیر جاندار چیزیں ہیں۔ وہ تو ویسے بھی مردہ اور بے جان ہیں۔ صرف اس آیت میں مخلوقات کی موت کی اطلاع دی گئی ہے اور بس۔ اس سے زائد کوئی چیز نہیں ثابت ہوتی یعنی یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ موت کے بعد روح کے تعلق کی وجہ سے وہ زندہ ہیں اور یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ موت کے بعد ان کی روح کا ان کے اجسام عنصریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ جب کچھ نہیں ثابت ہوتا تو اب اس آیت سے یہ دلیل پکڑنا کہ مردہ ہیں۔ اس لحاظ سے روح کا تعلق نہیں یہ فاسد ہے۔ دلیل فاسد سے فاسد عقائد تو ثابت ہو سکتے ہیں۔ صحیح کا امکان ہی نہیں۔

نوٹ: زیادہ تر منکرین حیات انہی دلائل سے غلط استدلال کر کے اپنے فاسد عقیدے ثابت کرتے ہیں جن کا جواب الحمد اللہ! بندہ ناچیز نے اپنی دانست کے مطابق حتی الوسع دے دیا ہے۔ اب وہ دلائل مستقل ذکر کئے

جائیں گے جن میں واضح اور صریح طور پر اس بات کا ذکر ہوگا کہ روح موت کے بعد اجسام عنصر یہ میں لوٹ آتی ہے۔ حساب وکتاب کے بعد اس کا اتنا تعلق جسد عنصری سے باقی رہ جاتا ہے کہ عام اموات چاہے اصلی بدن کے ساتھ ہوں یا ذرات منتشرہ کے ساتھ ہوں۔ عذاب وثواب قبر کا ادراک کرسکیں۔

اعادۂ روح احادیث کی روشنی میں

حدیث براء ابن عازب رضی اللہ عنہ

دلیل نمبر ا...... حضرت سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک صحابی رسول ﷺ کے جنازہ میں شریک تھے اور آپ ﷺ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم قبرستان پہنچے تو ابھی قبر تیار ہو رہی تھی۔ جنازہ رکھ دیا گیا۔ آپ ﷺ بھی تشریف فرما ہوگئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے بڑی تفصیل کے ساتھ مؤمن اور کافر کی موت کا تذکرہ کیا۔ مثلاً یہ کہا کہ جب مؤمن کو موت آتی ہے تو فرشتے خوبصورت شکل میں جنت سے خوب صورت رومال لے کر آتے ہیں اور آ کر میت سے کچھ دور بیٹھ جاتے ہیں۔ ملک الموت آرام سے روح قبض کر لیتا ہے۔ تو دوسرے فرشتے ساتھ آئے ہوئے خوشی سے مؤمن کی روح کو ملک الموت سے لے لیتے ہیں اور خوشبو لگاتے ہیں۔ جنت کا کفن پہناتے ہیں۔ پھر آسمانوں کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ آسمانوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں تو ہر آسمان کے فرشتے بھی ان فرشتوں کے ساتھ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ کے سامنے عرش کے پاس اس کو رکھ دیا جاتا ہے۔ پس اس کا عمل علیین سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ تم گواہ ہو جاؤ۔ میں نے اس عمل والے کو بخش دیا۔ پھر اس کے نامۂ اعمال پر مہر لگادی جاتی ہے اور اسے علیین میں لوٹا دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی روح کو زمین کی طرف لوٹا دو۔ اس لئے کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو لوٹا دوں گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى (طٰہٰ:)“ پھر فرمایا کہ مؤمن کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاؤں کی طرف سے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ اس دروازے کی طرف دیکھ۔ اللہ نے تیرے لئے تیار کیا ہے اور ایک دروازہ جہنم سے کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس سے بچالیا ہے۔ پھر اس میت کو کہا جاتا ہے سو جا آرام کے ساتھ۔ اس کو قیامت قائم ہونے سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہوتی (اس لئے کہ جنت میں جائے گا قیامت والے دن) پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین اس سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ تو مجھے محبوب تھا۔ جب تو میری پشت پر چلتا تھا۔ اب تیرا کیا حال ہوگا؟ جب کہ توں میرے پیٹ میں آ گیا تو عنقریب دیکھ لے گا جو میں تیرے ساتھ سلوک کرتی ہوں۔ پس اس کی قبر تا حد نگاہ کشادہ ہو جاتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے کافر کا تذکرہ فرمایا کہ منکر نکیر اس کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں تو اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ اتنا مارتے ہیں کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ پھر اسے پہلی حالت پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے۔ اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ پھر مارتے ہیں کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ پہلی دفعہ بٹھا کر خدا کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ جب کہ دوسری دفعہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

فائدہ! اس حدیث کو کئی محدثین و مفسرین نے کتب حدیث و تفسیر میں نقل کیا ہے۔ جن میں سرفہرست یہ کتابیں آتی ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند امام احمد، تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۱ ج ۲ تحریرات حدیث ص ۲۰۸) اس حدیث میں علماء دیوبند کے مسلک کی جو اصل دلیل ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں ''فتعاد روحه فی جسده'' اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ پھر فرشتے بٹھا کر سوال وغیرہ کرتے ہیں اور کافر کی روح کے بارے میں یہ الفاظ آتے ہیں ''فیرمی بروحه حتی تقع فی جسده'' (مستدرک حاکم ص ۲۸ ج ۱) پس اس کافر کی روح کو آسمانوں سے پھینک دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے جسم میں جا پڑتی ہے۔

حدیث کی صحت پر علماء اسلام کے اقوال مبارکہ

۱...... حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے محدثانہ انداز میں کئی طریقوں اور کئی سندوں کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ پھر آخر میں یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور اس حدیث میں اہل سنت والجماعت کے لئے کئی فوائد اور اہل بدعت (منکرین حیات) کے عقائد کے قلع قمع کا خاصا ثبوت موجود ہے۔ (مستدرک حاکم ص ۳۹ ج ۱)

۲...... علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور تمام محدثین کا اس حدیث کے مشہور اور متفق ہونے پر اجماع ہے۔

۳...... حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (کتاب الروح)

۴...... ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت مشہور و مستفیض ہے اور حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس حدیث میں طعن کیا ہو (اگر آج ہوتے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو یوں فرماتے کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے طعن کیا ہو ہمیں علم نہیں سوائے منکرین حیات کہ کے ان کا کسی صحیح مسلک میں شمار ہی نہیں) پھر آگے لکھا کہ اس روایت کو اصول دین سے قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۸) ایک اور مقام پر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک کہ (قبر میں) روح کو جسم میں لوٹا یا جاتا ہے نص (قطعی) ہے۔ صحیح اور صریح ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۲)

۵...... حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ رفرماتے ہیں کہ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے لے کر تقریبا چوتھی صدی تک اہل سنت والجماعت کے ہر مسلک اور ہر مکتبہ فکر کے حضرات فقہاء و متکلمین اور علماء حق اس عقیدے پر تھے کہ وفات کے بعد قبر میں میت کو جو راحت اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اس کا تعلق بدن مع الروح کے ہوتا ہے اور میت کو ایک گونہ حیات حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو سمجھ، شعور، ادراک عذاب اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ فرقہ معتزلہ، کرامیہ، روافض و شیعہ اگرچہ اس حق اور صحیح مسلک کے ساتھ اختلاف رکھتے تھے (جن کے صحیح جانشین منکرین حیات موجودہ دور میں فخر کے ساتھ بن گے ہیں) لیکن اہل سنت والجماعت میں شمار کئے جانے والے فرقوں میں سے کوئی شخص (اعادۂ روح کا) منکر نہیں تھا۔ لیکن ہماری دانست میں سب سے پہلے اس اعادۂ روح کا انکار کرنے والا شخص ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری ہے۔ (تسکین الصدور ص ۱۱۵)

۶...... حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان جیسے مبتدعین وملحدین کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بہر حال قبر کی تنگی بایں طور کہ مردوں کے بعض اجزاء مثلاً پسلیاں آپس میں گھس جاتی ہیں تو اس کو نہ تو عقل رد کرتی ہے اور نہ ہی فطرت رد کرتی ہے (ہاں جس میں عقل سلیم نہ ہو وہ بلا دھڑک رد کر دیتا ہے۔ الغرض بدعتیوں اور ملحدوں کے پاس اس کے سواء کچھ نہیں کہ وہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۸۱)

۷...... ایک اور مقام پر لکھا کہ اے مخاطب تو جان کہ سلف امت اور اس امت کے اماموں کا مذہب یہ ہے کہ میت کو راحت اور تکلیف ہوتی ہے۔ یہ اس کے روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۳)

۸...... علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ باطل لوگوں کی پرزور تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح اور متواتر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم عنصری کی طرف لوٹ آتی ہے اور جو لوگ صرف یہ کہتے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور بدن کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ابن میسرہ اور ابن حزم کا قول ہے جو کہ باطل ہے اور صحیح احادیث اس قول کو رد کرتی ہیں۔ (شرح حدیث النزول ص ۵۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ نے حدیث براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کے متعلق بڑی بسط وتفصیل سے پڑھا کہ اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔ یہ روایت امام بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ اس کو صحیح کہتے ہیں۔ قبر میں سوال وجواب کے سلسلہ میں اس روایت کو اہل سنت والجماعت بطور دلیل کے لیتے ہیں اور جو اس حدیث کے انکاری ہیں اور قبر میں کچھ نہیں مانتے۔ ان کو حضرات سلف صالحین نے کہا ہے کہ یہ معتزلہ ہیں۔ کرامیہ ہیں، روافض ہیں۔ بدعتی ہیں اہل سنت والجماعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا انکار کرنا باطل ہے۔ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ اجماع کے منکر ہیں۔ یہ سب باتیں منکرین حیات کو عبرت دلانے کے لئے کہی ہیں کہ اپنے عقائد پر نظر ثانی کرو۔ ورنہ معتزلہ وغیرہ کے ساتھ تمہارا بھی حشر ہوگا (فاعتبروا یا اولی الابصار) اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری حدیث میں کافر کی روح کے بارے یہ الفاظ آتے ہیں "کانت فی الجسد الخبیث ارجعی ذمیمة فانها لا تفتح لک ابواب السمآء فیر سل بها من السماء ثم تصیر الی البقر (ابن ماجه ص ۳۲۴)" (جب کافر کی روح آسمانوں کی طرف لے جاتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور جواب ملتا ہے کہ خبیث جسم میں رہنے والی خبیث روح کو کوئی مرحبا نہیں تو قابل مذمت ہو کر واپس چلی جا پھر آسمان سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر وہ قبر کی طرف جاتی ہے)

<u>دلیل نمبر ۲</u>...... ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مسند احمد کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن اور کافر کی روح کے نکلنے کے بارے میں تفصیل سے بات کی اور ارشاد فرمایا کہ مؤمن کی روح کے لئے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور کافر کی روح کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے۔ پھر آخر میں فرمایا کہ "فترسل بین السمآء والارض فتصیر الی قبره... الخ" (سو اس کی روح آسمان وزمین کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہے۔ پس وہ قبر میں پہنچ جاتی ہے) تو نیک آدمی اپنی قبر میں بغیر کسی خوف وگھبراہٹ کے بیٹھ جاتا ہے۔ (شرح حدیث النزول ص ۵۰ کتاب الروح ص ۶۰ بحوالہ مسند احمد)

<u>فائدہ</u>! اس حدیث میں بھی اچھی طرح یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ روح قبر میں لوٹائی جاتی ہے اور نیک آدمی اٹھ کے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کو کسی قسم کا خوف وگھبراہٹ نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر ۳...... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عذاب قبر کے متعلق تفصیلی حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "فترسل من السمآء الی القبر" یعنی جب برے آدمی کی روح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے تو اس کی روح کو آسمانوں سے قبر کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔ (مسند احمد ص ۲۰۲ ج ۷)

فائدہ! اس حدیث سے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک واضح ہو رہا ہے۔ وہاں! اس بات پر نص آ رہی ہے کہ اعادۂ روح فی القبر حق ہے۔ اگر ان سب کو الگ الگ شمار کر کے ایک مضمون بنالیا جائے تو قدر مشترک یہ نکل آئے گا کہ روح قبر کی طرف مردے کے جسم عنصری میں لوٹائی جاتی ہے اور یہ بات تواتر قدر مشترک سے ثابت ہے تواتر کا انکار کرنے والا فاسق و گمراہ ہے۔

دلیل نمبر ۴...... حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن اور کافر کی موت کا اور اس کی روح کے نکلنے کا تذکرہ فرمایا۔ پھر آخر میں فرمایا "حتیٰ یدخل حفرته وترد الروح الی جسده" (یہاں تک کہ مردہ کو اس کی قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ (مختصر تذکرہ قرطبی ص ۳۳)

دلیل نمبر ۵...... حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوعبداللہ عبدالرحمن بن مندہ کے حوالہ سے سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں۔ جس کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے "فید خلون ذالک الروح بین جسده واکفانه" (وہ فرشتے اس کی روح کو اس کے جسم اور کفن میں داخل کرتے ہیں) (تسکین الصدور ص ۱۵۷ بحوالہ کتاب الروح ص ۶۱)

فائدہ! حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع روائتیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی پہلی والی حدیث کے لئے تائید و تصدیق ہیں۔ ان تمام روایات میں اس کی تصریح موجود ہے کہ قبر میں مردہ کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے اور فرشتے سوال و جواب کرتے ہیں۔ عذاب و ثواب میں جسم روح کا شریک رہتا ہے۔ یہ تمام امور نہ تو صرف بدن کے لئے ہوتے ہیں۔ نہ صرف روح کے لئے ہوتے ہیں۔ بلکہ دونوں کے لئے ہوتے ہیں۔ بدن ہر کام میں روح کے شریک رہتا ہے اور جمہور اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے اور یہی حق اور صحیح ہے۔ (تسکین الصدور ص ۱۶۰)

(یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ روح قبر میں جسم کی طرف لوٹ کر آتی ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں)

اعادۂ روح اجماع کی روشنی میں

جیسا کہ وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ اعادۂ روح اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے اور اجماعی مسئلہ ہے۔ اس پر سلف صالحین کا اجماع ثابت ہو چکا ہے۔ اب اس پر دلائل دیکھیں:

۱...... علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وقد اجمع اهل السنة علی اثبات حیاة القبور وقال امام الحرمین وقد اتفق سلف الامة له علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتی فی قبور هم ورد الارواح فی اجسادهم (شفاء السقام ص ۱۵۱)" (اہل سنت کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے۔ امام الحرمین

نے لکھا ہے کہ سب سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے۔ مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور روحیں جسم میں لوٹائی جاتی ہے)

۲...... قاضی عضدالدین رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ: "احیاء الموتی فی قبورھم ومسئلۃ منکر نکیر وعذاب القبر للکافر والفاسق کلھا حق عنه واتفق علیه سلف الامۃ قبل ظھور الخلاف واتفق علیه الاکثرون (شرح موافق ص ۱۷۶)" (مردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور منکر نکیر کا سوال اور قبر کا عذاب کافر وفاسق کے لئے برحق ہے۔ اختلاف ظاہر ہونے سے پہلے سلف امت کا اس پر اجماع رہا ہے اور اختلاف ظاہر ہونے کے بعد اکثریت اس عقیدہ پر قائم ودائم ہے)

۳...... علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ لکھتے ہیں "بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعا باتفاق اھل سنت والجماعت" عذاب اور راحت قبر پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ روح اور بدن دونوں پر وارد ہوتا ہے۔

(کتاب الروح ص ۷۲ اغاثۃ اللفہان ص ۲۱۸)

۴...... حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں "واعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللّٰہ تعالی یخلق فی المیت نوع حیاۃ فی القبر قدر مایتألم اویتلذذ (شرح فقہ اکبر ص ۱۰۱)" خوب جان لو کہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے (اجماع ہے) کہ اللہ تعالیٰ میت میں حیات کی ایک خاص قسم پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ دکھ سکھ محسوس کرتا ہے۔

فائدہ! یہ تمام اقوال اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق قائم ودائم رہتا ہے۔ سوال وجواب کے بعد۔

۵...... امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "اعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق (فقه اکبر ص ۱۰۰)" (قبر میں روح کا جسم عنصری کی طرف لوٹنا حق ہے)

اعادۂ روح اہل سنت والجماعت کے اقوال کی روشنی میں

اس حصے میں ائمہ دین، محدثین وفقہاء کرام رحمۃ اللہ کی بعض عبارتوں سے ثابت کیا جائے گا کہ قبر میں جسم عنصری کی طرف اعادۂ روح حق ہے اور اہل سنت کا مسلک قرآن وحدیث کے موافق ہے۔

۱...... امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اپنی کتاب کتاب الصلوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حوض کوثر، شفاعت، منکر نکیر، عذاب قبر، ملک الموت کے ارواح کو قبض کرنے، پھر ارواح کے قبروں کی طرف جسموں میں لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان لانا لازم ہے کہ قبر میں ایمان اور توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۵)

فائدہ! جو اعادۂ روح پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کا ایمان کامل ہوا۔ کیونکہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو اعادۂ روح پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ واجب کا تارک وگناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ جس سے توبہ لازمی ہے۔

۲...... امام محی الدین یحییٰ بن شرف بن حسن الشافعی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے (نہ کہ منکرین حیات کا) کہ قبر کا عذاب حق ہے۔ اس پر کتاب وسنت اور صحیح احادیث سے روشن دلائل موجود ہیں۔ ایک گروہ اس کا (یعنی اعادۂ روح) کا مخالف ہے وہ کہتا ہے کہ عذاب کے لئے اعادۂ روح شرط نہیں۔ لیکن ہمارے اکابر کہتے ہیں کہ یہ گروہ بالکل باطل ہے۔ پھر کہا کہ اہل سنت کے نزدیک بعینہ جسد عنصری کو سزا دی جاتی ہے۔ (شرح مسلم ص ۳۸۵ ج ۲)

۳...... مولانا سید احمد حسن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ عذاب قبر کو تسلیم کرتے ہیں۔ بخلاف خارجیوں اور معتزلیوں کے کہ وہ اس کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن عذاب قبر کی احادیث ان کے خلاف ہیں۔ پھر اہل سنت کے نزدیک عذاب قبر جسد عنصری کو ہوتا ہے۔ اعادۂ روح کے بعد۔ (تنقیح الرواۃ ص ۱۳۱ ج ۱)

۴...... علامہ آلوسی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز میں لوٹایا جاتا ہے جس کو دنیا والے محسوس نہیں کر سکتے۔ ہاں! جس کو اللہ تعالیٰ محسوس کرا دے۔ (روح المعانی ص ۵۷ ج ۲۲)

۵...... علامہ بدر الدین ابو عبداللہ محمد بن علی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ روح موت کے بعد جسم عنصری کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے۔ پھر دوبارہ واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ مگر بے شک وہ جسم عنصری سے متصل رہتی ہے۔

۶...... امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات میں کوئی بعد نہیں کہ قبر میں جسم کی طرف روح لوٹائی جائے۔ (احیا العلوم عربی ص ۴۰۹ ج ۴)

۷...... حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر کے بارے میں زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور "ہدایہ" کے اکثر شارحین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور میرے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔ اگرچہ بدن ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ جمہور امت کے نزدیک شعور ہر چیز کو ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۵۵)

۸...... دوسرے مقام میں حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر سوال میرے نزدیک جسم عنصری سے ہوتا ہے جو روح سے متعلق ہے "صاحب ہدایہ" نے کتاب الایمان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (فیض الباری ص ۱۵۸ ج ۱)

۹...... حضرت مولانا عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فتویٰ دیتے ہوئے یوں لکھا کہ قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور اصل اس کا ٹھکانہ علیین یا سجین ہے۔ عذاب روح پر جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۴۲۶ ج ۵)

۱۰...... حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منکر نکیر میت کے پاس آتے ہیں تو اس میت میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے جب اس سے سوال ہو جاتا ہے تو اس کی روح بلا تکلیف کے نکال لی جاتی ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جب میت کے پاس کوئی شخص زیارت کرنے کے لئے آتا ہے۔ تو وہ اس کو پہچان لیتی ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

فائدہ! ان تمام اقوال سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ مان لیا کہ منکرین حیات کو دوسروں کے ساتھ تو ضد ہے۔ لیکن اپنے پیر و مرشد کے ساتھ تو ضد نہیں۔ اس لئے اگر کسی اور کی نہیں مانتے تو نہ مانیں کم از کم اپنے مقتداء اور پیشواء کی تو مان لینی چاہئے۔ جنہوں نے صراحت کے ساتھ یہ بات لکھی کہ اس میت میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ اب وہ واقعات ذکر کئے جائیں گے جن سے معلوم ہوگا کہ واقعتاً روح جسم عنصری میں لوٹا دی جاتی ہے اور نیک آدمی عبادت میں مشغول ہوتا ہے اور برا آدمی عذاب و مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے۔

اعادہ روح واقعات کی روشنی میں

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

واقعہ نمبر ۱...... جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سادات خاندان میں سے تھے اور حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا اپنا فرمان ہے کہ ہر شئی کی ایک کنجی ہوتی ہے۔ ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ خیر کی کنجی ہے۔ دنیا کے اسوقت سب سے بڑے عابد مشہور تھے۔ صائم الدھر تھے۔ دن رات میں ایک پورا قرآن ختم کرتے تھے سن ۱۲۳ھ میں وفات پائی ہے۔ (تابعین مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۶۳) ان کے متعلق آتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو نے کسی کو اس کی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطاء فرمایا ہے تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطاء فرمانا۔ (بحوالہ طبقات ابن سعد، مصنف ابن ابی شیبہ، شرح الصدور ص ۷۸) جب یہ فوت ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد کسی ضرورت کی وجہ سے ان کی قبر کو کھولنا پڑ گیا تو ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بات آتی ہے کہ حضرت جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں حضرت حمید الطویل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو کھولنے والوں کے ساتھ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ جو اللہ سے دعا کرتے تھے۔ اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا ہے۔ (شرح الصدور ص ۷۸)

حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس سے گزرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے قبر سے قرآن کی تلاوت کی آواز سنی ہے۔

فائدہ! صاحب ندائے حق والا لکھتا ہے کہ ظاہر بین علماء وعوام کا خیال ہے کہ اسی گڑھے میں...... یہی دھڑ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ کھاتا پیتا نماز پڑھتا ہے۔ (ندائے حق ص ۲۲)

قارئین! آپ حضرات خود انصاف فرمائیں کہ ہم ان عقل کے پیچھے چلنے والوں کی باتوں کو مانیں؟ یا جو تواتر سے واقعات نقل ہوتے چلے آرہے ہیں ان سے ثابت شدہ صحیح دلیل جو قرآن وحدیث اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے موافق ہے اس کو مانیں؟ فیصلہ آپ کی ذات پر ہے۔ لیکن واقعہ سے واضح طور پر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ روح کا قبر میں اولیاء اللہ کے اجسام کے ساتھ اتنا قوی تعلق ہوتا ہے کہ گویا وہ روح خود اسی جسم عنصری میں ہے۔ اگر حقیقی طور پر جسم عنصری میں ہی ہو اور اس کا علیین کے ساتھ تعلق ہو تو یہ بھی بعید از عقل نہیں۔ بلکہ عین شریعت کے مطابق ہے۔

ہر قبر سے قرآن کی آواز

واقعہ نمبر ۲...... محمد احمد نامی ایک شخص لوگوں کی قبریں کھود کھود کر روزی کماتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ایک دفعہ جمعہ والے دن میں قبرستان میں گیا تو مجھے ہر قبر سے قرآن پاک پڑھنے کی آواز آرہی تھی اور میں قرآن پاک سنتا رہا۔ (طبقات الحنابلہ ص ۱۶۹ ج ۱)

فائدہ! یہ اس زمانہ کی بات ہے جس زمانہ میں مسلمانوں میں ابھی دین اسلام کی رمق پوری طرح باقی تھی اور ہر گھر دین واسلام کی روشنی سے منور تھا اور تمام کے تمام مسلمان ماشاء اللہ کامل مسلمان تھے۔ فتنوں کا دور اتنا نہیں شروع ہوا تھا۔ جیسا کہ آج کل گھر گھر سے فتنہ اٹھ رہا ہے۔ اس واقعہ سے بھی اہل سنت والجماعت کے مسلک کی کہ اعادۂ روح برحق ہے پوری پوری تائید ہوتی ہے اور منکرین حیات کی پوری پوری تکذیب ہوتی ہے۔

قبر سے قرآن سننے کا واقعہ

واقعہ نمبر ۳...... حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ ایک استاذ اور ایک شاگرد آپس میں قرآن پاک کا دور کیا کرتے تھے۔ یعنی روزانہ ایک دوسرے کو قرآن سناتے تھے۔ اتفاقاً استاذ کا انتقال ہو گیا۔ اب شاگرد بڑا پریشان ہوا کہ اب دور کس کے ساتھ کروں گا؟ استاذ صاحب تو چلے گئے ہیں تو اس کے ذہن میں یہ بات آئی کل صبح سحری کے وقت جو ہمارا وقت ہے دور کرنے کا میں قبر کے پاس جاؤں گا وہاں بیٹھ کر اپنا قرآن پاک سنا آؤں گا۔ کل سحری کے وقت اپنی عادت کے مطابق قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن پاک سنانا شروع کیا تو دس آیات سنا کر خاموش ہو گیا۔ اس کا خاموش ہونا تھا کہ قبر سے بھی استاذ کے پڑھنے اور سنانے کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ اس نے اپنے استاذ کا سنا جب اس قبر والے استاذ کی بھی دس آیات مکمل ہو گئیں تو خاموش ہو گئے۔ پھر اس شاگرد نے سنانا شروع کر دیا۔ جب دس آیات مکمل ہو گئیں تو خاموش ہو گیا۔ دوبارہ پھر قبر سے سنانے کی آواز آئی۔ اسی طرح کرتے رہے۔ جتنا روزانہ کا معمول تھا۔ اتنا سنا کر اور سن کر واپس آ گیا۔ اگلے دن پھر اسی طرح ہوا۔ حتیٰ کہ کافی عرصہ یہ شاگرد جاتا رہا اور خود بھی سناتا اور اپنے استاذ کا بھی سنتا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے یہ واقعہ لوگوں کو اور اپنے ساتھیوں کو بتا دیا کہ میں روزانہ اس طرح جاتا ہوں اور سناتا بھی ہوں اور سنتا بھی ہوں۔ اللہ کی شان کہ جب اس نے لوگوں کو بتایا تو اندر سے سنانے والا معاملہ ختم ہو گیا۔ (مرقاۃ ص ۳۱۴)

قبر والے نے غلطی بتائی

واقعہ نمبر ۴...... حضرت عبدالمولیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے پیرومرشد کے مزار پر گیا اور ایصال ثواب کے لئے میں نے سورۃ بقرہ پڑھنا شروع کر دی۔ پڑھتا رہا پڑھتا رہا۔ بالآخر ایک غلطی آ گئی ''لا فارض ولا بکر'' پر تو غلطی کی وجہ سے رک گیا۔ اچانک قبر کے اندر سے حضرت پیر صاحب نے مجھے غلطی بتائی کہ آگے ایسے پڑھو۔ (اس وقت موجود دوسرے لوگوں نے بھی سنا ہو گا جس کی وجہ سے یہ واقعہ اس زمانہ میں بہت مشہور ہوا۔ (طبقات الحنابلہ ص ۶۰ ج ۲)

فائدہ! اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے مسلک کی وضاحت کے ساتھ ساتھ مکمل تائید ہو رہی ہے کہ اعادۂ روح یا روح کا تعلق جسم عنصری کے ساتھ حق ہے اور یہی اجماعی مسئلہ ہے۔ خیر خواہانہ طور پر اپنے مخاطبین کو مسلک حقہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین!

عورت کا قبر میں اٹھ کر بیٹھ جانا

واقعہ نمبر ۵...... یہ ۶۹۷ھ کا واقعہ ہے کہ ساحلی علاقہ کے ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ جب یہ شخص اس کو دفن کر کے گھر لوٹا تو اس کو یاد آیا کہ میرا قیمتی رومال تو قبر کہ میں رہ گیا ہے جس میں کچھ پیسے بھی تھے۔ چنانچہ اس نے اسی وقت اپنے علاقہ کے مفتی صاحب کو ساتھ لیا اور قبر کو جا کر کھول دیا۔ مفتی صاحب بھی کنارے پر ہی تشریف رکھتے تھے قبر کو جب پورا کھول لیا تو دونوں کیا ماجرا دیکھتے ہیں کہ اس کی بیوی اٹھ کر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے بالوں سے اس کے بازو سخت قسم کے باندھے ہوئے ہیں اور پاؤں بھی جکڑے ہوئے ہیں۔ اسے اپنا کام تو بھول گیا کہ رومال لینے آیا تھا لے کر چلا جاؤں اس نے عورت کو کھولنے کی کوشش شروع کر دی، بڑا زور لگاتا رہا اور کوشش کرتا

رہا۔لیکن وہ مشکیں نہ کھل سکیں جب عاجز آ گیا تو زور لگا کر توڑنے کی کوشش شروع کردی۔بس پھر کیا ہوا کہ اچانک اس مرد کو بھی عورت سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا، آج تک اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔وہ مفتی صاحب جو کنارے پر بیٹھے تھے۔یہ معاملہ دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔چوبیس گھنٹے تک اسے ہوش نہ آیا۔جب ہوش آیا تو فوراً وقت کے بادشاہ کو واقعہ کی خبر دی۔بادشاہ نے مشہور عالم دین ابن دقیق رحمۃ اللہ سے اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں کو عذاب قبر کی حقیقت بھی بتلاؤ اور ان کو ذرا خوف خدا کی طرف توجہ دلاؤ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔لوگوں نے اس واقعہ سے بہت ہی عبرت حاصل کی۔ (موت کا جھٹکا ص ۲۲۷ بحوالہ تاریخ مقریزی)

فائدہ! جہاں اس واقعہ سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے وہیں اپنے عقائد اگر صحیح ہیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ورنہ واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ اہل سنت والجماعت کا اعادۂ روح کے بارے میں مسلک قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے جس کی تائید واقعات سے ہو رہی ہے۔نیز اپنے غلط عقائد پر نظر ثانی کریں۔ورنہ یوم جزاء کا دن دور نہیں قبر تو اس کی نسبت بہت ہی قریب ہے جو قیامت صغریٰ کا منظر ہے۔

قبر میں مرنے والے کی چیخ وپکار

واقعہ نمبر ۶......کوئٹہ کے قریب ایک جگہ پر ایک نوجوان فوت ہو گیا دفن کرنے کے کچھ دن بعد اس کا بھائی اس کی قبر پر ایصال ثواب کے لئے گیا تو اچانک اندر سے آواز آرہی تھی کہ میں مر گیا میں مر گیا مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ۔زور زور سے یہ کہہ رہا تھا۔اس کا بھائی ڈر کے مارے گھر واپس آیا اور اپنی والدہ کو کانپتے ہوئے واقعہ سنایا کہ بھائی تو اندر زندہ ہے اور اس طرح کہہ رہا ہے۔لوگوں کو ساتھ لیا دوبارہ قبرستان گئے۔لوگوں نے بھی یہ آواز سنی تو بہ واستغفار کرتے ہوئے واپس ہوئے۔کئی دن تک اس طرح کی آواز آتی رہی اور لوگ سنتے رہے۔بالآخر بھائی کو برداشت نہ ہوا۔رات کے وقت ساتھیوں کو لے کر قبر کو جا کر کھولا۔قبر بہت گرم تھی بڑی مشکل سے ساری قبر کو کھولا بس پھر کیا ہوا کہ اچانک دیکھا کہ اس کا مرنے والا بھائی قبر میں بیٹھا ہوا ہے۔بچاؤ بچاؤ، مر گیا مر گیا پکار رہا ہے۔اسے قبر کھولنے والے بھائی نے باہر نکالنے کے لئے جو ہاتھ اس کو لگایا، تو اس کا ہاتھ مکمل طور پر جل گیا اور دہشت وخوف کی وجہ سے اسی وقت یہ بے ہوش ہو گیا۔باقی یہ ماجرا دیکھ کر گھروں کو بھاگ گئے۔صبح لوگوں کو اکٹھا کر کے لے گئے اور اسے بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا اور قبر کو جلدی جلدی ویسے ہی بند کر دیا۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس ص ۳۲۵)

فائدہ! اس واقعہ سے جہاں اہل حق کا مسلک واضح ہو رہا ہے کہ اعادۂ روح برحق ہے۔روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔وہاں منکرین حیات کو بھی عبرت حاصل ہو رہی ہوگی کہ ہم اپنے عقائد باطلہ سے جلدی رجوع کر لیں۔ورنہ اسی قبر میں سب کچھ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔جانے کے فوراً بعد جسم عنصری کے ساتھ کارروائی شروع ہو جائی گی۔اللہ تعالیٰ صحیح عقائد رکھنے کی اور اچھے اعمال کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

قبر سے گدھے کی آواز

واقعہ نمبر ۷......سمندری کا علاقہ جو فیصل آباد کے ساتھ ہے۔یہ واقعہ پیش آیا کہ سمندری شہر سے تقریباً کسی نواحی گاؤں میں دو کلو میٹر کے فاصلے پر قبرستان سے گزرتے ہوئے کئی دیہاتیوں نے ایک گدھے کی آواز

سنی۔ لیکن دیکھنے سے گدھا نظر نہیں آتا تھا۔ پریشانی کے عالم میں ایک دیہاتی نے قبرستان کے اندر ایک پرانی قبر کو دیکھا کہ ایک طرف سے ایک فٹ چوڑا سوراخ نظر آ رہا ہے۔ اس میں سے گدھے کے چیخنے کی آواز آ رہی ہے۔ اس نے کچھ اور قریب ہو کر دیکھا تو گدھے نے اس سوراخ سے اپنا منہ باہر نکالا چیخنے کے بعد پھر اندر چلا گیا۔ دیہاتی بیچارہ ڈر گیا۔ دوڑتے بھاگتے اپنے گاؤں والوں کے پاس جا کر شور مچانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے یقین نہ ہونے کی وجہ سے امام مسجد کو ساتھ لیا اور خبر کا اندازہ لگانے کے لئے کہ کس حد تک صحیح ہے؟ اکٹھے ہو کر قبرستان جا دھمکے اور ایک طرف خاموشی سے جا کھڑے ہوئے تو اچانک گدھے نے پھر اپنا سر منہ باہر نکالا اور پھر اندر چلا گیا۔ تمام لوگوں نے اس واقعہ کو دیکھ کر استغفار، کلمہ اور دعا ایصال ثواب کا ورد شروع کر دیا اور گھروں کو واپس لوٹ آئے۔ قبر کو بند کر دیا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ کسی مرد کی قبر ہے؟ یا کسی عورت کی قبر ہے؟ تاہم قبر کی تختی پر صرف بسم اللہ لکھی تھی۔ باقی سب کچھ ختم ہو چکا تھا جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کو مرے ہوئے کافی عرصہ بیت گیا ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس ص ۳۲۶)

فائدہ! یہ واقعات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھاتا ہے۔ تاکہ وہ میری طرف متوجہ ہوں اور اعمال صالح کریں اور عقائد کو بھی سنبھالنے کی کوشش کریں۔

قبر کے اوپر سے کاغذ قلم اٹھانا

واقعہ نمبر ۸...... ایک بزرگ نے مرنے سے کچھ دن پہلے اپنے وارثوں کو وصیت فرمائی کہ جب میں مر جاؤں اور تم مجھے میری قبر میں دفنا چکو تو قبر کو بند کرنے سے پہلے ایک قلم، ایک دوات، ایک کاغذ میری قبر پر رکھ دینا اور پھر ٹھیک تین دن کے بعد آ کر میری قبر کے اوپر سے یہ چیزیں اٹھا لینا۔ لوگوں نے وصیت پر عمل کرتے ہوئے ایسے ہی کیا اور تین دنوں کے بعد واقعی قبر کے اوپر سے جا کر وہ قلم، کاغذ اور دوات اٹھائی تو اس میں سنہری الفاظ میں یہ لکھا ہوا تھا، اجمالاً قبر کے اندر کے حالات وہی ہیں جو نصوص یعنی قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ مثلاً منکر نکیر کا سوال کرنا اور راحت وآرام کا پہنچنا اور اس کے علاوہ جو بھی شریعت بتلاتی ہے۔ لہٰذا اے لوگو! اسی پر ایمان رکھو یقین رکھو اور تفصیلی حالات بغیر گزرنے کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ (آثار خیر، حضرت مولانا خیر محمد جالندری رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۵۳)

فائدہ! اس واقعہ سے بھی اہل سنت والجماعت کا مسلک روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اعادۂ روح اور اس کے علاوہ سماع موتی اور حیات، راحت وعذاب، سوال وجواب سب کچھ صحیح اور ثابت ہے۔ اس کے خلاف چلنے والے غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔

اجسام عنصریہ سے ارواح مبارکہ کا تعلق

قارئین! اس قائم کردہ عنوان میں کوئی اختلافی بحث یا عقائد کی بات نہیں ہوگی۔ بلکہ ایک ایسی مثال اور اس کی وضاحت ہوگی۔ اس مثال سے ہم عالم برزخ اور عالم قبر اور مرنے کے بعد سے لے کر اٹھائے جانے کے دن تک کے جتنے حالات اجسام عنصریہ پر قبر میں یا قبر کے علاوہ جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں اور ارواح پر جتنے حالات آتے ہیں۔ ان کو آسانی کے ساتھ اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے اور یہ مثال ہمارے عقائد کی کتابوں میں جہاں قبر کے حالات کا ذکر آتا ہے۔ وہاں قبر کے حالات کو اقرب الی الفہم کرنے کے لئے اور برزخ کے حالات کو

سمجھانے کے لئے ذکر کی جاتی ہے۔ اسی مثال کی تشریح کرنا مقصود ہے اور اس مثال سے کسی کا کوئی اختلاف بھی نہیں۔ یہ متفقہ مثال ہے۔ اگر اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو میرے خیال میں برزخ اور عالم قبر میں جسم عنصری کے ساتھ جو حالات پیش آتے ہیں تو ان کے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ یقین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے کہ واقعتاً قبر میں جسم عنصری کے ساتھ روح کا اتصال اور تعلق ہے۔ راحت والم میں دونوں شریک ہیں اور یہ عین عقل کے مطابق ہے۔ قرآن وحدیث کے موافق ہے۔ اب اس مثال کو سمجھنے سے پہلے چند اصولی باتیں ذہن نشین فرمالیں۔ تاکہ برزخ اور قبر کے حالات کا سمجھنا آسان تر ہو جائے۔

اصول نمبر ۱...... انبیاء کرام علیہم السلام نے مرنے کے بعد عالم برزخ، عالم قبر کے جو حالات اپنی اپنی امتوں کو بتائے ہیں۔ وہ سب عقلاً ممکن ہیں۔ ٹھیک ہیں۔ ان حالات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو محال ہو۔ ناممکن ہو۔ ہاں! وہ حالات ایسے ہیں، جن کو ہم اپنی عقل اور غور وفکر سے سمجھ نہیں سکتے۔ کیونکہ دنیا میں ان حالات کے اور ان چیزوں کے جو عالم قبر میں پیش آتی ہیں کوئی ایسے نمونے موجود نہیں۔ جن پر ہم ان حالات کو قیاس کرلیں یعنی جس طرح ہم دنیا کی دوسری چیزوں کو دیکھ بھال کر سمجھ لیتے ہیں۔ ہاتھ وغیرہ کے ساتھ محسوس کر لیتے ہیں۔ ان حالات کو بھی دیکھ بھال کر کے اور ہاتھ وغیرہ کے ساتھ محسوس کرلیں۔ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے وہ حالات پیش ضرور آتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے وحی کے ذریعے بتلائے ہیں۔ لیکن ہمارے اعضاء وہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان کو دنیا کی اور چیزوں کی طرح سمجھ لیں۔ بس ایمان بالغیب کے درجے میں ہمارے لئے ماننا ضروری ہوگا۔

اصول نمبر ۲...... انسان دو چیزوں سے بنا ہے۔ ۱...... جسم جو ظاہراً نظر آتا ہے۔ ۲...... روح جو ظاہراً نظر نہیں آتی۔ لیکن اس روح کے جسم کے اندر ہونے کا سب یقین رکھتے ہیں۔ کوئی بھی دنیا میں اس کا انکاری نہیں۔ اب ان دونوں کا آپس میں تعلق اس طرح ہے کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے جتنے حالات مثلاً مصیبت، تکلیف یا راحت ولذت محسوس ہوتے ہیں۔ وہ پہلے جسم پر آتے ہیں۔ پھر جسم کے ذریعے اور واسطے سے روح پر اثر کرتے ہیں۔ روح بھی ان حالات سے متأثر ہوتی ہے اور تکلیف محسوس کرتی ہے جس طرح جسم پر کوئی چوٹ لگ جائے یا جسم زخمی ہو جائے یا آگ سے جل جائے تو ظاہر ہے کہ اس چوٹ کا، زخم کا، آگ وغیرہ کا، براہ راست جسم کے ساتھ تعلق ہے۔ لیکن جسم کے واسطے سے روح بھی دکھ تکلیف محسوس کرتی ہے۔ اسی طرح قسماقسم کہ کھانے پینے سے جو لذت اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ بھی پہلے جسم کو ہوتی ہے۔ پھر جسم کے واسطے سے روح بھی لذت حاصل کرتی ہے۔ گویا یہاں جسم نے روح کو مزے کرائے مختصر زندگی میں۔ کیونکہ جسم اصل ہے اور روح اس کے تابع ہے۔ اگر جسم پر کوئی حالات اچھے یا برے نہ آئیں اور روح یہ ارادہ کرے کہ میں سب کچھ خود کرلیتی ہوں کچھ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ جب تک اصل موجود ہے۔ اصل کے ہوتے ہوئے تابع اور خلیفے کچھ نہیں کرسکتے۔ لیکن عالم قبر اور برزخ کے حالات اس دنیا کے حالات کے بالکل برعکس ہیں۔ یعنی برزخ میں جو حالات پیش آئیں گے وہاں ایسا نہیں ہوگا کہ پہلے جسم پر سب کچھ وارد ہو۔ پھر روح پر۔ بلکہ پہلے روح پر حالات پیش آتے ہیں۔ پھر روح کے واسطے اور ذریعے سے جسم پر اثر کرتے ہیں اور جسم متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا پینا، راحت وآرام، تکلیف ومصیبت سب چیزیں براہ راست روح کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ پھر روح جہاں ہو اس روح کے ذریعے جسم عنصری سب کچھ محسوس کرتا ہے۔ چاہے جسم عنصری ریزہ ریزہ ہو چکا ہو یا صحیح وسالم قبر میں عالم برزخ میں ہو۔ گویا روح نے وہاں جسم کو مزے کرائے۔ جیسے جسم نے دنیا میں روح کو مزے

کرائے تھے۔ دنیا میں جسم اصل اور روح تابع تھی۔ عالم برزخ وقبر میں روح اصل اور جسم تابع ہوگا۔ اسی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کہ روح پرواردشدہ تمام چیزیں جسم کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہیں۔ مثال کوقرآن وحدیث سے مؤید کریں گے۔ پھر آخرت میں معاملہ مکمل ہوجائے گا جس طرح ہم یہاں دنیا میں بدخول روح جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ آخرت میں بھی قیامت قائم ہونے کے بعد اسی طرح مکمل حیات کے ساتھ زندہ ہوں گے بدخول روح۔

برزخ دنیا کے زیادہ قریب ہے

اصول نمبر ۳...... برزخ کے لغوی معنی ہے آڑ، پردہ کہ اس برزخ کا وقت عالم آخرت اور عالم دنیا کے درمیان ایک آڑ اور پردہ ہے کہ انسان نہ دنیا میں ہوتا ہے۔ نہ آخرت میں ہوتا ہے۔ جو قیامت کے بعد ہوگی۔ لیکن یہ برزخ اپنے حالات کے اعتبار سے دنیا کے زیادہ قریب ہے۔ بنسبت آخرت کے یعنی آخرت دنیا سے اتنی قریب نہیں جتنی برزخ دنیا سے قریب ہے۔ کیونکہ جنت ودوزخ اگرچہ پیدا ہو چکی ہیں اور ملیں گی آخرت میں۔ لیکن آخرت ابھی آئی نہیں وہ آئے گی قیامت قائم ہونے کے بعد کے بعد اور عالم آخرت ہمارے سامنے ابھی نہیں آیا جب کہ عالم دنیا موجود ہے ہمارے سامنے ہے اور جب انسان اس دنیا سے جو ہمارے سامنے موجود ہے چلا جاتا ہے تو اس کا بدن یعنی جسم عنصری اسی دنیا میں ہی دفن ہوتا ہے۔ لیکن چھ فٹ زمین کے نیچے چلا جاتا ہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ ہم ہی سب کچھ کرتے ہیں۔ دفن کرتے ہیں۔ مٹی ڈالتے ہیں۔ یہ سارا ماجرا دنیا میں ہو رہا ہے۔ جسم عنصری کے ساتھ۔ صرف روح اس جسم سے آزاد ہوکر آخرت کی سیر کر رہی ہے۔ جنت ودوزخ دیکھ رہی ہے۔ جو آخرت کی چیزیں ہیں تو روح جہاں مرضی پھرے۔ لیکن اس کا بدن تو اس دنیا میں موجود ہے۔ برزخ میں موجود ہے۔ اس لئے عالم برزخ اس دنیا کے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے برزخ میں دنیا والے حالات زیادہ جاری ہوتے ہیں۔ بنسبت ان حالات کے جو آخرت میں انسان پر جاری ہوں گے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ برزخ من وجہ دنیا ہے من وجہ آخرت ہے۔ لیکن دنیا سے زیادہ قریب ہے آخرت کے مقابلہ میں تو خواب کے ذریعے سے اور حالت بیداری میں بھی برزخ والوں سے ملاقات ہوسکتی ہے قرب کی وجہ سے۔

خواب کا شرعی حکم

اصول نمبر ۴...... خواب کا شریعت نے کچھ نہ کچھ اعتبار کیا ہے۔ ایسے نہیں کہ خواب میں آئی ہوئی بات بالکل کالعدم سمجھی جائے اور یوں سمجھا جائے جیسے اس کی کچھ حیثیت ہی نہیں کہ یہ خواب بیکار چیز ہو جس کی طرف کچھ التفات نہ کیا جائے۔ بلکہ شریعت نے خواب کا اعتبار کیا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (بخاری ص ۱۰۳۴ ج ۲، مسلم ص ۲۴۲ ج ۲) اور یہ بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبوت ختم ہوگئی ہے۔ لیکن مبشرات باقی ہیں۔ (بخاری ص ۱۰۳۵ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۳۹۴) اور مبشرات یہی ہیں جو نیک خواب کی صورت میں ظاہر کر دیئے جاتے ہیں۔ اب جب نیک خواب کو نبوت کا حصہ قرار دے دیا تو اب یہ جھوٹا نہیں ہوسکتا ہے۔ کالعدم نہیں ہوسکتا۔ لاشئ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نبوت کا حصہ بن گیا ہے۔ نبوت جھوٹی نہیں۔ لاشئ نہیں۔ تو خواب بھی سارے جھوٹے نہیں۔ لاشئ نہیں۔ بلکہ صالحین اور اولیاء اللہ کو سچے خواب آتے ہیں۔ وہ واقعتاً ٹھیک ہوتے ہیں۔

کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ جیسے خواب دیکھا ویسے پورا ہوتا ہوا نظر آ جاتا ہے اور کبھی اس خواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ برزخ کے حالات کو اچھی طرح نمایاں کر دیتا ہے۔ اب اگر کسی صالح انسان کو خواب میں برزخ کے حالات نظر آتے ہیں تو وہ صحیح سمجھے جائیں گے۔ ان کو جھٹلانا جہالت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے خواب میں دیکھے ہوئے حالات جو امت کے سامنے بیان کئے ہیں۔ وہ بالکل حجت اور قابل استدلال ہیں۔ ان کا اسی طرح اعتبار کیا گیا ہے۔ جس طرح عالم بیداری کے حالات کا۔ جیسے عالم بیداری والے احکام وحالات کا جھٹلانا کفر اور جہالت ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کے خواب میں دیکھے ہوئے حالات کو جھٹلانا بھی کفر اور جہالت ہے اور صالحین کے اچھے خواب چونکہ نبوت کا ہی حصہ ہیں۔ اس لئے ان کو جھٹلانا بھی گناہ اور جہالت ہے۔

نینداور موت کا ایک جیسا ہونا

اصول نمبر ۵...... نیند اور موت کی آپس میں بہت زیادہ مشابہت ہے۔ یعنی نیند ایسے ہے جیسے موت آ گئی ہو اور موت ایسے ہے جیسے نیند آ گئی ہو۔ اگر نیند کو موت کہیں تو بھی ٹھیک ہے۔ اگر موت کو نیند کہیں تو بھی ٹھیک ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ جیسے نیند میں جو حالات انسان کو پیش آتے ہیں صرف وہی نیند والا ہی محسوس کرتا ہے اور کوئی محسوس نہیں کرتا۔ ایسے ہی موت کے بعد انسان کو جو حالات پیش آتے ہیں تو وہ بھی وہی موت والا شخص ہی محسوس کرتا ہے اور کوئی محسوس نہیں کرے گا اور کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ اب اس پر چند دلائل ملاحظہ فرمائیں کہ نیند موت کی طرح ہے اور نیند کو موت کہا گیا ہے۔

نیند مثل موت کے ہے دلائل کی روشنی میں

دلیل نمبر ۱...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "وھو الذی یتوفکم بالیل (انعام: ۶۰)" اور (اللہ) (وہ ذات ہے جو رات کو تمہیں وفات دے دیتا ہے) (نیند کی صورت میں) یعنی اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے (انسان کو) یعنی رات میں جب انسان سو جاتا ہے تو ظاہری احساس وشعور انسان کو باقی نہیں رہتا۔ انسان اپنے اردگرد بلکہ جسم کے احوال کو بھی نہیں جانتا ہے۔ گویا یہ ایسے ہے جیسے کوئی مردہ ہو تو اس آیت میں نیند کو موت اور وفات کہا گیا ہے کہ تمہیں موت یعنی نیند دے دیتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو انسان کو مل جاتی ہے۔ جنہیں نیند نہیں آتی ان سے پوچھو کہ رات کیسے گزرتی ہے۔ (شکر خدا بر انسان واجب است)

دلیل نمبر ۲......"اللّٰہ یتو فی الا نفس حین مو تھا والتی لم تمت فی منامھا (زمر: ۴۲)" (اللہ تعالیٰ نکال لیتا ہے روح اس کے مرنے کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی اس کی نیند کے وقت) (یعنی روح نکال لیتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ ہر روز نیند کے وقت انسان کی روح نکال لیتا ہے۔ پھر واپس بھیج دیتا ہے تو جیسے موت میں روح نکل جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی نیند میں روح نکل جاتی ہے یعنی موت اور نیند دونوں کی حالت برابر ہے کہ ایک ہی چیز دونوں حالتوں میں قبض کر لی جاتی ہے اور وہ روح ہے۔

دلیل نمبر ۳...... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سوتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: "اللھم باسمک اموت واحیی" یا اللہ میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں (یعنی سوتا ہوں) اور

زندہ ہوتا ہوں (جاگتا ہوں) اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ''الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور'' (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا (یعنی نیند کے بعد بیدار فرمایا) اور قیامت میں زندہ ہو کر اسی کی طرف لوٹنا ہے) ان دونوں حدیثوں میں نیند کو موت کہا گیا ہے۔

دلیل نمبر ۴...... ''قال النبی ﷺ النوم اخ الموت'' (مشکوٰۃ ص ۵۰۰) کہ نیند موت کی بہن ہے ''النوم'' چونکہ عربی میں مذکر استعمال ہوا ہے۔ اس لئے ''اخ'' بھی مذکر استعمال ہوا ہے۔ اردو زبان میں چونکہ نیند کا لفظ مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ترجمہ کرتے ہوئے حضرات نے بہن کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی مؤنث کا کہ نیند موت کی بہن ہے۔ ویسے محاورہ میں بھی کہتے رہتے ہیں کہ سویا مویا برابر ہیں۔ یعنی سوئے ہوئے کو بھی کچھ پتہ نہیں چلتا اور مرے ہوئے کو بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ خلاصہ یہ کہ نیند اور موت ایک ہیں جیسے نیند میں روح نکل جاتی ہے۔ ایسے ہی موت میں روح نکل جاتی ہے۔

دلیل نمبر ۵...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت (اللہ یتوفی الانفس) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نیند کے وقت روح نکل جاتی ہے۔ لیکن جسم عنصری میں اس کی شعاع باقی رہتی ہے۔ اس لئے انسان خواب دیکھتا ہے۔ پھر بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل)

فائدہ! اب مکمل وضاحت ہوگئی اس بات کی کہ نیند موت کی طرح ہے۔

قبر کے حالات نیند کے حالات کے مشابہ ہیں

اصول نمبر ۶...... برزخ وقبر کے اندر انسان پر جتنے حالات آتے ہیں۔ وہ ان حالات کی طرح ہیں جو انسان نیند کے اندر دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اس کے اثرات انسان کے جسم پر بیداری کے بعد بھی ہوتے ہیں۔ واقعات آرہے ہیں جن سے اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا۔ اس کی وضاحت اس طرح ہوگی کہ ہماری جو زندگی ہے اور زندگی میں ہم اٹھتے بیٹھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ ایک ہماری حالت ہے اور دوسری ہماری حالت وہ ہوگی جس وقت ہمارے اوپر موت طاری ہوگی یعنی مرنے کے بعد کی حالت جس میں انسان کچھ نہیں کر سکتا اور ایک ہے ہماری تیسری حالت جو ان دونوں کے درمیان درمیان ہے۔ یہ حالت ایسی ہوتی ہے جو دونوں حالتوں کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ اس میں ایسا بھی نہیں ہوتا کہ انسان کچھ نہ کر سکے اور ایسا بھی نہیں ہوتا کہ سب کچھ کر سکے۔ بلکہ کچھ کرتا ہے اور کچھ نہیں کرتا۔ جیسے نیند والی حالت یہ تیسری حالت ہے۔ اس نیند میں نہ تو انسان پوری طرح زندہ ہوتا ہے کہ اس کی آنکھیں کام کرتی ہوں۔ کان سنتے ہوں، دماغ وغیرہ سوچتا ہو، زبان بولتی ہو، ہاتھ پاؤں حرکت کر رہے ہوں، جیسے بیداری میں کرتے ہیں یعنی سارے حواس ٹھیک ہوں اور ایسا بھی نہیں ہوتا کہ انسان بالکل مردہ ہو۔ کیونکہ اس کی نیند میں تھوڑی بہت نقل وحرکت باقی رہتی ہے۔ مثلاً دل اپنا کام کر رہا ہے معدہ کام کر رہا ہے۔ آدمی بذات خود اپنے پہلو، کروٹیں تبدیل کر رہا ہے اور سانس آجا رہا ہے۔ یعنی اندر کے حالات سارے ٹھیک ہیں۔ اس لئے کہ پوری طرح موت اس پر نہیں آئی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ نیند والی حالت نہ موت کے بعد والی حالت جیسی ہوتی ہے اور نہ ہی کلی طور پر بیداری والی حالت ہوتی ہے تو اس حالت کو ایسے سمجھو جس طرح برزخ والی حالت ہوتی ہے اور قبر والی زندگی ہوتی ہے۔ گویا ہماری نیند ہمارے لئے ایک برزخی حقیقت ہے تو برزخ کے حالات سمجھانے کے لئے نیند کی

مثال بہت موثر ہے۔ کیونکہ قبر والی زندگی میں جس زندگی کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اس سے بعینہ ایسی زندگی مراد نہیں ہوتی جیسے کامل زندگی وفات سے پہلے دنیا میں تھی یا پھر قیامت میں حاصل ہوگی۔ بلکہ ایسی زندگی مراد ہوتی ہے جس زندگی سے میت انسان میں ادراک وشعور پیدا ہوجاتا ہے۔ جس سے میت کو عذاب وراحت اور دکھ سکھ کا احساس ہوسکتا ہے۔

اصول نمبر ۷...... نیند میں روح عرش کی طرف جاتی ہے۔ یہ بات آثار واحادیث سے مکمل طور پر ثابت ہے کہ نیند کی حالت میں روح جسم سے نکل کر آسمانوں کی طرف جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں سے گزر کر عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ پھر اتنی تیز حرکت والی ہے کہ پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی سے جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اس پر چند دلائل ملاحظہ فرمائیں کہ روح عرش کی طرف جاتی ہے۔

دلیل نمبر ۱...... حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اذا نام الانسان عرج بروحه حتی یؤتی بها الی العرش فان کان طاهر اذن لها بالسجود (شرح الصدور ص ۱۱۴)'' (جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح اوپر کو چڑھائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ عرش تک پہنچ جاتی ہے۔ پس اگر وہ انسان پاکی کی حالت میں ہوتا ہے تو روح کو سجدہ کی اجازت دی جاتی ہے)

دلیل نمبر ۲...... حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ان الارواح یعرج بها فی منامها الی السماء وتؤمر بالسجود عند العرش (شرح الصدور ص ۱۱۴)'' بے شک روحوں کو نیند میں آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے اور عرش کے قریب انہیں سجدہ کا حکم دیا جاتا ہے)

دلیل نمبر ۳...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرمایا: ''مامن عبد ولا امة ینام فیمتلئ نوما الا یعرج بروحه الی العرش (ایضاً)'' (جو بھی اللہ کا بندہ یا باندی وہ سوتے ہیں اور گہری نیند سوجاتے ہیں تو اس کی روح عرش کی طرف چڑھائی جاتی ہے)

دلیل نمبر ۴...... حضرات تابعین میں سے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انسان سوجاتا ہے تو اس کے لئے ایک راستہ بن جاتا ہے۔ جس میں روح چلتی ہے۔ جب تک روح چلتی رہتی ہے۔ انسان سوتا رہتا ہے جب بدن کی طرف واپس آجاتی ہے تو انسان جاگ اٹھتا ہے اور روح سورج کی شعاع کی طرح ہے کہ سورج کی شعاع تو زمین پر پڑتی ہے۔ لیکن یہ شعاع ہے ملی ہوئی سورج سے یعنی شعاع اصل سورج کے ساتھ متصل ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۴) یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ روح نیند میں عرش کی طرف جاتی ہے جیسے موت کے بعد عرش کی طرف جاتی ہے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے اعادۂ روح کی بحث میں۔

اصول نمبر ۸...... روح بہت تیز حرکت والی ہے۔ یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ روح جتنی تیزی سے نقل وحرکت کرتی ہے۔ اتنی تیزی سے اور کوئی چیز نقل وحرکت نہیں کرتی ہے۔ جیسے حضرت امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خیال محض غلط اور باطل ہے کہ روح بھی جسم کی طرح ایک جگہ اور ایک مکان میں ہوتی ہے اور اسی وقت دوسری جگہ نہیں ہوتی۔ بلکہ روح کی شان وحالت یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں اعلیٰ علیین میں آسمانوں کے اوپر ہوتی ہے اور اسی وقت فوراً قبر کی طرف لوٹ آتی ہے۔ کیونکہ یہ سریع الحرکت ہے (تیز حرکت والی ہے) یہ سریع السیر ہے (تیز چلنے والی ہے) کہ پلک جھپکنے میں آسمانوں سے قبر تک آجاتی ہے پھر فوراً آنکھ کے جھپکنے سے بھی

پہلے اپنے مقام کی طرف چلتی جاتی ہے یا اپنے مقام پر رہتے ہوئے (یعنی علیین سجین میں رہتے ہوئے) اسے قبر سے اتصال و تعلق ہے۔ جیسے سورج کی روشنی کہ سورج تو آسمان میں ہے لیکن اس کی شعائیں زمین پر ہیں تو جیسے یہ تعلق ہے ایسے روح جہاں ہو اس کا تعلق بھی جسم سے ایسے ہے۔ (کتاب الروح ص ۱۲۵)

اصول نمبر ۹...... یہ بات بھی ہر ذی شعور انسان جانتا ہے کہ خواب میں جتنے حالات انسان دیکھتا ہے۔ ان حالات کا صرف اسی خواب دیکھنے والے ہی کو پتہ چل سکتا ہے کسی اور کو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اگرچہ سونے والا کسی دوسرے کی گود میں سر رکھ کے نیند کر رہا ہو اور دوسرا شخص بیداری میں چست ہو کر بیٹھا ہو تو بیدار شخص کو کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ کیا کر رہا ہے؟ اب اگر سونے والا بیدار کو کہے کہ میں نے نیند میں یہ کچھ کھایا ہے۔ فلاں جگہ گیا تھا۔ فلاں باغ کی سیر کی ہے وغیرہ وغیرہ اور بیدار شخص اس کو جھٹلا دے کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ غلط بیانی کرتا ہے تو نے کچھ نہیں کھایا پیا۔ میں تیرے ساتھ بیٹھا تھا۔ تیری طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا۔ لہٰذا تو جھوٹ بولتا ہے تو حضرات ناظرین آپ فیصلہ کریں اس ساتھ بیٹھنے والے شخص کو جو بیدار تھا اور مان نہیں رہا کیا لقب دے گا کہ بھائی اپنے عقل کا دماغ کا علاج کراؤ۔ آپ تو دنیا میں سب سے بڑے پاگل ہیں۔ آپ سے بڑا جاہل کوئی نہیں۔ تجھے تو اتنی واضح بات سمجھ میں نہیں آ رہی تو قرآن و حدیث کیا سمجھے گا؟ ویسے تو تو بڑا اعلامہ فہامہ شکل و صورت کے لحاظ سے لگتا ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ تو ادنیٰ سی بات بھی سمجھ نہیں سکتا۔

ان تمام اصولوں سے مشترکہ بات حیات ثابت ہوتی ہے

ان تمام اصولوں سے جو بات ظاہر ہوئی وہ یہ کہ قبر میں جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے۔ جب روح کا تعلق ہوتا ہے تو روح پر آنے والے تمام حالات کا جسم کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے۔ روح کا تعلق جسم کے ساتھ کیسے ہوتا ہے؟ اب ذرا غور کریں اصولوں سے یہ باتیں ظاہر ہوئی ہیں:

۱...... انبیاء کرام علیہم السلام نے جو خبریں عالم قبر کے متعلق دی ہیں۔ وہ بالکل صحیح ہیں اور صحیح اسی صورت میں ہو سکتی ہیں کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق مانا جائے۔ ورنہ العیاذ باللہ! ان سب کو جھٹلانا لازم آتا ہے۔

۲...... عالم قبر و برزخ میں سب حالات روح پر آتے ہیں اور جسم اس کے تابع ہوتا ہے اور یہ تب تابع بن سکتا ہے۔ جب روح کا جسم سے تعلق مانا جائے۔

۳...... خواب کے ذریعے برزخ والوں سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ کیونکہ برزخ دنیا کے زیادہ قریب ہے۔ ملاقات کا ثابت ہونا روح کے تعلق کو ثابت کرتا ہے۔

۴...... قرآن و حدیث میں موت اور نیند کو ایک ہی سطح پر رکھا ہے۔ بلکہ صحیح احادیث میں نیند کو موت ہی فرمایا گیا ہے۔ جب یہ دونوں برابر تو نیند کی حالت میں روح کا جسم سے تعلق ہوتا ہے تو موت کی حالت میں بھی روح کا تعلق جسم سے ماننا پڑے گا۔ ورنہ قرآن و حدیث کا ان کو ایک سطح پر رکھنا بیکار رہو گا۔ بے فائدہ ہو گا۔ العیاذ باللہ!

۵...... موت اور نیند میں روح کا جسم سے نکلنا خود قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے اور احادیث سے بھی ثابت ہے تو جیسے نیند میں روح کے نکلنے کی صورت میں تعلق ہوتا ہے جسم عنصری کے ساتھ۔ ایسے ہی موت میں روح کے جسم سے نکلنے کی صورت میں تعلق ثابت ہو گا۔ نیند کے وقت تعلق کا ماننا اور موت کے وقت انکار کرنا جہالت ہے۔

۶...... دونوں صورتوں میں روح نکل کر عرش پر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرتی ہے۔ یہ احادیث سے ثابت ہوا ہے تو جیسے نیند کی حالت میں روح عرش پر جاتی ہے اور اس کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح موت کے وقت بھی عرش پر جاتی ہے اور پھر علیین میں رہتی ہے۔ اس کا تعلق جسم عنصری سے ہوتا ہے۔ اس موت کے وقت تعلق کے انکار سے نیند کے وقت روح کے تعلق کا انکار جہالت اور گمراہی ہے تو موت کے وقت بھی تعلق کا انکار جہالت اور گمراہی ہے۔

۷...... نیند کی صورت میں روح کا عرش سے فرش پر آنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو موت کی صورت میں بھی عرش سے فرش تک آنا احادیث سے ثابت ہے۔ نیند کی صورت میں عرش سے فرش پر آنے کو جھٹلانا جہالت اور گمراہی ہوئی تو موت کی صورت میں بھی عرش سے فرش پر آنے کو جھٹلانا جہالت اور گمراہی ہوگی۔ لہٰذا دونوں کو ماننا عین ایمان ہے کسی سے انکار کی گنجائش نہیں۔

۸...... سونے والے کی روح کا عرش سے آنا فانا آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے واپس آنا اور جسم کی طرف لوٹنا ''اسرع من لحظہ'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں ثابت ہے تو موت کی حالت میں بھی ''اسرع من لحظہ'' سے بھی پہلے آنا خود بخود ثابت ہوا۔ ان میں کسی ایک کے انکار کی گنجائش نہیں۔

۹...... نیند کی حالت میں روح کا نکل جانا۔ پھر اس روح کا جسم عنصری کے ساتھ شعاع کی شکل وصورت میں تعلق اور اتصال کا باقی رہنا خود سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ثابت ہے اور مشاہدہ سے بھی ثابت ہے تو موت کی حالت میں بھی روح کا جسم سے نکل جانا پھر شعاع کی صورت میں جسم عنصری کے ساتھ تعلق و اتصال رکھنا یہ بھی قرآن و حدیث پر مبنی ہوا۔ سابق کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ روح کا موت کے وقت جسم عنصری سے تعلق والا موقف و مسلک کتاب اللہ اور احادیث نبویہ کی نصوص صریحہ وصحیحہ اور اقوال وآثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مبنی ہے۔ اس سے انکار گمراہی و جہالت ہے اور اہل سنت والجماعت علماء حقہ کی جماعت سے خروج کا باعث ہے اور یہ ماننا اور ایمان رکھنا کہ روح علیین یا سجین میں رہتے ہوئے بھی جسم عنصری کے ساتھ تعلق رکھتی ہے شعاع کی صورت میں یہ عین ایمان ہے۔

برزخ کے حالات کی نیند کی مثال سے وضاحت

قارئین! اب آپ حضرات وہ مثال پڑھیں جو ہماری عقائد کی کتابوں میں آتی ہے۔ جہاں قبر کے حالات کا تذکرہ آتا ہے۔ مثال دو آدمی آپس میں دوست ہیں، بھائی ہیں۔ بڑا ان کا آپس میں تعلق ہے۔ ان میں سے ایک بیدار بیٹھا جاگ رہا ہے۔ دوسرا سویا ہوا ہے اور خواب دیکھ رہا ہے کہ میں دنیا میں سیر کر رہا ہوں۔ مکہ مکرمہ کعبۃ اللہ کا طواف کر رہا ہوں۔ بڑی خوشی کی حالت میں۔ اس نے خواب میں رونق دیکھی یا اس کے برعکس اس نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی مار رہا ہے اور میں بھاگ رہا ہوں۔ میرے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے۔ میں کسی کنویں میں گر گیا ہوں۔ یعنی بڑے ڈراؤنے خواب دیکھ رہا ہے تو یہ بیدار شخص جو اس کے ساتھ بیٹھا ہے اس کو کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ حالانکہ خواب دیکھنے والے شخص نے خواب میں جو یہ دیکھا ہے کہ میں کھا رہا ہوں۔ مجھے دکھ، سکھ خواب کے اندر پہنچ رہا ہے۔ وہ صرف یہ نہیں دیکھتا کہ میری روح کھا رہی ہے یا خیالی قوت کھا رہی ہے۔ بلکہ وہ خواب میں یہی دیکھتا ہے کہ بیداری کی طرح وہ اپنے اس جسم والے منہ سے کھا رہا ہے جس سے روزانہ کھاتا ہے۔ اگر مار پڑتی دیکھتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی روح پر کاروائی ہو رہی ہے۔ بلکہ وہ یہی دیکھتا ہے کہ اس کے اسی جسم پر مار پڑ رہی

ہے۔تو وہ خواب دیکھنے والا سارا ماجرا اسی جسم کے متعلق دیکھ رہا ہے۔لیکن یہ ساتھ بیٹھا ہوا شخص اس کے جسم کو دیکھ رہا ہے۔لیکن کچھ پتہ نہیں چل رہا۔اب جب وہ بیدار ہوا تو اس نے سارا ماجرا خواب والا اسے بتایا تو یہ شخص اس کا انکار نہیں کرتا۔ بلکہ کہتا ہے کہ سب کچھ تو نے دیکھا ہوگا۔ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔کیونکہ یہ خواب کی بات ہے۔خواب کا جہاں دنیا کے جہان سے آگے ایک مستقل جہاں ہے۔جیسے اس کی تصدیق کرنا عقلمندی ہے کہ واقعتاً خواب کا جہان بیداری کے جہان سے آگے ایک اور چیز ہے۔ایک اور جہاں ہے اور میں اس کو بیداری کی حالت میں بالکل محسوس نہیں کرسکتا بالکل اسی طرح عالم برزخ، عالم قبر میں پیش آنے والے حالات کا ایک مستقل جہاں ہے۔جو عالم دنیا سے آگے ایک اور چیز ہے۔ دونوں یعنی عالم دنیا اور عالم برزخ علیحدہ علیحدہ احکام رکھتے ہیں۔ دونوں کے حالات کا احساس ایک دوسرے کو نہیں ہوسکتا تو جیسے بیداری والا خواب والے جہاں کو نہیں جھٹلا سکتا ہے۔اسی طرح دنیا میں رہنے والا برزخ کے جہان کو بھی نہیں جھٹلا سکتا۔قبر میں آنے والے جسم عنصری پر حالات کو بھی نہیں جھٹلا سکتا۔

کیونکہ خواب کے جہان کا اس کو اپنی عقل کے ذریعے پتہ چلا ہے۔اس پر اعتماد کرتا ہے تو برزخ اور قبر کے جہان کا تو اللہ اور اس کے رسول کے ذریعے پتہ چلا۔وحی کے ذریعے پتہ چلا ہے۔اس پر بطریق اولیٰ اعتماد کرنا چاہیے۔ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔یہ ماننا ضروری ہے کہ دنیا سے آگے اور آخرت کے پیچھے واقعتاً ایک جہان ہے جس میں روح مع الجسد دونوں اکٹھے زندگی گزارتے ہیں۔اس کے انکار کی گنجائش نہیں۔اسے ماننا عقل مندی ہے۔پھر اہل فراست واہل کشف اور دل کی آنکھیں رکھنے والے صرف اس جہان کو دیکھ سکتے ہیں اور ہمیں ان کے ذریعے پتہ چلا ہے۔اب سب حالات جو دنیا سے اگلے جہان میں پیش آتے ہیں۔عالم برزخ میں یعنی زمین والی قبر کا تنگ ہونا، زمینی قبر کا کشادہ ہونا، دوزخ یا جنت کی کھڑکی کا کھلنا اور اس مردہ کو عذاب وراحت کا ہونا۔یہ سارے واقعات یقیناً اس زمینی قبر میں جسم عنصری کے ساتھ پیش آتے ہیں۔لیکن ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے عام طور پر احساس نہیں کرسکتے۔کیونکہ وہ جہان اور ہے۔لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے وہ حالات دکھا بھی دیتا ہے۔جیسے آپ حضرات نے اسی کتاب میں واقعات پڑھ لئے ہیں۔تو جیسے ہم نے برزخ کے حالات کو خواب کے حالات کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ان دونوں میں مکمل موافقت ومناسبت ہے۔تو جس طرح خواب میں انسان کی روح کا جسم عنصری سے تعلق قائم ودائم رہتا ہے۔اسی طرح عالم برزخ اور قبر والے جہان میں بھی انسان کی روح کا جسم عنصری سے تعلق قائم ودائم رہتا ہے۔نیز چونکہ ان دونوں جہانوں کی آپس میں بدرجہ اتم مشابہت پائی جاتی ہے۔یعنی خواب کے جہان کی اور برزخ کے جہان کی اور برزخ والا جہان ویسے بھی دنیا والے جہان کے زیادہ قریب ہے۔خواب کے ذریعے اور زیادہ قریب ہوجاتا ہے۔تو اس خواب والے جہان میں اہل برزخ کے ساتھ مناسبت بھی بڑی جلدی ہوجاتی ہے اور خواب کے ذریعے معلوم ہونے والے برزخ کے حالات بھی بالکل صحیح ہوتے ہیں۔بعض دفعہ خود انسان خواب کے علاوہ اس دنیا والے جہان میں بیداری کی حالت میں بھی قبر والوں سے رابطہ قائم کرلیتا ہے۔جیسے آپ بہت سارے واقعات پڑھ چکے ہیں کہ حالت بیداری میں ایک دوسرے سے رابطہ ہورہا ہے۔قرآن پاک کا دور ہورہا ہے۔باتیں ہورہی ہے۔قبر کے اندر والا ایسے بول رہا ہے جیسے کسی دیوار کے پیچھے انسان بیٹھا باتیں کررہا ہو۔تو آپ حضرات کچھ واقعات ملاحظہ فرمائیں اس بات پر کہ خواب میں برزخ والوں سے رابطہ ہوجاتا ہے۔

خواب کے ذریعے قبر والوں سے رابطہ واقعات کی روشنی میں

واقعہ نمبر ا...... حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات خواب میں حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب یہ اپنے علاقے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے لگے تو ان کے ساتھ ایک اور آدمی تیار ہو گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مدینہ منورہ چلتا ہوں۔ دونوں حضرات سفر کر کے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اور دونوں ہی آ کر مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں ہی قیام شروع کر دیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جو ساتھی حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا تھا اس کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ بیچارہ بیمار ہو گیا اور بیمار بھی بڑا سخت ہوا۔ جسم کے سارے جوڑوں میں اتنا شدید درد اٹھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ نیا نیا مسلمان ہوا تھا۔ ابھی مسائل کا بھی اتنا علم نہیں تھا۔ صبر نہ کر سکا۔ بال آخر ایک دن چھری اٹھائی۔ ہاتھوں کے جوڑوں میں بہت درد تھا۔ چھری سے ہاتھوں کے جوڑ کاٹ دیئے۔ شدید درد کی وجہ سے الٹا اور زیادہ پریشانی بن گئی کہ جہاں سے ہاتھ کاٹے تھے، وہاں سے جو خون نکلنا شروع ہوا علاج کر کر کے تھک گئے۔ اپنے طور پر جو کچھ ہو سکتا تھا سب کچھ کیا۔ لیکن خون نہ بند ہو سکا۔ آخر کار یہی خون کا نکلنا سبب بن گیا موت کا۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیچارہ فوت ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفن دفن کا انتظام کیا۔ وہیں مدینہ منورہ کے ہی قبرستان میں دفنا دیا۔ چونکہ اپنے ہاتھ خود کاٹے تھے جو سبب بنے موت کا۔ یہ بات بظاہر خودکشی کے زمرہ میں داخل ہو گی ایسا ہو گا جیسے اپنے آپ کو خود ہی مار دیا۔ بعد میں ایک رات حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے اس کو خواب میں دیکھا۔ خواب میں ملاقات ہوئی تو وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑی اچھی حالت میں نظر آئے۔ بڑے خوش ہیں۔ لیکن اپنے ہاتھوں کو کپڑے سے چھپائے ہوئے ہیں۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بھائی بتاؤ کیا گزری؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ تو وہ صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ حضرت مجھے اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی وجہ سے معاف کر دیا ہے۔ جو ہم نے ہجرت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور مسلمان ہوئے تھے۔ یہ سبب بنا میرے معاف ہونے کا اور میری بخشش کا۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ ہاتھ آپ نے کپڑے سے کیوں چھپائے ہوئے ہیں؟ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے باقی تو سارا کچھ معاف کر دیا ہے۔ لیکن ہاتھوں کے بارے میں مجھے کہا کہ یہ ہاتھ تو نے خود خراب کئے ہیں جان بوجھ کر ہم ان کو صحیح نہیں کریں گے۔ یہ اسی طرح ہی رہیں گے کٹے ہوئے۔ اس لئے یہ ہاتھ میرے کٹے ہوئے ہیں اور میرے لئے عیب ہیں۔ اس وجہ سے میں نے ان کو چھپا رکھا ہے اور بھی حال احوال ہوئے ہوں گے۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پریشانی کے عالم میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوا خواب کا واقعہ عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ معاملہ ہو گیا ہے کہ بیچارے کے ہاتھ ٹھیک نہیں تھے۔ باقی سب کچھ ماشاء اللہ ٹھیک تھا۔ شفقت والے رحمت والے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھائیں اور اس بیچارے کے لئے رحمت والے خدا سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو بھی ٹھیک فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت والے ہاتھ اٹھائے۔ دوسروں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے ہاتھ اٹھائے ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری پیاری زبان مبارک سے اپنے پیارے پیارے رب کے سامنے یہ الفاظ کہے اور یوں دعا مانگی ''اللهم وليديه فاغفر'' (مشکوٰۃ ص ۳۰۰، مسلم ص ۷۴ ج ۱) ''اے اللہ اس

بے چارے کے ہاتھوں کو بھی معاف فرمادے۔ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں کو معاف کر کے صحیح کر دیا ہوگا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی دعاؤں کو اللہ پاک رد نہیں فرماتے۔

فائدہ! اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوئیں: ۱...... حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا خواب سچا تھا۔ آپ نے تصدیق فرماتے ہوئے دعا کی ہے۔ اگر خواب سچا نہ ہوتا تو یوں دعا نہ کرتے۔ ۲...... برزخ والوں سے یعنی قبر والوں سے خواب میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ ۳...... اس جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور اسی جسم عنصری کو ہی اصل راحت و آرام، دکھ، سکھ دینا مقصود ہوتا ہے۔ چونکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ دنیا میں ہاتھ کاٹے تھے۔ اس لئے قبر میں بھی ان ہاتھوں کو صحیح نہیں کیا گیا دعا سے پہلے اور انہی جسم عنصری والے ہاتھوں کو ہی چھپایا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ ساری قبر والی کارروائی اسی جسم عنصری کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ صرف روح کے ساتھ یا روح کی جسم مثالی کے ساتھ نہیں ہوتی۔ بلکہ دونوں یعنی روح اور جسم عنصری برابر کے ثواب و عذاب میں شریک ہوتے ہیں۔ ورنہ خواب میں کچھ نہ دیکھتے۔ نہ ہی ملاقات ہوتی۔ نہ ہی بات چیت ہوتی۔ یہ سارا کچھ دیکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روح کا جسم عنصری سے قوی تعلق ہے مماتیوں کا یہ کہنا کہ قبر میں کچھ نہیں ہوتا۔ روح کا بالکل تعلق نہیں ہوتا۔ سب دھوکہ ہے۔ گمراہی ہے بے عقلی ہے۔ ان سے بچنا ثواب کا کام ہے۔

واقعہ نمبر ۲...... خواب میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو وصیت کرنا۔ جنگ یمامہ جو مشہور جنگ ہے۔ مسلیمہ کذاب سے لڑی گئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جس میں بڑے بڑے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم نے شہادت کا مقام حاصل کیا ہے۔ ان شہید ہونے والوں میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو انصار مدینہ کا خطیب کہا جاتا تھا۔ آواز اللہ تعالیٰ نے خوب دی تھی۔ بہت اونچی آواز سے شیر دل انسان کی طرح اللہ کی رحمت بن کر لوگوں کے سامنے گرجتے تھے۔ بہت سارے ان کے متعلق واقعات حدیث کی کتابوں میں آئے ہیں۔ جنگ یمامہ میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بہت خوبصورت زرہ جو دفاع کے لئے پہنی جاتی ہے پہن رکھی تھی جب شہید ہو گئے تو ان کی وہ خوبصورت زرہ کسی نے اتار کر کسی دوسری جگہ چھپا دی۔ رات کو خواب میں حضرت ثابت قیس رضی اللہ عنہ ایک آدمی کو ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میری زرہ فلاں آدمی نے اتاری ہے۔ فلاں جگہ چھپا دی ہے۔ وہیں پڑی ہوئی ہے جا کر اٹھا لو اور بھی کچھ وصیتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک وصیت یہ بھی کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جا کر یہ میرا پیغام دینا کہ میں نے فلاں آدمی کا اتنا قرض دینا ہے۔ اس کا انتظام کرا دو میرا فلاں غلام ہے اس کو آزاد کر دو۔ وغیرہ وغیرہ، یہ خواب دیکھنے والا آدمی صبح ہوتے ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جو ان کی قیادت کر رہے تھے۔ سارا واقعہ سنایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ زرہ فلاں جگہ فلاں آدمی نے چھپائی ہے تو حضرت نے آدمی بھیج کر اسی بتائی ہوئی جگہ سے زرہ تلاش کرائی تو وہ مل گئی اور اسی آدمی سے جس نے اتاری تھی صحیح صحیح پوچھا تو اس نے بھی بتایا کہ ہاں مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جا کر بتایا کہ فلاں کا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر قرض ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس قرض والے کو طلب فرمایا تو اس نے کہا کہ ہاں میرا اتنا قرض حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر ہے جتنا کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا اتنا ہی یہ قرض لینے والا بتا رہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام وصیتوں کو سنا جو انہوں نے کی تھیں ان کو نافذ کر دیا۔ (عمدۃ القاری کتاب الجہاد، مستدرک حاکم ص ۲۶۰ ج ۳)

فائدہ! اس واقعہ سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

۱...... شہید اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہوتا ہے۔ اگر زندہ نہ ہوتا تو زرہ اتارنے کا پتہ نہ چلتا جو شہید کو جسم عنصری سے زندہ نہیں مانتے وہ سخت گناہ میں مبتلا ہیں توبہ کرنا ایسے عقیدے سے واجب ہے۔

۲...... دنیا والوں کا برزخ اور قبر والوں سے رابطہ ہو جاتا ہے۔ رابطہ تب ممکن ہے جب روح کا جسم عنصری سے اسی زمینی قبر میں تعلق بھی ہو ورنہ رابطہ کیسے ممکن ہو؟

۳...... مرنے والا اپنے اوپر آنے والے کو اور سلام کرنے والے کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ جیسے اس صحابی رسول ﷺ نے اچھی طرح پہچانا۔

۴...... مرنے کے بعد بھی روح کا انسان کے اسی جسم عنصری کے ساتھ اتنا تعلق ہوتا ہے کہ انسان کو ہوش وحواس ہوتے ہیں اور دنیا والا وقت اور کام یاد ہوتے ہیں۔ جیسے اس صحابی رسول ﷺ کو اپنے قرض وغیرہ یاد تھے۔

۵...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اس صحابی رضی اللہ عنہ کی باتوں پر عمل کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ تمام صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم شہید کے اس جسم عنصری کو زندہ مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی انسان کی روح کا جسم عنصری سے تعلق ہوتا ہے۔ ورنہ کسی بات پر عمل نہ ہوتا۔

۶...... منکرین حیات کا یہ دھوکہ ہے۔ گمراہی ہے اور غلط عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد روح کا جسم عنصری کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ اس عقیدے سے توبہ کرنا لازم ہے۔

۷...... یہ اشکال بھی نہیں ہونا چاہیے کہ جب اتنا روح کا جسم عنصری سے تعلق ہے تو پھر دفن کیوں کرتے ہو؟ وہ باتیں کیوں نہیں کرتے؟ کیونکہ جہان اور شروع ہو چکا ہے جو اس دنیا والے جہان سے آگے ہے اس کے احکامات اور ہیں۔ اس جہان کے حالات کو اس جہان کے حالات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے صرف ایمان لانا ضروری ہے کہ واقعتا اسی جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ کیسے ہوتا ہے؟ وہ اگلے جہان کی بات ہے۔ جائیں گے تو پتہ چل جائے گا۔

۸...... کسی کو یہ کہنا کہ اگر زندہ ہے تو پھر بولتا کیوں نہیں؟ چلتا پھرتا کیوں نہیں؟ یہ ایسے ہے۔ جیسے میں نے کہا کہ خواب دیکھنے والے کو کہا جائے تو غلط کہتا ہے کہ میں نے خواب میں کھایا ہے۔ پیا ہے۔ سیر کی ہے میں تجھے دیکھتا رہا تو نے کچھ بھی نہیں کیا ہے جیسے اس خواب والے کو یوں کہنا دھوکہ، جہالت، گمراہی اور بے وقوفی ہے۔ ایسے ہی یہ کہنا کہ وہ مرنے والا بولتا کیوں نہیں؟ یہ بھی گمراہی اور جہالت ہے۔ اس کو تو اتنی سمجھ نہیں کہ ہر جہان کے علیحدہ حالات ہوتے ہیں۔ ایک جہان کے حالات دوسرے جہان کے حالات پر قیاس نہیں ہو سکتے۔ یہ بیچارہ تو عقل سے اتنا کورا ہے۔ اس کی قسمت میں کہاں ہے؟ قرآن وحدیث کا سمجھنا اس لئے ان کی باتوں سے بچنا عین ثواب ہے۔

پیر فضل علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر مراقبہ

واقعہ نمبر ۳...... خواجہ پیر فضل علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت مبارک ۱۲۷۰ھ میں ہوئی۔ دینی تعلیم اپنے علاقے کے جید علماء کرام سے حاصل کی اور دورۂ حدیث شریف

مولانا احمد علی سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ تحصیل سلوک کے لئے حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کرنا بہت کم کر دیا تھا۔ بالآخر پیر فضل علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند، خلف الصدق، حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور جلد ہی آپ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اجازت دے دی۔ آپ نے اپنا علاقہ میانوالی اور دوسرے شہر ملتان وغیرہ میں بہت تبلیغی سفر کئے۔ زیادہ تر قیام دہلی ہندوستان میں رہا۔ چوراسی سال کی عمر میں بروز جمعرات رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۳۵ء اپنے خداعزوجل سے جاملے۔ آپ کا مزار مبارک مسکین پور شریف ضلع مظفر گڑھ میں ہے۔ ان کا واقعہ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے چراغ محمد کتاب میں لکھا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میرا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا ہے کہ میں ہندوستان دیوبند حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا ہوا تھا کہ پیر طریقت حضرت مولانا پیر فضل علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر مراقبہ فرمایا۔ مراقبہ کے بعد ہمیں فرمانے لگے کہ مراقبہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک بھی وہیں موجود تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان دونوں بزگوں نے ہندوستان میں میرے دین کی اشاعت کی ہے اور تبلیغ کی ہے۔ اس کے بعد پیر صاحب نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا حلیہ اور شکل وصورت بیان فرمائی کہ وہ اس طرح نظر آرہے تھے۔ ایسا رنگ تھا۔ ایسی ڈاڑھی مبارک تھی۔ اتنا قد مبارک تھا۔ حالانکہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال مبارک کو اس وقت ۵۳ سال ہو چکے تھے۔ بعد میں شہر کے بوڑھوں سے جنہوں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہوا تھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ جو حلیہ پیر صاحب نے بیان فرمایا ہے۔ وہ بالکل صحیح اور ٹھیک ہے۔ (چراغ محمد ص ۲۱۱)

فائدہ! اس واقعہ سے جہاں علماء دیوبند کا مسلک واضح ہو رہا ہے کہ عین قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔ وہاں یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ انہی زمینی قبروں میں روح کا جسم عنصری سے تعلق ہے اور یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ دنیا والوں کا برزخ والوں سے رابطہ رہتا ہے۔ رابطہ تبھی ہو سکتا ہے کہ روح کا جسم عنصری سے تعلق ہو۔ گویا کہ علماء دیوبند الحمدللہ ہر عقیدے میں حق پر ہیں۔ ان کے مقابل تمام تر فرقے حق کے مقابل اور مخالف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان فتنوں کے دور میں امت مسلمہ پر رحمت کاملہ فرمائے اور ان کو صحیح عقائد رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

قارئین کرام! واقعات تو اس قسم کے بہت ہیں۔ لیکن ہم کتاب کی طوالت کے خوف سے چھوڑ رہے ہیں۔ اب کچھ واقعات اس بات پر کہ نیند میں انسان پر جو حالات آتے ہیں۔ ان کے اثرات بعض دفعہ بیداری کے بعد بھی ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے منہ پر خواب کے بعد سبز رنگ

واقعہ نمبر ۴...... حضرت سفیان بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں مولد النبی علیہ السلام کے پاس حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو بہت روتے ہوئے دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر راستہ سے ذرا دور ہٹ گئے۔ میں نے ان کو سلام کیا اور وہاں نماز پڑھی۔ پھر ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگے کچھ

نہیں خیریت ہے۔ میں نے جب اصرار سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تیس سال ہو گئے ہیں۔ میرا دل سکباج کھانے کی خواہش کر رہا ہے (سکباج ایک قسم کا کھانا ہے جو سرکہ گوشت میوہ جات سے تیار ہوتا ہے) اور میں مجاہدہ کے طور پر اس کو روکتا رہتا تھا۔ رات مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان نہایت حسین وجمیل ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک سبز رنگ کا پیالہ ہے۔ جس سے گرمائش کی وجہ سے بھاپ نکل رہی ہے اور سکباج کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے اپنے دل کو فوراً سنبھالا تو اس نے میرے پاس آ کر کہا کہ ابراہیم اس کو کھا لو۔ میں نے کہا کہ جس چیز کو اللہ کے لئے چھوڑ رکھا ہے اس کو نہیں کھا سکتا۔ کہنے لگا وہ شخص اگر چہ اللہ جل جلالہ خود کھلائیں تو مجھے رونا آ گیا۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ پھر وہ کہنے لگا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت کرے اس کو کھا لو۔ میں نے کہا کہ ہمیں یہ حکم ہے کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کہاں سے آیا ہے؟ کیا ہے؟ ہم نہیں کھاتے۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے۔ اس کو کھا لو۔ یہ مجھے جنت کے رضوان نے دی ہے اور یہ کہا ہے کہ اے خضرت ابراہیم کو کھلا دو۔ اس نے بہت صبر کر لیا اور خواہشات کو بہت روک لیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ابراہیم اللہ جل شانہ کھلاتے ہیں اور تم انکار کرتے ہو۔ میں نے فرشتوں سے سنا ہے کہ جو شخص بے طلب ملنے پر انکار کرتا ہے۔ اس کو طلب پر بھی نہیں ملتا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ بات ہے تو لاؤ میں حاضر ہوں کھا لیتا ہوں۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اور اس نے حضرت خضر علیہ السلام کو کچھ دے کر کہا کہ اس کا لقمہ بنا کے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے منہ میں دیدو وہ مجھے اپنے ہاتھ سے کھلاتے رہے (بعد میں چلے گئے) صبح کو جب میں بیدار ہوا تو اس کی مٹھاس میرے منہ میں باقی تھی اور زعفران کا رنگ میرے ہونٹوں پر تھا۔ میں نے زم زم کے کنویں سے منہ کو دھویا بھی ہے۔ مگر نہ منہ سے وہ مٹھاس والا مزہ جاتا ہے۔ نہ ہونٹوں سے وہ رنگ اترتا ہے۔ یہ رنگ تم خود بھی دیکھ رہے ہو۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے واقعی ہونٹوں پر رنگ کو دیکھا ہے کہ اس کے اثرات موجود تھے۔ صاف صاف تو پھر میں نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ! تو اپنے لطف وکرم سے مجھے بھی وہ چیزیں کھلا جو تو نے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو کھلائیں ہیں۔ (فضائل حج بحوالہ روض الریاحین ص ۲۳۶)

فائدہ! یہ سارا واقعہ خواب کا ہے۔ خواب میں جو کچھ کھایا ہے۔ اس کے اثرات بیداری کے بعد بھی جسم عنصری پر محسوس ہو رہے ہیں اور اثرات ختم کرنے سے بھی ختم نہیں ہو رہے۔ اگر اس سونے والے کے پاس کوئی بیٹھا ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بیٹھا بھی ہو۔ کیونکہ مکہ مکرمہ کا واقعہ ہے۔ جہاں لوگوں کا ساری رات جاگنا چلنا پھرنا رہتا ہے۔ اسے کچھ پتہ نہ چلتا۔ کیونکہ یہ سارا ماجرا بیداری والے جہان سے آگے ایک اور جہان میں پیش آ رہا ہے اور وہ جہان ہے خواب والا جہان تو دیکھو جیسے یہاں بیداری والے جہان میں رہتے ہوئے خواب والے جہان کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔ حالانکہ ہوا سب کچھ ہے۔ بالکل اسی طرح دنیا والے جہاں میں رہتے ہوئے برزخ والے جہان اور قبر والے جہان کا ہمیں کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔ لیکن ہوگا سب کچھ۔ اب یہ کہنا کہ مجھے اس برزخ والے جہان کے حالات دکھاؤ۔ یہ ایسے بے وقوفی ہے۔ جیسے خواب والے کو کہنا کہ مجھے بھی وہ سب کچھ دکھاؤ جو تو نے خواب میں دیکھا ہے۔ پھر چونکہ نظر نہیں آ سکتا۔ لہٰذا انکار کر دو۔ اس سے بڑی جہالت اور گمراہی شاید دنیا میں بھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسے خواب والا جہان بیداری میں نظر نہیں آتا۔ اسے تو یہ نہیں جھٹلاتا۔ اگر جھٹلا دیا تو لوگ سب سے بڑا گمراہ اور پاگل کہیں گے۔ اگر اس کو بیداری میں برزخ والا جہان نظر نہیں آتا تو اس کو جھٹلا رہا ہے۔ حالانکہ وہ جہاں قرآن وحدیث سے ہی ثابت ہے تو آپ خود فیصلہ کریں کہ ایسے آدمی کو کون سے لقب سے ملقب کیا جائے گا۔

خواب کے اثرات چھ ماہ تک جسم عنصری پر

واقعہ نمبر ۵...... یہ واقعہ ایک ڈاکٹر کے ساتھ پیش آیا ہے۔ ڈاکٹر نور محمد پروفیسر نشتر کالج ملتان والوں نے ان سے سن کر ان ہی کی زبانی نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب واقعہ کہتے ہیں کہ ۱۹۶۹ء میں ایک وارڈ میں بطور رجسٹرار کام کررہا تھا۔ ایک رات بڑا عجیب وغریب خواب دیکھا جس کی وجہ سے چھ ماہ تک بیمار رہا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ مجھے ایک قبر کے اندر لے جایا گیا کیا دیکھتا ہوں کہ اس قبر میں ایک مردہ تڑپ رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سخت تکلیف میں ہے۔ اس کا منہ کھلا ہوا ہے۔ مگر منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ بازو اور ٹانگیں شدید درد کی وجہ سے تیزی سے حرکت کررہی تھیں۔ کافی دیر تک یہی حالت رہی۔ اس مردے پر پھر کچھ آرام ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ایک شخص چمکدار چابک کی طرح ایک چیز لے کر اس میت کی پیشاب کی نالی میں داخل کررہا ہے۔ جس کی تکلیف سے وہ مردہ پھر ویسے ہی تڑپنے لگا جیسے پہلے دیکھا تھا۔ مردے کی تکلیف دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں برداشت نہ کرسکا۔ میں نے اسے پوچھا کہ اس میت کو یہ عذاب کیوں دیا جارہا ہے؟ اتنا سخت اس نے مجھے بتایا کہ یہ مردہ دنیا میں زناکار تھا۔ زنا کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس کو عذاب دیا جارہا ہے۔ جب سے یہ مرا ہے اسے یہی عذاب دیا جارہا ہے۔ میں کافی دیر تک یہ معاملہ دیکھتا رہا۔ مجھے مردے کی حالت پر بہت رحم آگیا۔ ابھی یہ سزا میں دیکھ ہی رہا تھا کہ کسی نے مجھے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا اور ویسے ہی چمکدار چابک کی طرح ایک چیز میری پیشاب کی نالی میں داخل کردی۔ مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ بیان سے باہر ہے جیسے مچھلی کو پانی سے باہر پھینک دو اور وہ تڑپتی ہے۔ میں بھی ایسے تڑپنے لگا۔ جب بھی مجھے وہ اپنا خواب یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میں نے خواب میں سمجھا کہ شاید میرا پیشاب نکل گیا ہے۔ لیکن بیدار ہونے کے بعد دیکھا تو تکیہ تک پیشاب سے بستر بھیگ گیا تھا۔ پھر میں نے پیشاب کیا تو وہ خون کی طرح سرخ تھا اور یہ خون والا پیشاب چھ ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں بہت ہی کمزور ہوگیا۔ ہر قسم کی لیبارٹری سے ٹیسٹ کرائے۔ گردے مثانہ کے ایکسرے کرائے، بہت سے ڈاکٹر صاحبان سے مشورہ کیا۔ خود بھی ڈاکٹر تھا۔ بہت علاج معالجہ کرایا۔ لیکن نہ تو اس بیماری کی وجہ معلوم ہوسکی اور نہ ہی کوئی فرق پڑا۔ خون کی طرح پیشاب آتا رہا۔ اسی دوران میں نے ملازمت سے لمبی رخصت لے لی اور اللہ کے سامنے دعا، استغفار کرنا شروع کردی اور اللہ کی طرف خوب متوجہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے (جو کہ رحمت والا ہے) رحمت فرمائی اور چھ ماہ کے بعد مجھے اس مصیبت سے نجات ملی۔ (قبر کی زندگی اور موت کے چند مناظر ص ۱۲)

فائدہ! جہاں اس واقعہ سے گناہگاروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ وہاں اپنے عقائد بھی ٹھیک کرلینے چاہئیں۔ کیونکہ خواب میں برزخ والوں سے ملاقات ہورہی ہے اور اسی قبر میں ملاقات ہے اور اسی میں عذاب دیا جارہا ہے اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خواب والے جہان کے ہم حالات نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن حالات آتے ضرور ہیں۔ اسی طرح برزخ والے اور زمینی قبر والے جہان کے حالات بھی ہم دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن آتے ضرور ہیں۔ ان میں سے کسی جہان کے حالات کو جھٹلانا بدبختی کی علامت ہے اور جہالت گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح عقائد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خواب میں ذبح کرنا اور دوسرے کا ذبح ہو جانا

واقعہ نمبر ۶...... بعض سلف صالحین کا بیان ہے کہ میرا ایک پڑوسی تھا (تھا وہ شیعہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے بہت بکواس کی۔ بہت گالیاں دیں (العیاذ باللہ) میری اس سے لڑائی ہوگئی۔ لڑائی کے بعد پریشانی کے عالم میں رنج وغم میں ڈوبا ہوا گھر پہنچا۔ میں نے پریشانی کی وجہ سے کھانا بھی نہ کھایا اور اسی حالت میں سوگیا۔ رات کو خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ کو سارا واقعہ سنایا اور اس آدمی کی شکایت کی کہ فلاں شخص آپ ﷺ کے اصحاب کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کس کس کو؟ میں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ کو آپ ﷺ نے مجھے ایک چھری پکڑائی اور کہا کہ جاؤ اسے چھری سے اس کو ذبح کردو۔ میں نے وہ چھری پکڑی اور اس لعنتی کو زمین پر لٹایا اور خواب میں ہی اس کو ذبح کردیا۔ میرا ہاتھ ناپاک خون سے بھر گیا۔ میں نے چھری کو زمین کے ساتھ صاف کیا۔ اتنے میں میری آنکھ بھی کھل گئی۔ بس آنکھ جو کھلی تو اس رافضی کے گھر سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ چیخ وپکار کس چیز کی ہے؟ کیوں آرہی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ فلاں رافضی اچانک مرگیا ہے۔ میں نے جو اسے دیکھا تو ذبح کا نشان موجود تھا۔ (کتاب الروح ص ۲۹۰)

فائدہ! اس واقعہ سے رافضیوں کو اور ان لوگوں کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ عبرت حاصل کرنی چاہئے اور وہ لوگ جو عظمت صحابہ کے لئے کام کررہے ہیں۔ اپنے کام کو تسلی کرنا چاہئے انشاء اللہ! اللہ اور اس کا رسول ﷺ تم پر خوش ہوگا۔ بشرطیکہ خالص نیت سے کام ہو۔ نیز علماء حقہ اہل سنت والجماعت دیوبند کو بھی اپنے عقائد پر کامل طور پر خوش ہونا چاہیے کہ الحمد اللہ! سارے ہمارے عقائد قرآن وحدیث سے ثابت اور مؤید ہیں اور منکرین حیات کو اور ان کے علاوہ دوسرے تمام فرقوں کو خلوص دل سے دعوت دوں گا کہ اپنے عقائد پر نظر ثانی کرو۔ ابھی وقت ہے کہ بعد میں سوائے پچھتانے کے کچھ نہیں بنے گا۔ واقعہ سے اصل مقصود یہ ہے کہ خواب والے جہان کے حالات کا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس کے اثرات اپنے جسم عنصری پر بھی موجود ہوتے ہیں اور دوسرے کے جسم پر بھی بعض دفعہ ہوتے ہیں۔ جیسے ہم اس جہان کے حالات کے انکاری نہیں۔ بلکہ یقین سے مانتے ہیں تو اس برزخ والے جہان کے حالات بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں چلتا لیکن اثرات اس جسم عنصری پر ضرور ہوتے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اس دنیا کے جہان میں رہتے ہوئے اگلے برزخ والے جہان کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ پھر یہ مطالبہ کہ اگر ہے کچھ تو دکھاؤ محض گمراہی اور جہالت ہے جس سے توبہ لازمی اور فرض ہے۔

خواب میں آنکھوں کا نکلنا پھر اس کا حقیقت بننا

واقعہ نمبر ۷...... قیروانی نے کہا ہے کہ مجھے ایک فاضل شیخ نے خبر دی کہ مجھے ابوالحسن المطلبی امام مسجد نبوی نے فرمایا ہے کہ میں نے مدینہ میں ایک عجیب ماجرا دیکھا کہ ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں بکتا تھا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد سامنے آیا تو اس کی دونوں آنکھیں نکل کر رخساروں پر پڑی تھیں۔ ہم نے اس سے قصہ پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ رات میں نے خواب میں آپ ﷺ کو دیکھا اور حضرت ابوبکر صدیق اور

حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کو میری طرف اشارہ کرکے بتایا۔ یارسول اللہ! یہ ہمیں تکلیف دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوقیس! تجھے کس نے کہا ہے کہ ان کو (شیخین رضی اللہ عنہما کو) گالیاں دے۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اس نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے، ہاتھ اٹھایا، درمیان والی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ جیسے کسی کی آنکھ نکالنے کے لئے اشارہ کیا جاتا ہے اور فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تیری یہ دونوں آنکھیں پھوڑ دے اور اپنی دونوں انگلیاں میری آنکھوں میں داخل کردیں میں نیند سے بیدار ہوا تو یہ میرا حال تھا جو تمہارے سامنے ہے۔ پھر روتا تھا۔ لوگوں کو حال سناتا تھا اور زور زور سے خدا کی بارگاہ میں توبہ کرتا تھا۔ (حیات الاموات ص ۳۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خواب میں ایک شخص کو طمانچہ مارنا

واقعہ نمبر ۸......ایک قریشی شیخ کا بیان ہے کہ میں نے شام میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا آدھا منہ ایک طرف سے کالا ہے اور آدھا منہ ٹھیک ہے۔ عیب والی طرف کو چھپائے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے کہ جو بھی مجھ سے اس کے بارے میں پوچھے گا اسے ضرور بتاؤں گا۔ سنو! میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت گالیاں دیتا تھا اور بہت برا بھلا کہتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کسی نے پکڑ کر کہا کہ تو ہی مجھے برا کہتا ہے۔ پھر اس نے میرے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ صبح کو جب میں اٹھا تو جہاں طمانچہ لگا تھا۔ وہ جگہ سیاہ تھی جیسے تو دیکھ رہا ہے۔ (کتاب الروح ص ۲۹۱)

فائدہ! اگلے جہان کے حالات کو خواب والے جہان کے حالات سے مثالوں کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔ اس سے زائد شاید ہم اگلے جہان کے حالات واضح نہ کرسکیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے توفیق دینی ہے وہ انہی حالات سے سمجھ جائے گا۔ ورنہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں۔ اسے راضی کرنے کی کوشش کرے۔

عقیدہ عذاب وثواب قبر...... بارھواں اختلاف

قارئین کرام! قبر کے عذاب وثواب کی بحث کی چنداں ضرورت تو نہیں تھی۔ کیونکہ جب یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ قبر میں اعادۂ روح بھی ہوتا ہے اور روح کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق بھی ہوتا ہے اور حالات قبر والے عام طور پر ہم دیکھ بھی نہیں سکتے تو عذاب وثواب خود بخود ثابت ہو گیا تھا۔ دوبارہ اسے ذکر کرنے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ لیکن احمق و نادان قسم کا انسان اچھے خاصے انسان کو اس مسئلہ میں بھی بڑا پریشان کر دیتا ہے کہ اگر عذاب ثواب ہوتا ہے تو دکھاؤ اس واسطے اس کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ تاکہ مسئلہ عذاب وثواب والا بھی اقرب الی الفہم ہو جائے تو لیجے ملاحظہ فرمایئے:

علماء اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

علماء دیوبند کا عقیدہ ونظریہ میت کے عذاب وثواب کے بارے میں یہ ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو روح انسان کے اسی جسم عنصری میں واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں۔ سوال وجواب کے بعد پھر نیک انسان کی روح علیین میں اور برے کی روح سجین میں چلی جاتی ہے۔ لیکن اس روح کا اس جسم

عنصری سے جو قبر میں رکھ دیا گیا ہے۔ تعلق قائم رہتا ہے۔ اسی روح کے تعلق کی وجہ سے مردہ میں ایسا شعور وادراک پیدا ہو جاتا ہے کہ میت میں عذاب وراحت، دکھ دسکھ محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا قبر میں ایک گونا حیات ثابت ہو جاتی ہے۔ اب اگر انسانی ڈھانچہ باقی ہو یا نہ ہو اسے مٹی کھا جائے یا بالکل ذرہ ذرہ ہو جائے یا کوئی درندہ پرندہ اسے کھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر حالت میں اس کے اندر اس درجہ زندگی پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دکھ دسکھ آرام وعذاب کا احساس کرتا ہے۔ اسے سب کچھ محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ جمہور امت کے نزدیک شعور ہر چیز کو حاصل ہوتا ہے ''فان الشعور لکل شئ عند جمہور الامۃ'' (العرف الشذی ص ۳۵۵)

خلاصہ یہ کہ عام لوگوں کی برزخی اور قبر والی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے روح کا تعلق اس قدر ہوتا ہے جس کی وجہ سے عذاب اور ثواب کو محسوس کر سکتا ہے۔

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین حیات وسماع کا عقیدہ یہ ہے کہ جب اس عرفی زمینی گڑھے میں انسان کو رکھا جاتا ہے تو اس سے کوئی سوال وجواب نہیں ہوتا۔ کیونکہ روح جب جسم سے نکل گئی ہے اور انسان فوت ہو گیا ہے تو اب روح کا نہ جسم عنصری سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی روح جسم عنصری میں لوٹائی جاتی ہے۔ جب روح کا تعلق ختم تو اس جسم عنصری کو اسی زمینی قبر میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ نہ عذاب نہ ثواب کچھ دنوں کے بعد اس کا یہ جسم گل سڑ جاتا ہے۔ قصہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ نہ کچھ قبر میں ہوگا۔ نہ کچھ سنے گا۔ نہ سلام وکلام، نہ ایصال ثواب۔ ایسے ہی صرف مٹی کا ڈھیر نظر آتا ہے۔ اندر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

منکرین حیات کی عبارات ملاحظہ فرمائیں

۱...... عرفی قبر میں سوال وجواب اور حیات نہیں۔ (حیات جاودان ص ۴۸) نیز لکھتا ہے کہ روح کا بدن سے تعلق نہیں۔ (حوالہ ایضاً ص ۲۶)

۲...... اکابر دیوبند، فقہاء احناف مدفن ارضی (یعنی زمینی قبر) میں عذاب کے منکر ہیں۔ (مسلک الاکابر ص ۲۵)

۳...... عذاب قبر اس گڑھے میں نہیں۔ (سیف الاورکزی محمد جمیل ص ۹۱) عذاب جسم مثالی کو ہوتا ہے۔ اعادۂ روح کی احادیث صحیح نہیں۔ (ایضاً ص ۶۷)

۴...... عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ فاسد ہے اعادۂ روح قبر میں نہیں ہوتا۔ (الارشاد المفید ص ۲۳،۱۶)

۵...... منکر نکیر کے سوال وجواب، قبر کی تنگی اور وسعت علیین اور سجین میں ہوتی ہے۔ نیز زمینی دنیا وی گڑھے میں عذاب نہیں ہوتا۔ (المسلک المنصور ص ۷۳،۲۱۷)

۶...... تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ روح کا جسم عنصری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (البرہان الجلی ص ۱۸۱)

۷...... عذاب قبر اس گڑھے میں نہیں ہوتا۔ (اقامۃ البرہان ص ۲۶۵)

۸...... جسم عنصری کو عذاب نہیں۔ (رد منکرات ص ۴۳)

۹...... دنیا والا جسم اس زمین سے بنا ہے۔ مر کر اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے اور بالآخر مٹی ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ جب مٹی ہو کر ختم ہو گیا تو اس جسم کو عذاب وثواب نہیں ہوتا۔ قبر وہ ہے جہاں روح کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ (عقیدۃ الامت ص ۳۱)

۱۰...... قرآن پاک صحیح حدیث اوراجماع سے ثابت ہونے والے اس مسلک کے خلاف حیاتیوں کا عقیدہ ہے کہ اس زمین والی قبر میں میت کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ پھر لکھا کہ قرآن پاک صحیح حدیث اوراجماع کے خلاف غلط عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے حیاتی حضرات ایک حدیث کا غلط طور پر سہارا لیتے ہیں۔ (عقیدۃ الامت ص ۳۲۰)

خلاصہ کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ میت کو اسی زمین والی قبر میں عذاب وثواب ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن پاک صحیح احادیث اوراجماع کے خلاف ہے۔

منکرین حیات کی دورنگی چال

''اعلان حق'' کتاب منکرین حیات کی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اکابرین علماء دیوبند کے مجموعی مسلک سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے جس مسئلہ کی تعبیر میں اگر ان (اکابرین دیوبند) میں کوئی اختلاف ہوا ہے تو ہم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام اللہ خان، مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید عنایت شاہ بخاری، مولانا محمد طاہر پنج پیری اور مولانا قاضی شمس الدین کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارا اختلاف صرف ان معاصرین سے ہے جو دیوبند کے روپ میں شرک وبدعت پھیلانا چاہتے ہیں اور اکابرین دیوبند کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ (اعلان حق ص ۱۶)

یہ عبارت اس لئے نقل کی ہے تاکہ آپ حضرات کو بخوبی اندازہ ہو جائے کہ منکرین حیات جن حضرات کو اپنے اکابرین میں شمار کرتے ہیں اور اختلافی مسئلہ میں جن اکابرین کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اپنے اکابرین کی بات کس حد تک مانتے ہیں۔ پہلے جو دس اقوال نقل کئے ہیں۔ ان سب سے میں یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اس زمینی قبر میں جسم عنصری کے ساتھ روح کا کوئی تعلق نہیں اور عذاب وثواب اس قبر میں بالکل نہیں ہوتا اور جو حضرات یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عذاب وثواب اسی قبر میں ہوتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ فاسد ہے۔ قرآن پاک، احادیث صحیحہ اوراجماع کے خلاف ہے۔ یہ تو ہے منکرین حیات کا عقیدہ جو اصاغرین میں شامل ہیں۔

اب آپ حضرات ان کے اکابرین کا مسلک وعقیدہ بھی پڑھ لیں کہ وہ کیا مسلک رکھتے ہیں کہ عذاب وثواب اس زمینی قبر میں ہوتا ہے یا نہیں؟ تاکہ اچھی طرح یہ بات واضح ہو جائے کہ قبر میں عذاب وثواب والا عقیدہ، جو ان کے نزدیک اجماع اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ وہ صرف علماء دیوبند کا ہے یا اس میں خود منکرین حیات کے اکابرین بھی شامل ہیں۔

۱...... حضرت مولانا قاضی شمس الدین لکھتے ہیں کہ عذاب صرف روح کو یا روح مع الجسد کو ہوتا ہے۔ (تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء) اس میں وضاحت آ گئی کہ حضرت کا عقیدہ یہ تھا کہ عذاب روح مع الجسد کو ہوتا ہے اور جسد سے مراد جسم عنصری ہے۔ اس پر دلیل کہ جسد سے مراد جسم عنصری ہے۔

۲...... حضرت قاضی شمس الدین لکھتے ہیں کہ ارواح طیبہ کا ابدان مبارک سے تعلق ہم تسلیم کرتے ہیں۔ (مسالک العلماء ۲۴۸)

۳...... اجسام کو عذاب ہوتا ہے۔ (مسالک العلماء ص ۱۱۹)

۴...... بدن سے اتصال معنوی ہے۔ (حوالہ ایضاً ۱۶۰)

۵...... روح کا جسم سے تعلق ہے، رابطہ ہے۔ (تحفہ ابی نعمان ص ۸۲)

۶...... روح کا بدن کے ذرات سے تعلق ہے۔ (ایضاً ص ۵۵)

۷...... جسم روح کے تابع ہوتا ہے۔ (ایضاً ص ۴۹، تحفہ ابی نعمان)

۸...... ''وقال الفقہاء ھو للروح مع الجسد ویشارک الجسد بالروح (التعلیق الصبیح ص ۱۳۹ ج ۱)''

فقہاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ (عذاب) روح کے لئے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم روح کے ساتھ شریک ہے۔

۹...... ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عذاب القبر حق اور ذی فقہاء و متکلمین اس بات پر دیتے ہیں کہ عذاب وثواب تنعم وتلذذ میں بدن بھی ''فی ای حال کان'' (بدن بھی جس حالت میں) ہوشریک روح ہے اور ان کے تعلق کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ (تسکین القلوب ۷۰)

حضرت مولانا غلام اللہ خان کا مسلک......ایک سوال کی جواب میں

۱۰...... سوال یہ کہ تھا روح مبارک کا تعلق بدن پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرمایا جائے جس پر حضرت مولانا غلام اللہ خان کے دستخط ضروری ہیں۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان کی اور ان کی جماعت کی تحقیق اس مسئلہ میں کیا ہے؟

جواب...... تعلق باقی ہے چنانچہ ''فتح العزیز'' کی عبارت مذکورہ مصرح ہے۔ ''وتعلقے بہ قبر نیز ارواح را میا شد قبر کے ساتھ تعلق باقی ہے تو اجساد کے ساتھ خود باقی ہے اور فقہاء کرام نے بھی تصریح کی ہے کہ تنعم وغیرہ میں اجساد کو بھی شمولیت ہے اور وہ اسی بقاء تعلق پر مبنی ہے۔ البتہ اس تعلق کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ یہ تعلق مثل تعلق دنیا کے ہے۔ بلفظہ! عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ۲۷ رصفر ۱۳۷۹ھ۔ الجواب الصحیح لاشئی غلام اللہ خان مہر دارالافتاء۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۵۹ء ص ۱۰)

۱۱...... حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منکر نکیر میت کے پاس آتے ہیں تو اس میت میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے۔ جب اس سے سوال ہو چکتا ہے تو اس کی روح بلا تکلیف کے نکال لی جاتی ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جب میت کے پاس کوئی شخص زیارت کرنے کو آتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتی ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

فائدہ! میت کا پہچاننا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روح کا جسم عنصری سے یقیناً تعلق ہے۔ جب تعلق ہے تو عذاب وثواب کو بھی یقیناً محسوس کرتا ہوگا جو کہ اہل حق کا مسلک ہے۔

۱۲...... دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ سو جائز ہے کہ قبر میں سوال و جواب اور عذاب وراحت مؤمن اور کافر کے بعض جسم سے وابستہ اور متعلق ہو نہ کہ سب اجزاء سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر کی تنگی اور سوال کے لئے ان متفرق اجزاء کو جمع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ وہ حشر کے دن ایسا کرے گا۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

فائدہ! بارہ اقوال سے یہ بات بھی بحوالہ ثابت کر دی ہے کہ اکابرین اشاعۃ التوحید والسنۃ کا مسلک یہ ہے کہ عذاب قبر وثواب قبر حق ہے۔ (۱) فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کا اسی پر فتوی ہے۔ (۲) روح کے تعلق کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ (۳) روح کے ساتھ جسم عنصری بھی عذاب وراحت میں شامل ہے۔ یہ مسلک ہے ان اکابرین کا جن کے

مسلک کو یہ منکرین حیات ترجیح دیتے ہیں۔ اصاغرین منکرین حیات کا فتویٰ اور مسلک بھی آپ نے پڑھ لیا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا عذاب وثواب والا اور روح کے تعلق والا فاسد ہے۔ اجماع اور قرآن اور حدیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ اب اصاغرین اور اکابرین کا آپس میں اختلاف ہوگیا ہے۔ گھر کے اندر ہمیشہ بڑے حضرات کی بات معتبر ہوتی ہے۔ چھوٹوں کی بات کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اس لیے اب ان منکرین حیات کے اکابرین کی عبارات سے علماء دیوبند کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اور ان کا اپنا مسلک بھی واضح ہوگیا کہ عذاب وثواب قبر حق ہے۔ اب اگر وہ بات صحیح لکھی ہے اور یقیناً صحیح لکھی ہوگی کہ ہم اپنے ان اکابرین کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں تو چاہیے کہ یہ اعلان کردیں کہ آج کے بعد ہم منکرین حیات والے مسلک سے توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ اگر اعلان نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے غلط بیانی کی ہے تو جیسے یہاں غلط بیانی کی ہے۔ اس طرح ہم کہیں گے کہ عقائد میں بھی غلط بیانی کرتے ہو۔ غلط بیانی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ فاسد ہے۔ اجماع کے خلاف ہے۔ قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو پھر یہ عقیدہ تمہارے اکابرین نے بھی رکھا ہے۔ جو فتویٰ اپنے اکابرین کے بارے میں لگانا مفید اور مناسب سمجھو وہی ہمارے اوپر بھی لگا دینا۔

منکرین حیات کے پاس روح کے تعلق نہ ہونے کی کوئی دلیل

اب رہی یہ بات کہ کس دلیل سے منکرین حیات یہ کہتے ہیں کہ یہ عذاب ثواب والا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ حدیث صحیح کے خلاف ہے۔ اجماع کے خلاف ہے۔ ان کے پاس کیا دلیل ہے؟

ناظرین کرام! منکرین حیات کے ساتھ کوئی لمبی چوڑی بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان سے صرف اتنا مطالبہ کریں کہ اپنے اس عقیدہ پر کہ قبر میں عذاب وثواب نہیں ہوتا۔ روح کا جسم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ صرف ایک آیت قرآن پاک یا ایک صحیح حدیث یا کسی کا مستند قول پیش کردو۔ انشاء اللہ! تا قیامت پیش نہیں کرسکیں گے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ۔۔۔ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

زمینی قبر کا عذاب وثواب قرآن کی روشنی میں

آیت نمبر ۱...... ”ولوترى اذالظلمون فى غمرات الموت والملائكة باسطوا ايديهم اخرجوا انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بماكنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن آيته تستكبرون (الانعام: ۹۳)“ اور اگر آپ ان کو اس وقت دیکھیں۔ جب کہ یہ ظالم لوگ موت کو سختیوں میں (گرفتار) ہوں گے اور (موت) کے فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے، (اور کہہ رہے ہوں گے) نکالو اپنی جانوں کو (دیکھو آج مرنے کے ساتھ ہی) تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں بکتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ (معارف القرآن ص ۳۹۳ ج ۳)

فائدہ! حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”الیوم تجزون عذاب الھون“ میں جس عذاب کا ذکر ہے۔ یہی اصطلاح شریعت میں عذاب قبر اور عذاب برزخ کہلاتا ہے۔ اگر مرنے کے بعد جسدی عذاب نہ ہو تو (معاذ اللہ) یہ کلام سچی نہ رہے گی اور جب یہ ارشاد حق ہے تو ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد عذاب ہوتا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۸۵ بحوالہ کتاب الروح ص ۹۳)

مذکورہ آیت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱...... "اذالظالمون" سے وہ ظالم مراد ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے اسی جسم کے ساتھ ظلم کیا ہے۔

۲...... فرشتے اسی جسم کی طرف ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور اسی جسم سے روح نکال رہے ہیں۔

۳...... اسی جسم اور روح کو خطاب کر کے کہہ رہے ہیں کہ آج سے ہی تم کو عذاب شروع ہو جائے گا۔ آج سے عذاب کا شروع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد دونوں کو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔

۴...... "عذاب الھون" کا نام حدیث میں عذاب قبر رکھا گیا ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان المیت لیعذب فی قبرہ" میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اور قبر میں یہی جسم ہوتا ہے۔ روح کا اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کو عذاب قبر کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۱۰۵)

آیت نمبر ۲...... "سنعذبھم مرتین ثم یردون الیٰ عذاب عظیم (التوبہ: ۱۰۱)" ہم عذاب دیں گے ان کو دو مرتبہ۔ پھر وہ لوٹائیں جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔

فائدہ! حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بڑے عذاب سے مراد جہنم کا عذاب ہے (جو قیامت کے بعد ہوگا) اور دو مرتبہ عذاب دینے سے مراد دو قسم کا عذاب ہے (۱) عذاب قبر۔ (۲) دنیا کا عذاب۔ یعنی مرنے سے پہلے کا عذاب جو منافقین کو دیا گیا تھا۔ ذلت اور رسوائی کا۔ (تفسیر عثانی ص ۲۶۸) تقریباً تمام مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ مرتین سے ایک دنیا کا عذاب مراد ہے اور دوسرا قبر کا عذاب مراد ہے اور ویسے بھی شریعت میں تین سزاؤں کا ذکر ہے۔ (۱) دنیا والی سزا جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، مرتد کا قتل کرنا، زانی کو رجم وغیرہ کرنا ہے۔ (۲) دوسری سزا جس کا شریعت میں ذکر ہے۔ وہ ہے قبر والی سزا، عالم برزخ والی سزا۔ (۳) تیسری سزا جس کا شریعت نے تذکرہ کیا۔ وہ ہے قیامت کے بعد کی سزا۔ جہنم میں ڈالنے والی سزا تو اب ابتداء میں یعنی دنیا میں عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور انتہاء یعنی آخرت میں بھی عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے تو قبر میں جو کہ درمیان میں ہے انصاف یہی ہے کہ راحت وعذاب روح اور جسم دونوں کو ہو نہ کہ صرف روح کو۔ تاکہ ابتداء، درمیان اور انتہاء برابر ہو جائیں۔ کسی ایک پر زیادتی نہ ہو۔ جیسے دنیا میں جسم و روح نے اکٹھے مزے کئے ہیں اور اکٹھے صبر ہے ہیں تو اب عقل مند انسان یہی کہے گا کہ تمام جگہوں میں اکٹھے ہوں۔ یعنی ابتداء وسط اور انتہاء میں۔

آیت نمبر ۳...... "وحاق بآل فرعون سوء العذاب ہ النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب (المومن: ۴۶)" لازم کر دیا آل فرعون کے ساتھ برا عذاب۔ وہ لوگ صبح وشام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا فرشتوں کو) کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔

فائدہ! حاق، یحیق کا معنی ہے نزل اور لزم۔ "سوء العذاب" سے مراد یہی قبر والا عذاب ہے اور "النار یعرضون... سوء العذاب" سے بدل ہے۔ "غدوا وعشیا" کا مطلب ہے کہ چوبیس گھنٹے ان پر یہی عذاب نازل ہو رہا ہے۔ کیونکہ جس انسان کا سارا دن ایک ہی کام ہو اسے عرف عام میں یوں ہی کہا جاتا ہے کہ صبح وشام تیرا یہی کام ہے۔ جب ابتداء دن اور انتہاء دن کا ذکر کر دیا تو درمیان خود بخود آ گیا۔ "ادخلوا آل فرعون" سے قیامت کے بعد والا عذاب مراد ہے کہ آل فرعون کو جہنم کے سخت عذاب میں داخل کر دو۔

خلاصہ یہ کہ "حاق" ماضی کا صیغہ ہے کہ عذاب لازم کر دیا جب لازم ہو گیا تو اب ختم ہونے کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ آل فرعون جسم اور روح کے ساتھ تھے صرف فرعونیوں کی روح کو آل فرعون نہیں کہا گیا۔ جیسے آل فرعون کا لفظ اسی آیت میں دوبارہ مذکور ہے۔ "آل فرعون اشد العذاب" اب جیسے قیامت میں آل فرعون جسم اور روح دونوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح بعینہ آل فرعون پر صبح وشام جو عذاب لازم کر دیا ہے۔ وہ بھی جسم اور روح دونوں کو ہے۔ نہ کہ ایک کو اور عقل سلیم بھی اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ جیسے "آل فرعون سوء العذاب" اور "آل فرعون اشدالعذاب" میں لفظ ایک طرح کے ہیں تو معنی بھی ایک طرح کا ہونا چاہیے کہ جیسے دوسرے آل فرعون سے مراد جسم اور روح دونوں ہیں۔ تو پہلے آل فرعون سے مراد بھی دونوں ہیں۔ اب اگر ایک ہی جیسے لفظ کے دو معنی کئے گئے کہ ایک میں جسم اور روح دونوں مراد ہیں اور ایک میں صرف روح مراد ہے۔ فقط یہ تحریف ہوگی جو جائز نہیں باطل ہے "النار یعرضون علیھا" یعرضون مضارع مجہول کا صیغہ ہے جس میں حال واستقبال والا زمانہ پایا جاتا ہے کہ فی الحال بھی عذاب دیا جا رہا ہے اور آئندہ بھی عذاب ہوتا رہے گا۔ جو عذاب فی الحال ہو رہا ہے۔ یہ قبر والا عذاب ہے۔ نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (بخاری ج ۱ ص ۱۸۵) اس آیت کو عذاب قبر کی دلیل قرار دیا ہے اور مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کو عذاب قبر پر دلیل بنایا ہے۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۸۵) اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ قبر میں، عذاب برزخ کے سلسلہ میں، اہل سنت والجماعت کے لئے ایک بڑا قاعدہ اور ضابطہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۱)

آیت نمبر ۴...... "مماخطیئٰتھم اغرقوا فادخلوا نارا فلم یجدوا لھم من دون اللّٰہ انصارا (نوح: ۲۵)" اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کئے گئے پس ڈال دیئے گئے آگ میں پھر نہ پایا انہوں نے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی مددگار۔

فائدہ! قوم نوح علیہ السلام کو غرق ہوتے ہی آگ میں داخل کر دیا گیا یعنی غرق ہوتے ہی فوت ہو گئے فوت ہوتے ہی آگ میں داخل ہو گئے، فوت ہونے کے فوراً بعد جو عذاب ہوتا ہے۔ اسی کا نام عذاب قبر ہے۔ اسی کا نام عالم برزخ ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر کا ثبوت قرآن میں موجود ہے اور کئی آیات اس عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے مخدوم حضرت مولانا نور محمد تونسوی نے تقریباً پچاس آیات سے عذاب قبر کو ثابت کیا ہے۔

آیت نمبر ۵...... "ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ (طٰہٰ: ۱۲۴)" جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

فائدہ! تمام مفسرین کرام نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "معیشۃ ضنکا" سے مراد قبر کی تنگی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اور حضرات علماء دیوبند بھی اسی تفسیر سے اتفاق رکھتے ہیں کہ اس آیت میں ضنکا سے مراد قبر کی تنگی ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کو عذاب قبر پر دلیل بنایا ہے۔ (تذکرۃ للقرطبی ص ۱۵۱)

عذاب وثواب قبر احادیث کی روشنی میں

قارئین کرام! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منکرین حیات نے یہ غلط افواہ پھیلا رکھی ہے کہ وہ

سماع موتی یعنی مردوں کے سننے کی قائل نہیں تھیں۔ جب مردوں کے سننے کی قائل نہیں تھیں تو معلوم ہوا کہ وہ قبر میں عذاب وثواب اور حیات کی بھی قائل نہیں تھیں۔ مردوں کے سننے کی قائل اماں جان تھیں یا نہیں؟ اس کی مکمل وضاحت تو آئے گی۔ سماع موتی کے مسئلہ میں لیکن سماع موتی کے مسئلہ کو آڑ بنا کر منکرین حیات کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ بہت بڑا بہتان، جھوٹ، دھوکہ اور فریب ہے کہ وہ عذاب وثواب وقبر اور حیات قبر کی قائل نہیں تھیں۔ سماع موتی کا مسئلہ ایک علیحدہ مستقل مسئلہ ہے۔ عذاب وثواب قبر کا مسئلہ ایک علیحدہ مستقل مسئلہ ہے۔ ایک مسئلہ کے انکار سے دوسرے مسئلہ کا انکار ثابت کرنا یہ گمراہی ہے۔ استدلال فاسد ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ سماع موتی کی قائل نہیں تو حیات موتی کی بھی قائل نہیں یہ دھوکہ ہے۔ چونکہ منکرین حیات اکثر و بیشتر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان کے عقائد خراب کرتے ہیں۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عذاب وثواب قبر، علم میت، فہم میت، جزا وسزا کی منکر تھیں۔ ان کے اس دھوکہ وفریب سے آگاہ کرنے کے لئے صرف ان احادیث کو پیش کیا جائے گا جن سے یہ ثابت ہوگا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عذاب وثواب، علم و فہم اور حیات میت کی قائل تھیں۔

حدیث نمبر ا...... ''عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: دخلت علی عجوزان من عجز یهود المدینة، فقالتا: ان اهل القبور یعذبون فی قبورهم، قالت فکذبتهما، ولم انعم ان اصدقهما، فخرجتا ودخل علیّ رسول الله ﷺ فقلت به یارسول الله ان عجوزین من عجز یهود المدینة دخلتا علیّ، فزعمتا ان اهل القبور یعذبون فی قبورهم، فقال: صدقتا انهم یعذبون عذابا تسمعه البهائم (مسلم ج ۱ ص ۲۱۷ مسند احمد ج ۷ ص ۶۸)'' (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس یہود مدینہ کی دو بوڑھی عورتیں آئیں اور انہوں نے کہا کہ قبروں میں قبر والوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔ میں نے ان کی بات کی تصدیق کرنا اچھا نہ سمجھا اور ان کو جھٹلا دیا۔ پس جب وہ چلی گئیں اور آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! یہود مدینہ کی دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئی تھیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ (کیا واقعتاً عذاب دیا جاتا ہے؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سچ کہتی ہیں۔ یقیناً قبر والوں کو قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے جسے جانور، چوپائے وغیرہ سنتے ہیں)

فائدہ! جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو عورتوں والا واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے ان عورتوں کی تصدیق فرمائی کہ واقعتاً بے شک قبروں میں عذاب ہوتا ہے اور جانور وغیرہ سنتے ہیں۔ اب آپ ﷺ کا تصدیق کرنا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سکوت اختیار کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی عذاب قبر کی قائل تھیں اور عذاب قبر بھی اس زمین والی قبروں میں ثابت ہے۔ کیونکہ انہی قبروں کا تذکرہ ہوا تھا نہ کہ علیین وسجین کا۔ لہٰذا منکرین حیات کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حیات وعذاب کی قائل نہیں تھیں۔ یہ دھوکہ ہے، بہتان ہے۔

حدیث نمبر ۲...... ''عن عمرة بنت عبدالرحمان رحمہا اللہ انها اخبرته انها سمعت عائشة زوج النبی ﷺ: قالت: انما مر النبی ﷺ علیٰ یهودیة یبکی علیها اهلها، فقال: انهم لیبکون علیها وانها لتعذب فی قبرها (بخاری ص ۱۷۲ ج ۱، ابوداؤد ص ۹۰ ج ۲)'' عمرہ بنت عبدالرحمان رحمہا اللہ کہتی ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا ایک یہودی عورت پر گزر ہوا۔ (جو قبر میں دفن ہو گیا تھی) اور اس کے رشتہ دار اس پر رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ یہودی اس پر رو رہے ہیں۔ حالانکہ اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

فائدہ! آپ ﷺ اسی زمین والی قبر پر سے گزرے جس میں جسم عنصری کو دفن کیا گیا تھا اور اسی مردہ لاش کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ اس کو عذاب قبر ہو رہا ہے۔ اگر کوئی منکر حیات یہ کہے کہ آپ ﷺ یہودی میت پر اس وقت گزرے تھے جس وقت ابھی میت کو دفن نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ وہ تو ابھی باہر پڑی تھی۔ پھر اسے عذاب قبر کیسے ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا صرف یہ بتانا اور اطلاع دینا مقصود ہے کہ میت کو عذاب قبر ہوتا ہے۔ اب وہ میت چاہے قبر میں ہو یا عالم برزخ میں ہو۔ اسے عذاب ہوتا ہے۔ یہی اہل سنت کا مسلک ہے کہ اس جسم عنصری کو عذاب ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۳...... ''عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال: یرسل علی الکافر حیتان، واحدة من قبل راسه، واخری من رجلیه تقرضانه قرضا کلما فرغتا عادتا الی یوم القیامة (مسند احمد ص ۲۱۹ ج ۷، ریاض السنن ص ۲۳۲ ج ۲)'' (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں کافر پر دو سانپ چھوڑے جاتے ہیں۔ ایک اسے سر سے کاٹنا شروع کرتا ہے اور دوسرا پاؤں سے پس جب وہ دونوں ایک دفعہ کاٹنے سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ تو دوبارہ کاٹنا شروع کر دیتے ہیں اور قیامت تک ایسا کرتے رہیں گے)

حدیث نمبر ۴...... ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اور روایت پہنچی۔ ''المیت یعذب فی قبرہ بما نیح علیه (بخاری ص ۱۷۲ ج ۱)'' (میت کو قبر میں لوگوں کے نوحہ اور رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا انکار فرمادیا اور فرمایا کہ میت پر رونے والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جاتا۔ بلکہ میت کو جو عذاب دیا جاتا ہے۔ وہ اس کے برے عملوں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے: ''ولا تزر وازرة وزر اخری'' تو دیکھو لوگو! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ عذاب برے عملوں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ اب بھی منکرین حیات وسماع اگر آپ ﷺ کا نام لے کر گمراہ کریں تو ان سے بڑا بد بخت کوئی نہیں ہو سکتا۔

حدیث نمبر ۵...... ''عن عائشه رضی اللہ عنہا قالت: کان رسول الله ﷺ: کلما کان لیلتها من رسول الله ﷺ یخرج آخر اللیل الی البقیع، فیقول: السلام علیکم دار قوم مؤمنین، واتاکم ما توعدون غدا مؤجلون، وانا انشاء الله بکم لاحقون، اللهم اغفر لاهل بقیع الغرقد۔ (صحیح ابن حبان ص ۷ ج ۷، مسلم ص ۳۱۳ ج ۱، مؤطأ امام مالک ص ۲۲۴)'' (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس رات آپ ﷺ کی باری میرے پاس رہنے کی ہوتی تھی تو آپ ﷺ رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع کے قبرستان تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے اے قوم مؤمنین کے گھر والے تم پر سلامتی ہو ہمارے اور تمہارے پاس کل قیامت کا وعدہ آنے والا ہے۔ جس کی ابھی ہمیں مہلت دی گئی ہے اور بے شک ہم آپ کے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! البقیع ال غرقد والوں کی مغفرت فرما)

فائدہ! آپ ﷺ کا قبرستان جانا اور پھر سلام اور دعا کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ اسی زمینی قبر میں جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق ہے۔ ورنہ معاذ اللہ! یہ کہنا لازم آئے گا کہ آپ ﷺ بے فائدہ کام کرنے جنت البقیع میں تشریف لئے جاتے تھے۔

حدیث نمبر ۶...... ''عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: لما مات النجاشی کنا نتحدث انه لا یزال یری علی قبرہ نور (ابوداؤد ص ۳۴۹ ج ۱)'' (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حبشہ کا بادشاہ نجاشی فوت ہوا تو وہاں (حبشہ) سے ہمیں یہ اطلاع ملتی رہی کہ ہمیشہ اس کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے)

فائدہ! اسی زمینی قبر میں حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو دفن کیا گیا تھا اور اسی قبر پر ہی نور کی بارش برستی تھی جس کا اتنا چرچا ہوا کہ حبشہ سے مدینہ منورہ تک خبر آ گئی اور اسی قبر میں جسم عنصری کو دفن کیا گیا تھا۔ اگر حیات نہ ہوتی اور روح کا تعلق نہ ہوتا تو نور کی کرنیں اور روشنی بھی دکھائی نہ دیتی۔ یہ نور کا برسنا حیات کی روشن دلیل ہے۔ دیکھنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ نور برس رہا ہے۔ نیز اس روایت کو بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے۔ ان کا بیان کرنا واضح دلیل ہے اس بات کی کہ وہ بھی اس کی قائل تھیں کہ واقعتاً نور برس رہا ہے اور بادشاہ کی قبر جنت کا باغ بنی ہوئی ہے۔

حدیث نمبر ۷...... ''عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول الله ﷺ: ما من رجل يزور قبر اخيه، ويجلس عنده، الا استأنس به، ورد عليه حتى يقوم (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۴ ج ۳، احکام القرآن ص ۱۷۸ ج ۳، کتاب الروح ص ۱۱، احیاء علوم الدین ص ۴۹۱ ج ۴، الحاوی للفتاوی ص ۱۷۰)'' (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو جب تک وہاں بیٹھا رہے وہ (قبر والا بھائی) اس سے انس حاصل کرتا رہتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کھڑا نہ ہو جائے)

فائدہ! میت کا انس حاصل کرنا، سلام کا جواب دینا، واضح دلیل ہے کہ میت کو قبر میں حیات اور علم وفہم حاصل ہوتا ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس روایت کو نقل کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ بھی سماع موتی کی قائل تھیں۔ حیات کی بھی قائل تھیں۔

حدیث نمبر ۸...... ''عذاب القبر حق فمن لم يؤمن به عذب (ابن منیع عن زید بن ارقم، جامع صغیر ص ۵۸ ج ۲)'' (حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبر کا عذاب حق ہے اور جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کو عذاب دیا جائے گا)

فائدہ! حدیث کا پہلا جملہ ''عذاب القبر حق'' صحاح ستہ میں بھی موجود ہے۔ اس حدیث سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو عذاب قبر نہیں مانتے ہیں۔

عذاب قبر سے انکار والے فتنہ کی پیشین گوئی

حدیث نمبر ۹...... ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سمعت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ وهو يقول: انه سيخرج قوم منا بعدكم، يكذبون بعذاب القبر، ويكذبون بالرحمٰن، ويكذبون بالدجال، ويكذبون بالحوض، ويكذبون بقوم يخرجون من النار (مصنف عبدالرزاق ص ۵۸۸ ج ۳، مسند احمد ص ۲۳ ج ۱)'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ فرما رہے تھے کہ عنقریب ایسی قوم نکلے گی جو عذاب قبر، رحمان (قدرت رحمن)، دجال، حوض اور گنہگار مسلمانوں کے جہنم سے نکلنے کا انکار کرے گے۔

فائدہ! حضرت مولانا نور محمد تونسوی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ گویا آپ ﷺ نے ہی پیشین گوئی فرمائی کہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو عذاب قبر، حوض، دجال وغیرہ کا انکار کریں گے جس کا کامل مصداق آج کے زمانہ میں یہی منکرین حیات وسماع لوگ ہیں۔ (قبر کی زندگی)

حدیث نمبر ۱۰...... "حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں "مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ قبرین فقال: انهما لیعذبان وما یعذبان من کبیر، ثم قال بلیٰ اما احدهما فکان یسعیٰ بالنمیمة،واما احدهما فکان لا یستتر من بوله، قال ثم اخذ عودا رطبا فکسره باثنین، ثم غرز کل واحد منهما علی قبر ثم قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسا (بخاری ص۱۸۴ ج۱،نسائی ص۲۲۵ ج۱)" (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزر ہوتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا (یعنی پیشاب کرتے وقت احتیاط نہیں کرتا تھا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی تازہ ٹہنی لے کر اس کے دو حصے کئے اور ہر ایک قبر پر ان کو گاڑھ دیا اور فرمایا کہ شاید جب تک خشک نہیں ہوتیں عذاب میں تخفیف رہے۔

ثواب وعذاب قبر اجماع امت کی روشنی میں

۱...... "واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان اللّٰه تعالی یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر ما یتألم ویتلذذ (شرح فقه اکبر ص ۱۰۱)" (اے اللہ کے بندے خوب جان لو کہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے، کہ اللہ تعالیٰ میت میں حیات کی ایک خاص قسم پیدا فرما دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ میت دکھ سکھ محسوس کرتی ہے)

۲...... علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعا باتفاق اهل السنة والجماعة (کتاب الروح ص ۷۲)" قبر کا عذاب وثواب جسم اور روح دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ اس پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

۳...... قاضی عضدالدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "احیاء الموتی فی قبورهم، ومسئلة منکر نکیر، وعذاب القبر للکافر والفاسق کلها حق عنه، واتفق علیه سلف الامة قبل ظهور الخلاف، واتفق علیه الاکثرون (شرح موافق ص ۱۷۲)" (میت کا قبروں میں زندہ کرنا اور منکر نکیر کا سوال اور عذاب قبر کافر وفاسق کے لئے برحق ہے۔ اختلاف ظاہر ہونے سے پہلے سلف امت کا اس پر اجماع رہا ہے اور اختلاف ظاہر ہونے کے بعد اکثر لوگ اسی عقیدہ پر ہیں)

۴...... علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "قد اجمع اهل الکشف علی ان المیت یحس بضغطة القبر، ویحس باختلاف اضلاعه ولو کان فی بطون السباع والطیور، او کان قد حرق وذری فی الریح فتحس کل ذرة بالالم ولو کانت متفرقة (مختصر تذکرہ قرطبی ص ۳۶)" (تمام اہل کشف حضرات کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ میت قبر کی تنگی اور پسلیوں کے ایک دوسرے میں گھسنے کو محسوس کرتی ہے۔ اگرچہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا اسے جلا کر ہوا میں بکھیر دیا جائے۔ میت کا ہر ذرہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ اس کے ذرات متفرق ہو چکے ہوں)

فائدہ! اہل کشف ان کامل اولیاء اللہ کو کہا جاتا ہے جو ولایت کے اس درجہ کو پہنچ جاتے ہیں کہ دنیا کی غیب کی چیزیں اکثر وبیشتر ان کے سامنے آ جاتی ہیں۔ بطور کرامت کے اور وہ ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ جن کا عام طور پر ہر انسان مشاہدہ نہیں کر سکتا تو ان کا اجماع ہے کہ واقعتاً قبر میں عذاب وثواب ہوتا ہے۔

۵...... حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن وسنت اور اجماع امت، کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام کا ذمہ دار گروہ عذاب قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے۔ حالانکہ وہ حضرات فقہاء کفر کے مسئلہ میں بڑی ہی احتیاط کرتے ہیں۔

۶...... علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وقد اجمع اهل السنة على اثبات حياة القبور. وقال امام الحرمين: وقد اتفق سلف الامة على اثبات عذاب القبر، واحياء الموتى فى قبورهم، ورد الارواح فى اجسادهم (شفاء السقام ص ۱۵۱)'' (اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے اور امام الحرمین نے لکھا ہے کہ سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے۔ مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور روحیں جسموں میں لوٹائی جاتی ہیں)

عذاب وثواب قبر علماء دیوبند کی نظر میں

۱...... علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وان عذاب القبر حق، وانه على الروح والجسم الذى فى اللحد (المنحته الوهبية ص ۳)'' (بے شک قبر کا عذاب حق ہے اور یہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ جس جسم کو لحد اور قبر میں دفن کیا جاتا ہے)

۲...... علامہ سید محمد آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''واختلف فى هذه الحيوة فذهب كثير من السلف الى انها حقيقة بالروح والجسد ولكنا لا ندركها فى هذه النشأة (روح المعانى ص ۱۷ ج ۲)'' (اور اس (جسم عنصری والی) حیات کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے اور بے شک بہت سے سلف صالحین اس طرف گئے ہیں کہ یہ حقیقتاً حیات ہے جو جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہے۔ لیکن ہم اس (دنیا والے) دور اور حالت میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے)

۳...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان کو عذاب یا راحت پہنچائیں جو انسان اس میں پھنس چکا ہوتا ہے۔ وہ تو ان فرشتوں کو دیکھتا ہے لیکن اہل دنیا ان کو نہیں دیکھ سکتے (جیسے حیات اگر کسی انسان کو پکڑ لیں اور اس کو مارنا شروع کر دیں تو صرف اسی کو نظر آتے ہیں جس کو پکڑتے ہیں۔ باقی کسی کو نظر نہیں آتے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۶ ج ۱)

۴...... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ارواح کا اپنے جسموں کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں یقیناً تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ مدت دراز تک وہ ارواح ان ابدان میں رہ چکی ہیں۔'' (فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۳۴)

۵...... علامہ صدرالدین علی بن محمد الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ''وكذالك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة (شرح العقيدة الطحاوية ص ۳۳۰)'' (عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے، یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا اتفاقی عقیدہ ہے)

۶...... امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب یہ جائز ہے کہ مؤمنوں کو قیامت کے دن سے پہلے قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور وہ قبروں میں راحت پاتے ہیں۔ تو یہ بھی جائز ہے کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ کیا جائے اور عذاب دیا جائے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۰۸)

۷...... حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ تسکین الصدور پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک تو میت کا ادراک والا ہونا اور احساس والا ہونا۔ اسی وجود کے ساتھ اور قبر میں زندہ ہونا امر مسلم ہے۔ کیونکہ عذاب وثواب قبر متواترات شرعیہ میں سے ہے۔ (تسکین الصدور ۳۰)

۸...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال العلما عذاب القبر حق . . . محله الروح والبدن جميعاً باتفاق اهل السنته۔ (شرح الصدور ص ۷۶) "علماء (حقہ) کا قول ہے کہ عذاب قبر کا محل روح اور بدن دونوں ہیں اسی طرح آرام بھی دونوں کو ملتا ہے۔ اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔

۹...... عذاب وثواب کے لئے میت کا ڈھانچہ شرط نہیں امام الفقہاء امام ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں: "كان الحق ان الميت المعذب فی قبره توضع فيه الحياة بقدر ما يحس بالالم، والبنية ليست بشرط عند اهل السنة حتى لوكان متفرق الاجزاء بحيث لا يتميز الاجزاء بل هي مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحياة فی تلک الاجزاء التی لا ياخذها البصر وان الله تعالىٰ علىٰ ذالک القدير (فتح القدير ص ۹۹ ج ۴) "(حق یہی ہے کہ جس میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ اس میں اس قدر حیاۃ رکھی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کا احساس کر سکے اور ڈھانچہ کا محفوظ رہنا (عذاب کے لئے) اہل سنت کے نزدیک کوئی شرط نہیں یہاں تک کہ اگر میت کے اجزاء بکھر جائیں اور مٹی میں رل مل جائیں اور اسے عذاب دیا جائے تو ان اجزاء میں (جو ریزہ ریزہ ہو گئے) جنہیں آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں حیات رکھی جاتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے)

فائدہ! نام نہاد توحیدیوں کے نزدیک تو سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے باقی سب انسانوں کے بدن قبر میں سڑ، گل جاتے ہیں، ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں، مٹی مٹی ہو جاتے ہیں۔ جب رہا ہی کچھ نہیں تو عذاب وثواب کس چیز کو ملتا ہے؟ اس پر مزید دلیل یہ قائم کر لیتے ہیں کہ جب انسان کو مٹی کھا گئی ہے تو اب حیات کس چیز میں ہے؟ روح کا تعلق کس کے ساتھ ہے؟ جب کہ اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے نزدیک عذاب وثواب کے لئے انسان کے ڈھانچہ کا باقی رہنا کوئی شرط نہیں۔ ڈھانچہ ہو یا نہ ہو، اس کے اجزاء اگرچہ مٹی مٹی ہو گئے، اسی مٹی کی صورت میں ہی یہ میت راحت وعذاب، دکھ وسکھ محسوس کر رہی ہے۔ اس انسان کا ڈھانچہ جہاں جس صورت میں ہو عذاب وثواب اللہ تعالیٰ نے دینا ہے۔ وہ علیم بھی ہے۔ قدیر بھی ہے۔ دے سکتا ہے عذاب وثواب نہ ہونے کا عقیدہ رکھنا یہ کونسی توحید ہے؟ کیا قدرت خداوندی کے انکار کا نام توحید ہے؟ یہ عقیدہ توحیدیوں کو مبارک۔

مؤذن، عالم باعمل، حافظ قرآن، شہید اور صالح آدمی کا جسم مٹی نہیں کھاتی

یوں تو عام مردوں جیسے کافر، فاسق وفاجر کے جسم کو مٹی کھا جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ آدمی کا ہر عضو سڑ گل جاتا ہے۔ مگر جو ہڈی ریڑھ کی ہوتی ہے وہ نہیں گلتی سڑتی قیامت کے دن اسی ہڈی سے تمام بدن ٹھیک کیا جائے گا اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روح سے اچھی اور پاکیزہ کوئی چیز نہیں بنائی۔ جب تک روح بدن میں رہتی ہے تو بدن تر وتازہ رہتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو نکال لیتے ہیں تو بدن سڑ گل جاتا ہے۔ یعنی عام مردوں کو تو مٹی کھا جاتی ہے۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے جسموں کا محفوظ ہونا تو آیات قرآنی سے بطور ارشارۃ النص کے ثابت

ہے کہ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو مٹی زندوں کو نہیں کھا سکتی اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور ان کے اجسام کا محفوظ ہونا یقینی ہے۔ اس کے علاوہ مؤذن، عالم باعمل، صالح مرد، حافظ قرآن کا بھی روایات میں آتا ہے کہ ان کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اذان کہے اللہ کے واسطے۔ یعنی کسی سے نفع کی امید نہ رکھے بلکہ محض ثواب کی نیت ہو تو وہ مثل اس شہید کے ہے جو خون میں تڑپتا ہو۔ مرنے کے بعد اس کا بدن محفوظ رہے گا۔ یعنی اس کے بدن کو زمین نہ کھائے گی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں مؤذن کی گردن سب سے بلند رہے گی اور قبر میں اس کا بدن محفوظ رہے گا اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ جب حافظ قرآن انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ اس کا گوشت نہ کھائے زمین کہتی ہے کہ اللہ میں اس کا کیسے گوشت کھا سکتی ہوں؟ یہ تو تیرا کلام پاک سینے میں رکھے ہوئے ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جس شخص نے کبھی گناہ نہیں کیا ہے۔ زمین اس کا گوشت نہیں کھا سکتی۔ (عذاب قبر سے بچو ص ۱۲۰)

یہ سب کچھ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ منکرین حیات وسماع جو لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ جسم گل سڑ جاتا ہے۔ حیات پھر کس میں ہو؟ روح کا تعلق پھر کس میں ہو؟ چلو جو سڑ گل گئے وہ تو خدا کے سپرد۔ لیکن جن کا جسم محفوظ ہے۔ ان کی حیات مان لیں۔

عذاب قبر کے منکر کا شرعی حکم

۱...... علامہ طاہر بن احمد الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جو شخص آپ ﷺ کی شفاعت کا منکر ہے اور کراما کاتبین کا اور قبر، کا اور رؤیت باری تعالیٰ کا تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں کیونکہ وہ کافر ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۴۹)

۲...... حافظ ابن ہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ... الخ'' اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب قبر اور کراما کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ یہ کام شرع سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ (فتح القدیر ج۱ ص ۲۴۷)

۳...... امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اے بھائیو! خوب جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب اور راحت کو اوجھل رکھتا ہے۔ کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ ملحد ہے۔ (بے دین ہے) (مختصر تذکرۃ القرطبی لعبدالوہاب اشعرانی ص ۳۶)

۴...... علامہ ابوشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر مومنوں کے لئے جائز اور کافروں کے لئے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا'' یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ عذاب قبر صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو جو اس کا منکر ہو۔ سو وہ کافر ہے۔ (تمہید ص ۱۲۵)

۵...... مولانا عبدالعلی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اہل کبائر کے لئے شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ، عذاب قبر اور کراما کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے۔

۶...... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مردوں کے ادراک وشعور کا انکار کرتا ہے۔اگر (تاویل کی وجہ سے) کافر نہ ہو تو اس کے ملحد (بے دین) ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

(فتاوی عزیزیہ ج ۱ ص ۹۳)

۷...... حضرت مولانا علی محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ راحت وعذاب قبر، روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے، ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔جب کہ معتزلہ وروافض کا عقیدہ ہے کہ راحت وعذاب صرف روح پر ہے۔ (الجواب الصحیح علی محمد عفی عنہ مہتمم دارالعلوم عیدگاہ کبیروالا ۵ / ذوالقعدہ ۱۳۹۸ھ)

۸...... قبر میں راحت وعذاب اور سوال وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔کیونکہ جب میت میں حیات ہی نہیں ہوتی تو پھر یہ امور جو حیات پر متفرع ہیں۔کیونکر ثابت ہوسکتے ہیں۔یہ مسلک ملاحدہ، خوارج، بعض معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ کا ہے۔

(تسکین الصدور ص ۴)

عذاب وثواب قبر واقعات کی روشنی میں

قارئین کرام! اب ان واقعات کو ذکر کیا جاتا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعتاً اسی جسم عنصری کو عذاب وثواب راحت وآرام دکھ وسکھ ہوتا ہے اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ مؤمن کی قبر ۷۰ گز طول اور ۷۰ گز عرض میں کشادہ کی جاتی ہے اور اس میں جنت کے بستر لگائے جاتے ہیں اور کافروں کی قبر جب کہ کافر قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر تنگ ہو کر آپس میں مل جاتی ہے۔یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں اور پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں۔ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔اژدہے، سانپ اور بچھو قبر میں چھوڑے جاتے ہیں وغیرہ یہ سب کچھ آپ حضرات واقعات سے کی روشنی سمجھیں۔تاکہ ایمان بالغیب کی صفت میں ایمان کی زیادتی ہو اور ایمان بالغیب کے ساتھ ساتھ ایمان بالعین بھی حاصل ہو جائے، جو واقعات آپ حضرات پڑھ آئے ہیں۔وہ بھی عذاب وثواب پر دلالت کرتے ہیں۔آنے والے واقعات مزید دلالت کریں گے۔

واقعہ نمبر ۱...... قبر کا کشادہ ہونا "بصرہ" جو عراق کا مشہور شہر ہے۔وہاں کا واقعہ ہے کہ ایک بزرگ تھے اور ان کا ایک نوجوان بھتیجا نالائق تھا۔گانے والی عورتوں کی محفلوں میں آتا جاتا تھا۔یہ بزرگ اپنے اس بھتیجے کو نصیحت کرتے تھے۔مگر وہ مانتا نہیں تھا۔اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔اس بزرگ نے اس کی لاش کو قبر میں رکھا۔تختہ برابر کر کے مٹی ڈالنے لگے۔کسی بات میں ان کو شک ہوا۔دوبارہ قبر کی ایک اینٹ کھول لی۔دیکھا تو کیا دیکھا؟ سبحان اللہ! اس کی قبر بصرہ کی عیدگاہ سے بھی بہت زیادہ کشادہ ہے اور وہ نوجوان اس میں بیٹھا ہوا ہے۔اس بزرگ نے فوراً مٹی برابر کر دی اور قبر بند کر کے اس کی بیوی کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا؟ کہ اس کا کونسا عمل ایسا تھا کہ وہ قبر میں تو مزے اڑا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب وہ اذان میں یہ کلمات سنتا "اشھدان لا الہ الا اللہ" اور "اشھد ان محمداً رسول اللہ" تو کہتا تھا کہ اے مؤذن جس بات کی تو گواہی دیتا ہے۔ہم بھی اسی بات کی گواہی دیتے ہیں اور جو آدمی اذان کی آواز نہیں سنتا۔ہم اس کو بھی گواہی سکھا دیتے ہیں۔حضرت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں احنف کے جنازہ میں شریک ہوا اور اس کو قبر میں اتارنے کے لئے میں بھی قبر میں اترا۔جب تختہ برابر کرنے لگا تو جہاں تک میری نگاہ جاتی تھی قبر کو کشادہ دیکھتا تھا۔ (عذاب قبر سے بچو ص ۹۲ بحوالہ ذکرالموت ابن ابی الدنیا)

قبر کا ٹیڑھا ہونا

واقعہ نمبر ۲......۲۷ جمادی الاوّل ۱۴۱۱ھ میں ایک پولیس افسر کا جنازہ قبرستان میں لایا گیا۔ جب اسے قبر میں اتارا جانے لگا تو اس کی قبر یکا یک ٹیڑھی ہوگئی۔ پہلے تو لوگوں نے قبر کھودنے والوں کا قصور بنایا۔ پھر دوسری جگہ قبر کھودنے پر لگادیا۔ (اب سب وہاں موجود لوگ دیکھ رہے ہیں کہ قبر صحیح صحیح کھودی جارہی ہے) جب جنازہ دوسری قبر میں اتارنے لگے تو قبر پھر ٹیڑھی ہوگئی۔ مل گئی۔ اب لوگوں میں خوف و ہراس پھیلنے لگا کہ یہ کیا ہمارے ساتھ ہونے لگ گیا ہے؟ دوسری قبر کو بھی چھوڑ کر اب تیسری قبر بنانا شروع کردی۔ بناتے رہے۔ بناتے بناتے خوب کشادہ کی۔ جتنی کر سکتے تھے۔ تیسری دفعہ پھر وہ جنازہ اتارنے لگے تو قبر پھر مل گئی اور پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہوگئی اور ٹیڑھی ہوگئی۔ آخر لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی خدائی عذاب ہے کہ قبر اسے جگہ نہیں دے رہی۔ اب سب نے مل کر دعاء وقرآن تلاوت استغفار، کلمہ وذکر وغیرہ شروع کردیا اور پانچویں دفعہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ رات بھی ہونے کو ہے۔ بستی اور شہر والے دوڑے دوڑے آرہے ہیں کوئی اور مصیبت نہ نازل ہوجائے۔ جلدی سے جیسے بھی ہو دفن کر کے جان چھوڑاؤ۔ جب پانچویں دفعہ قبر میں اتارنے لگے تو وہ قبر پھر اسی طرح ہوگئی۔ اب لوگوں نے باوجود ٹیڑھا ہونے کے زبردستی اس کو ڈالنے کی کوشش کی۔ جیسے ہی آدھا یا کچھ حصہ اس کے جسم کا قبر میں اترا تو فوراً اوپر مٹی ڈال دی اور توبہ استغفار کرتے ہوئے گھروں کو لوٹے۔ اس میت کے رشتہ داروں سے پوچھا کہ کونسا ایسا عمل کرتا تھا جس کی وجہ سے دوسروں کو عذاب بھگتنا پڑا؟ انہوں نے بتایا کہ جو تمہاری پولیس یا افیسر کام کرتے ہیں سارا دن وہ بھی وہی کرتا تھا۔ یعنی رشوت وغیرہ لیتا تھا۔ (اللہ تعالیٰ معاف فرمائے) (ناقابل یقین سچے واقعات ص ۱۳۲)

عمل کے اعتبار سے قبر کا کشادہ ہونا

واقعہ نمبر ۳......حضرت عمرو بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک شخص قبر کھودنے والا اپنی زندگی کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ تین مردوں کے لئے لگاتار قبریں کھودنی پڑگئیں۔ میں دو قبروں کو کھود کر تیسری قبر تیار رہا تھا کہ مجھے اچانک شدید گرمی محسوس ہونے لگی۔ میں نے قبر پر کمبل چادر وغیرہ بطور سائے کے ڈال دی اور خود اسی سایہ میں بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی میں نے بڑا عجیب وغریب منظر دیکھا کہ دو شخص بڑے بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ جو میں نے پہلی قبر کھودی تھی اس پر کھڑے ہوگئے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ لکھو۔ دوسرے نے کہا کہ کیا لکھوں؟ پہلے نے کہا کہ ایک فرسخ طول، اور ایک فرسخ عرض (یعنی اتنی قبر کشادہ ہوگی جو اس قبر میں میت آئے گی) پھر یہ دونوں شخص دوسری بنی ہوئی قبر پر پہنچ گئے، ایک نے کہا دوسرے سے کہا کہ لکھ دوسرے نے کہا کہ کیا لکھوں؟ اس نے کہا حد بصر۔ یعنی تا حد نگاہ۔ پھر تیسری قبر کے پاس آئے۔ میں بھی اسی کے اندر سائے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک نے دوسرے کو کہا کہ لکھ۔ دوسرے نے کہا کہ کیا لکھوں؟ پہلے نے بتایا کہ شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان کا فاصلہ۔ یہ لکھ کر وہ شہسوار چلے گئے۔ میں نے جب یہ ساری باتیں سنیں تو انتظار کرنے لگا کہ جنازے آئیں اور میں دیکھوں تو صحیح کہ کونسا جنازہ کس قبر میں رکھا جاتا ہے؟ چنانچہ ایک جنازہ آیا۔ اس کے ساتھ لوگ بہت کم تھے۔ تھوڑے سے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کی میت ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک غریب آدمی ہے جس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ہم نے اس کی تجہیز وتکفین کی ہے۔ میں نے یہ سن کر قبر کھودنے کی مزدوری نہ لی

اور واپس کردی کہ اس کے گھر والوں پر خرچ کر دینا پھر اسے قبر میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا جنازہ آیا۔ اس جنازے کے ساتھ صرف چارپائی اٹھانے والے آدمی تھے اور بس یعنی صرف چار آدمی یہ جنازہ اس قبر کے پاس لایا گیا جس کے بارے میں دونوں سواروں نے تاحد نگاہ لکھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کس کا جنازہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ایک مسافر غریب آدمی کا ہے۔ نہایت بیکسی میں ایک گھوڑے پر مرا پڑا تھا۔ یعنی گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جارہا ہوگا اور موت آگئی ہوگی۔ میں نے اس کی قبر کھودنے کی مزدوری بھی نہ لی۔ پھر اسے بھی دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد تیسرا جنازہ آیا۔ کسی ملک صاحب، رانا صاحب کی بیوی کا۔ آیا بھی عشاء کے بعد۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مشہور فلاں خاندان کی معتبر عورت کا جنازہ ہے۔ اس جنازہ میں کافی رش تھا۔ یہ عورت اس تیسری قبر میں دفن کر دی گئی جس کے بارے میں دونوں سواروں نے یہ کہا تھا کہ دو انگلیوں کے فاصلے کے برابر اس کی قبر کشادہ کر دی جائے گی۔ (کتاب الدیباج شرح الصدور)

واقعہ نمبر ۴...... ڈاکٹر نور محمد مدظلہ فرماتے ہیں کہ احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور میں ایک نیک خاتون مدرسہ کی مہتمم تھی۔ اس بیچاری کو لاعلاج مرض لاحق ہوگیا۔ میرے پاس بہاول پور، وکٹوریہ ہسپتال میں داخل ہوئی اور وہیں وفات پاگئی۔ ان کے علاج وغیرہ پر جو خرچ ہوا۔ وہ میرے سسر پروفیسر حاجی صاحب جو کراچی میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے برداشت کیا۔ بڑے نیک آدمی تھے۔ جب حاجی صاحب کو کراچی میں اطلاع ہوئی کہ وہ عورت فوت ہوگئی ہے تو وہ تشریف لائے اور سیدھا اس بی بی کی قبر پر گئے۔ واپس آ کر سب سے پہلے مجھے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیک خاتون کی قبر میں اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائی ہیں۔ اگلے دن حاجی صاحب پھر قبرستان تشریف لے گئے۔ واپس لوٹے تو بہت غمگین تھے۔ تین دن کھانا پینا چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے کمزور ہو گئے۔ مجھے (نور محمد کو) وہاں لے جایا گیا۔ میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ حاجی صاحب مسجد میں پڑے ہوئے ہیں اور آہستہ آہستہ اللہ سے استغفار اور آہ وزاری کر رہے ہیں آواز میں اتنا درد وسوز تھا کہ پاس بیٹھنے والے پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ میں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ میرے بار بار اصرار اور پوچھنے پر انہوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ التفسیر احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کشف قبور کا (یعنی قبر میں کیا ہو رہا ہے) وظیفہ بتایا تھا۔ میں نے پہلے دن اسے پڑھا تو اس نیک خاتون کی قبر سے نہایت اچھی خبر ملی۔ بڑے اچھی حالت میں تھیں۔ دوسرے دن وہی وظیفہ دوسری ساتھ والی قبروں پر پڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب قبریں آگ سے بھری پڑی ہیں اور مردے آگ میں تڑپ رہے ہیں۔ کسی قبر میں آگ کم ہے، کسی میں زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ پورے قبرستان میں صرف تین قبریں اس آگ سے محفوظ نظر آئی ہیں؟ حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ میں یہ منظر دیکھ کر روؤں نہ تو اور کیا کروں؟ اب اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے عذاب کے ہلکا ہونے کی دعا کر رہا ہوں۔ ایسا دردناک عذاب ہے کہ اگر آپ دیکھ لیں تو ذہنی توازن کھو بیٹھیں اور پاگل ہو جائیں یا دہشت اور خوف سے مرجائیں۔ (قبر کی زندگی، پروفیسر ڈاکٹر نور محمد نشتر کالج ملتان)

ہر مردہ گل سڑ نہیں جاتا

واقعہ نمبر ۵...... گاؤں فتح گڑھ میں مسجد کے قریب ایک اللہ والے کی مزار کی نئی تعمیر لوگوں نے شروع کی تو اچانک توڑ پھوڑ کے نتیجے میں قبر کی شمال والی جانب کی دیوار کی کئی اینٹیں گر گئیں اور قبر میں دفن اللہ تعالیٰ کے نیک

بندے کی نعش مبارک اپنی اصلی حالت میں نظر آئی۔ یہ نعش لکڑی کے ایک صندوق میں رکھی گئی تھی۔ لکڑی کے صندوق کو مٹی اور دیمک کھا چکی تھی۔ لیکن پیر صاحب کی نعش صحیح وسلامت تر وتازہ تھی جس کو دفن ہوئے تقریباً ستاون سال ہو چکے تھے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس ص ۳۱۸)

قبر کا بے حد وسیع وکشادہ ہونا

واقعہ نمبر ۶......ڈاکٹر نور محمد مدظلہ اپنا کانوں سنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء میں، میں ایم، بی، بی، ایس، کے دوسرے سال میں تعلیم حاصل کر رہا تھا ہمیں ''تشریح البدن'' (اناٹومی) کا مضمون پڑھنے کے لئے انسانی ہڈیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ کالج ابھی نیا نیا بنا تھا۔ انسانی ہڈیوں کا ذخیرہ کالج میں بہت محدود تھا۔ چنانچہ میرے ساتھیوں نے نشتر کالج کے ساتھ والے قبرستان (جو قلعہ والا قبرستان مشہور تھا) کی طرف رجوع کیا۔ قبرستان کے مجاور سے جا کر بات کی۔ کچھ بحث ومباحثہ کے بعد وہ مجاور بائیس روپے میں پورا انسانی ڈھانچہ دینے پر تیار ہو گیا۔ ہمارے ساتھی رات کو بوری اور پیسے لے جاتے مجاور کو دے آتے۔ اگلے دن ان کو پورا انسانی ڈھانچہ مل جاتا۔ مجاور کا کاروبار چلتا رہا۔ ہمارا کام بنتا رہا۔ کچھ عرصے کے بعد مجھے انسانی کھوپڑی کی ضرورت پیش آئی۔ میں بھی قبرستان گیا اور مجاور کو پیسے دکھلائے اور کھوپڑی کا مطالبہ کیا۔ یہ مجاور مسجد میں بیٹھا تھا۔ اب تو بات سننا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ میری کوشش اور اصرار نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ کوئی عذر بتلائے کہ بات کیوں نہیں سنتا؟ انسانی ہڈی دینے سے اب کیوں انکار کر رہا ہے۔ جب کہ پہلے دیتا رہا۔ اب اس نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب چند دن پہلے جب میں نے ایک قبر کھولی تو قبر سے آگ کا ایک شعلہ نکلا جس نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ میں آگے آگے بھاگتا رہا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے۔ میں پوری تیزی کے ساتھ جان بچانے کے لئے جلدی جلدی مسجد میں داخل ہو گیا تو پھر وہ آگ کا شعلہ واپس قبر میں چلا گیا۔ اس لئے میں (مجاور) نے پکی توبہ کر لی ہے کہ آئندہ کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کوئی اور واقعہ اس قسم کا آپ کے ساتھ پیش آیا ہو تو وہ بھی بتاؤ؟ تو اس مجاور نے بتایا کہ پیسوں کی لالچ میں جب میں قبریں کھول کر ڈھانچہ بیچتا تھا تو ایک دن ایسا ہوا کہ ایک قبر کھولی تو میں نے بڑا عجیب منظر دیکھا کہ وہ قبر بے حد کشادہ اور وسیع ہے خوشبو سے مہک رہی ہے اور اس میں ایک بزرگ بیٹھے تلاوت کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے فوراً قبر کو بند کر دیا۔ (قبر کی زندگی ڈاکٹر نور محمد نشتر کالج ملتان ص ۱۰)

قبروں کا کھل جانا

واقعہ نمبر ۷......حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ ان بزرگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ! قبر والوں کے حالات ہم پر ظاہر کر دے۔ چنانچہ ایک رات ان کے لئے ایک قبرستان کی قبریں کھول دی گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ بعض مردے سندس پر بعض حریر پر بعض دیباج پر اور بعض ریحان پر اور بعض تختوں پر آرام فرما رہے ہیں اور کچھ مردے رو رہے ہیں اور بعض صرف ہنس رہے ہیں۔ ان بزرگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! یہ تمام مردے اگر تو چاہتا تو برابر کے مرتبے کے ہوتے۔ یہ سن کر ایک قبر سے آواز آئی۔ اے شخص! یہ مرتبے کم زیادہ جو نظر آ رہے ہیں۔ یہ سب اعمال کے اعتبار سے ہیں۔ سندس پر سونے والے اچھے اخلاق رکھتے تھے۔ حریر ودیباج پر سونے والے شہید ہیں۔ ریحان پر سونے والے روزہ

دار ہیں۔ تختوں پر سونے والے اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے ہیں۔ رونے والے بیچارے گنہگار ہیں۔ ہنسنے والے گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں۔ (روض الریاحین)

واقعہ نمبر ۸...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں مقام بدر کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک شخص ایک قبر سے نکلا جس کے گلے (گردن) میں زنجیر تھی۔ اس نے مجھے پکار کر کہا کہ اے عبداللہ! مجھے پانی پلا دو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اسے میرا نام آتا تھا اس نے مجھے پہچان کر آواز دی ہے یا عرب کے دستور کے مطابق اسے عبداللہ (یعنی اللہ کا بندہ) کہہ کر پکارا ہے۔ کیونکہ اہل عرب کی عادت ہے جس کا نام معلوم نہ ہو اسے عبداللہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ اتنے میں ایک اور شخص اسی قبر سے اس کے پیچھے نکلا جس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا۔ اس نے مجھے پکار کر کہا کہ اس کو پانی نہ پلانا۔ یہ کافر ہے۔ پس وہ پہلے شخص کو کوڑے مار مار کر قبر کی طرف واپس لے گیا۔ میں جلدی سے (خوف کی وجہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور سارا واقعہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے واقعی اس کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں یارسول اللہ واقعی میں نے دیکھا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابوجہل تھا اور قیامت تک اس کی یہی سزا رہے گی۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۷)

واقعہ نمبر ۹...... حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جب بوڑھے ہو گئے تو اکثر اٹھتے بیٹھتے فرماتے تھے کہ بھائیو! اب تو جوانی ختم ہو گئی۔ اب تو صرف جوانی جنت میں ہی ملے گی۔ انشاء اللہ! جوان ہو کر ہی جنت میں جائیں گے۔ جب ان کی وفات مبارک ہوئی تو سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ حضرت جو بوڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے، صرف ہڈیاں باقی تھیں۔ اب مرنے کے فوراً بعد سارا جسم جوانوں جیسا قوت والا ہو گیا۔ داڑھی جو سفید تھی وہ اب سیاہ ہو چکی ہے۔ ایسے لگتا تھا جیسے تیس پینتیس سال کا جوان اچھے خاصے جسم والا ہوتا ہے۔ وہ اس کمزوری کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جوانی فوت ہوتے ہی عطاء کر دی تھی۔ (مجالس حکیم العصر ص ۱۲۲)

مسئلہ سماع موتیٰ (مردوں کا سننا)...... تیرھواں اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ عام مردوں کے سننے کے بارے میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی قبر کے قریب جا کر سلام کرے تو مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ اگر پہلے سے جان پہچان ہے تو مردہ آواز سے اس شخص کو پہچان بھی لیتا ہے کہ کون آیا ہے اور اس کے آنے سے وہ خوشی بھی محسوس کرتا ہے۔ اگر بلند آواز سے تلاوت کی جائے تو تلاوت کو بھی سنتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سماع فی الجملہ ثابت ہے اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ابن کثیر کے مطابق سلف صالحین کا اسی سننے والے مسئلہ پر یعنی سماع فی الجملہ پر اجماع ہے اور تواتر سے ثابت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۴)

منکرین حیات کا عقیدہ

منکرین کا عقیدہ تمام مردوں کے بارے میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص قبر کے قریب آ کر سلام و کلام وغیرہ کرتا ہے تو مردہ کچھ بھی نہیں سنتا۔ کیونکہ جب روح کا اس قبر میں رکھے ہوئے جسم سے تعلق نہیں تو یہ کیسے سن سکتا ہے؟

اور جو شخص مردوں کے سننے کا قائل ہے وہ مشرک ہے۔ قرآن کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ جب سنتا ہی نہیں تو جواب دینا یا اسے پہچان لینا یا خوش ہونا۔ یہ سب سننے پر موقوف ہیں۔ جب سننا ثابت نہیں تو یہ چیزیں بطریق اولیٰ ثابت نہیں۔

منکرین کے عقائد ان کی کتب سے

۱...... سماع مافوق الاسباب عند القبر کا نظریہ شرک ہے۔ قانون یہ ہے کہ آپ ﷺ عند القبر نہیں سنتے۔ (القول المسند مولوی عبدالکریم ص ۹)

۲...... قائلین حیات و سماع عند القبر "یحملون کمثل الحمار" کا مصداق ہیں۔ یعنی حیات کے قائلین گدھے کی طرح کتابوں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ (حوالہ ایضاً)

۳...... سماع انبیاء زیادہ ہی مستبعد ہے۔ یعنی عقل میں آنے والا نہیں، جب انبیاء کا سماع مستبعد ہے تو باقیوں کا بطریق اولیٰ۔ (مسلک الاکابر ص ۳۱)

۴...... سماع موتی شرک و کفر ہے اور شرک کا ذریعہ ہے۔ قائلین سماع مشرک، کافر، ملحدین ہیں۔ (یعنی بے ایمان ہیں) (شفاء الصدور ص ۱۰۷، کیا مردے سنتے ہیں؟ ص ۴۹)

۵...... سماع موتی کا عقیدہ قرآن کریم کے خلاف اور صریح شرک ہے۔

(رسالہ نغمہ توحیدی ۱۵ ۱۴۱۴ھ ذوالحجہ رجوع الی الحق ۱۶)

۶...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں مردوں کے سننے کا انکار کرنا ہوگا اور اسی طرح حنفی بننے کے لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں سماع موتی کا انکار کرنا ہوگا، یعنی مردوں کے سننے کا قائل نہ تو ملت ابراہیمی پر ہے اور نہ ہی حنفی ہے۔ ملت ابراہیمی اور حنفیت میں داخل ہونے کے لئے فوت شدہ کے سننے کا اور دیکھنے کا انکار ضروری ہے۔ جس کا عقیدہ ہے کہ مردہ دیکھتا ہے اور سنتا ہے تو مندرجہ بالا بیان کے مطابق ایسا شخص نہ تو ملت ابراہیمی کا متبع ہے اور نہ ہی ایسا شخص حنفی ہے۔ (عقیدۃ الامت ص ۱۳۷، ۱۳۸)

۷...... عدم سماع موتی پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا۔ (ندائے حق ص ۱۵۱)

۸...... عدم سماع موتی دراصل معتزلہ میں سے ایک فرقہ صالحہ کا مذہب ہے۔ (ندائے حق)

۹...... علماء سوء بھی ان کو تعلیم دیتے ہیں کہ (مردے) اگرچہ دور سے نہیں سنتے تو قبر کے اوپر جا کر اگر پکارا جائے اور سفارش کروائی جائے اور درخواستیں بھیجی جائیں تو مردے سنتے اور جانتے ہیں۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، اللہ! ایسے غلط عقائد اور شرکیہ خیالات اور بدعیہ حرکات و سکنات سے بچائے۔ (شفاء الصدور ص ۱۰۶)

۱۰...... قبر پرستی اور فوت شدہ بزرگوں کی پوجا پاٹ کی بنیاد اور شرک کا چور دروازہ مردوں کے سننے کا عقیدہ ہے۔

(کیا مردے سنتے ہیں ص ۱۰)

۱۱...... باب پنجم ملحدین و مبتدعین سماع موتی۔ (یہ عنوان قابل مطالعہ ہے دیکھئے شفاء الصدور ص ۱۰۷)

خلاصہ! منکرین حیات و سماع کے گیارہ اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مردے کے سننے کا قائل ہے اور یہ کہتا ہے کہ مردے سنتے ہیں وہ شخص (۱) بے ایمان ہے۔ (۲) بدعتی ہے (۳) مشرک ہے۔ (۴) علماء سوء یعنی برے عالموں میں شامل ہے۔ (۵) معتزلی ہے۔ (۶) صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کا منکر ہے۔ (اور جو اجماع کا منکر ہو وہ کافر

ہے)(۷)ملت ابراہیمی میں داخل ہی نہیں ہے۔(یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین جو آپ ﷺ کی شریعت ہے۔ اس میں داخل نہیں ہے)(۸)ایسا شخص حنفی نہیں ہے۔(۹)قرآن کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔(۱۰)عقل سے ماوراء عقیدہ رکھتا ہے۔(یعنی پاگلوں والا عقیدہ رکھتا ہے)(۱۱)ایسا عقیدہ رکھنے والا گدھے کی طرح بوجھ اٹھانے والا ہے۔ یہ صرف گیارہ اقوال ان حضرات کے نقل کئے ہیں۔جو اپنے آپ کو توحید وسنت کے علمبردار کہلاتے ہیں انہوں نے گیارہ اقوال میں جو فتوے لگائے ہیں اور توحید وسنت اس طرز پر پھیلایا ہے آپ نے انہیں ملاحظہ فرمالیا ہے۔

گہر جو دل میں پنہاں ہیں خدا دے تو کھلیں   اسی کے پاس ہے چابی اس خزانے کی

اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائے۔آمین!

منکرین حیات وسماع کے اکابرین کا عقیدہ

اب آپ حضرات ان منکرین کے اکابرین کی بھی عبارات ملاحظہ فرمائیں۔تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ کس حد تک اصاغرین منکرین اپنے بڑے حضرات کی بات پر اعتماد کرتے ہیں اور کتنی موافقت رکھتے ہیں۔

۱...... ''سماع سلام عند القبر'' ہم (یعنی منکرین لوگ) تسلیم کرتے ہیں۔ (مسالک العلماء ص ۲۲۴)

۲...... مزار اقدس کے پاس سلام باعث دعا اور جواب ہوتا ہے۔ (مسالک العلماء ص ۲۲۵)

۳...... حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیری سے سوال کیا گیا کہ جو لوگ سماع موتی کے قائل ہیں۔ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں سماع موتی کے قائلین کو کافر تو درکنار گمراہ بھی نہیں کہتا۔

(ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی ۱۹۸۴ء)

۴...... سلام عند قبر النبی ﷺ ہزار سعادت ہے۔ (مسالک العلماء ص ۲۴۷)

۵...... فی الجملہ مردہ سنتا ہے کسی نہ کسی کی کلام کو......لیکن دنیا والوں کے کلام وسلام سننے کا قانون تو نہیں صرف اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس فوت شدہ ہستی کو دنیا والوں کا کلام وسلام سنانا چاہے تو سنا دیتا ہے۔اس صورت کا امت میں کوئی انکار نہیں کرتا۔ (اعلان حق مفتی امیر عبد اللہ نوجوانان توحید وسنت ڈیرہ اسماعیل خان ص ۲۱)

۶...... کئی اکابر نے تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم السلام کا سماع بلا شبہ ثابت ہے۔خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام تو بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔(ملفظہ)

(مفتی عبد الرشید دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی، الجواب صحیح لاشیٔ غلام اللہ خان ۲۷ رصفر ۱۳۷۹ھ)

۷...... حضرت مولانا غلام اللہ خان فرماتے ہیں کہ کتب فقہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آپ ﷺ درود وسلام سنتے ہیں۔سلف اہل سنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ایسے عقیدے والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے۔العیاذ باللہ! اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ فرمائے اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

(ہذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب عبد الرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی، الجواب صحیح لاشیٔ غلام اللہ ۲۲ رصفر ۱۳۹۶)

<u>نوٹ</u>: یہ فتویٰ پہلے فتوے سے تقریباً سترہ سال بعد کا ہے۔پہلا فتویٰ ۱۳۷۹ھ کا ہے دوسرا فتویٰ ۱۳۹۶ھ کا ہے۔

۸...... حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ پر تائیدی دستخط، عبارت کا متن، وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ احقر محمد طیب (بمقام راولپنڈی) نور محمد قلعہ دیدار سنگھ۔

محمد علی جالندھری، لاشیٔ غلام اللہ خان ۱۸ رمحرم ۱۳۸۲ھ از تعلیم القرآن ماہ اگست ۱۹۶۲ء

اس فیصلہ پر دستخط کرنے والے حضرات میں سے حضرت مولانا نور محمد قلعہ دیدار سنگھ ہیں۔ جو اشاعت التوحید والسنۃ کے صدر اور امیر تھے۔ ان کے بعد ان کی جگہ امیر بنایا گیا تھا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کو، جب سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کو امیر بنانے کے لئے علماء کو دعوت دی گی تو تقریباً ۸۴ علماء کرام اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ جو سب کے سب جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے اہم کارکن تھے۔ اس اجتماع میں حیات النبی ﷺ کے فیصلہ کی (جو قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا) بات چلی تو یہ عنوان لگا کر اس فیصلہ کی تصدیق وتوثیق کی گئی جس کو سب حضرات نے منظور کیا۔ وہ یہ ہے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا یہ اجتماع اس بات کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی تمام جماعت کو اس کی پابندی کرنے کی درخواست کرتا ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند کی تجویز کردہ عبارت پر فریقین کے درمیان جو صلح ہوئی ہے اسے قائم رکھا جائے اور اسے ہرگز توڑا نہ جائے (مگر یہ کہ فریق ثانی (یعنی قائلین حیات) صلح کے خلاف کسی قسم کا اقدام نہ کرے) جب ۸۴ علماء کرام بمع سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کے حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلے کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اس میں صلوٰۃ وسلام سننے کی وضاحت ہے تو گویا سماع کے مسئلہ پر اتفاق ہوگیا کہ واقعتا آپ علیہ السلام حیات ہیں اور سنتے ہیں اور حضرت مولانا نور محمد تو خود اس فیصلہ میں موجود تھے اور دستخط بھی کئے ہیں۔ سو جب اتنے حضرات اشاعت التوحید والسنۃ کے اہم اور بڑے کارکن بمع امیر جماعت کے سماع کے مسئلہ کا اقرار کرنے والے ہیں۔ جب انہوں نے سماع کے مسئلہ کا اقرار کرلیا ہے تو اس مسئلہ میں یہ حضرات گویا قائلین حیات کے ساتھ متفق ہیں۔ جب ان کے ساتھ ہیں تو آج باقی ماندہ اشاعتی اس فیصلہ کیوں منحرف ہو رہے ہیں یا تو انہیں سچا جان کر ان کی اتباع کریں یا صاف اعلان کریں کہ ہمارا نہ ان اکابرین سے تعلق ہے اور نہ ہم علماء دیوبند سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہیں۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا ۔ سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

منکرین حیات کے جملہ فتوے اپنے اکابرین پر

اب قارئین! آپ حضرات خود فیصلہ کرلیں کہ گیارہ فتوے جو منکرین نے لگائے تھے وہ کن پر لگتے ہیں یقیناً وہ سارے فتوے پہلے ان کے اپنے اکابرین پر لگتے ہیں۔ کیونکہ آدمی جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس کی ابتداء اپنے گھر سے ہی کرتا ہے۔ تاکہ کوئی اعتراض نہ کرسکے، اس لئے پہلے یہ سب فتوے ہم ان کے اپنے اکابرین کی طرف لوٹائیں گے۔ دوسری بات یہ بھی خود بخود ثابت ہوگئی کہ جب ان کے اکابرین ایسے ہیں تو فتوے لگانے والے حضرات تو بطریق اولیٰ ایسے ہی ہوں گے۔ گویا جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ جو شخص مردے سننے کا قائل ہے۔ وہ بے ایمان ہے۔ بدعتی ہے، مشرک ہے۔ معتزلی ہے۔ اجماع کا منکر ہے۔ ملت ابراہیمی میں داخل نہیں ہے، حنفی نہیں ہے۔ قرآن کا مخالف ہے۔ پاگل ہے۔ ''یحملون کمثل الحمار'' کا مصداق ہے، یہ سارے فتوے خود لکھنے

والوں پر لوٹ جاتے ہیں جب لکھنے والے ان فتوؤں کا کامل مصداق ہیں۔ تو "المرء یقیس علی نفسہ" (کہ انسان ہر کسی کو اپنے جیسا خیال کرتا ہے) انہوں (یعنی لکھنے والوں) نے اپنے او پر سب کو قیاس کرلیا۔ حالانکہ ان کا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ لہٰذا صرف لکھنے والے ہی اصل مصداق ہوئے نہ کہ کوئی اور۔ تیسری بات یہ بھی ثابت ہوگئی ان کو اپنے اکابرین کے مسلک کا بھی علم نہیں اور اپنی غلطی کا بھی علم نہیں کہ یہ فتوے ہماری طرف بھی لوٹیں گے۔ چوتھی بات یہ ثابت ہوئی کہ ایسے جاہلوں کی کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔ جب ان کی عام بات کا اعتبار نہیں تو قرآن وحدیث کی کی ہوئی تفسیر بالرائے کا کیا اعتبار ہوگا۔

عقیدہ عدم سماع موتی پر منکرین کے کمزور استدلالات

ناظرین کرام! اب ان دلائل کو ذکر کیا جائے گا جن سے منکرین حیات غلط استدلال کر کے ناجائز فتوے لگاتے ہیں۔ تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کی پیش کردہ دلیل ان کے مسلک پر کس حد تک پوری آتی ہے پوری آتی بھی ہے یا نہیں؟ اور اس دلیل سے شرک یا کفر کے فتوے لگائے بھی جا سکتے ہیں یا نہیں؟ دلائل سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کرلیں۔ تا کہ مسئلہ کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

منشاء اختلاف

۱...... اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ زندہ انسان قریب سے سن سکتا ہے اور دور سے نہیں سن سکتا۔

۲...... اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ پتھر یا جمادات جیسی چیزیں جن سے روح کے تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ قریب سے سنتے ہیں۔ نہ بعید سے سنتے ہیں، وجہ فرق وہی ہے کہ زندہ کے ساتھ روح کا تعلق ہے اور پتھر وغیرہ کے ساتھ روح کا تعلق نہیں۔

اب قائلین حیات اور منکرین حیات کا اختلاف اس چیز میں ہے کہ قبر والے کو بت کے ساتھ ملایا جائے اس طرح کہ سارے احکام غیر جاندار چیزوں کے ان پر لاگو کریں اور قبر والے سے ایسا سلوک کریں۔ جیسے غیر جاندار چیزوں سے کیا جاتا ہے یا قبر والے کو زندوں کے ساتھ ملایا جائے کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے۔ جیسے زندہ انسان کے ساتھ کیا جاتا ہے تو یہ سارا دارومدار اس بات پر ہوگا کہ روح کا تعلق اگر قبر والے کے ساتھ ثابت ہو جائے تو زندوں والے احکام ثابت ہوں گے اور اس کے ساتھ زندوں جیسا سلوک ہوگا۔ اگر روح کا تعلق قبر والے کے ساتھ ثابت نہ ہو تو پھر قبر والے کو پتھر، بت وغیرہ غیر جاندار کے ساتھ ملایا جائے گا اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا۔ جیسے غیر جاندار چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس تفصیل سے اتنی بات تو بالکل واضح ہوگئی کہ صرف احکام اور سلوک کے اعتبار سے فرق پڑے گا کہ اگر روح کا تعلق مان لیا جائے تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ جس طرح زندہ قریب سے سنتا ہے، دور سے نہیں سنتا۔ بالکل اسی طرح قبر والا بھی قریب سے سنے گا اور دور سے نہیں سنے گا۔ اب زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مردے کو زندوں کے ساتھ ملا دیا یعنی مردہ زندہ انسان کے ساتھ سننے میں شریک ہو گیا۔ یہ بات تو نہیں کہی جا سکتی کہ صرف قریب سے سننے سے خدا کا شریک بنا دیا ہے۔ کیونکہ خدا کا شریک تو تب بناتے کہ یہ عقیدہ رکھتے کہ مردہ ہر وقت، ہر کسی کی، ہر جگہ سے، ہر بات سنتا ہے۔ جب کہ یہ عقیدہ کسی نے نہیں رکھا جس نے رکھا ہے ہم بھی اس کو مشرک اور کافر کہتے ہیں۔ لیکن ہمارا عقیدہ تو مردے کے بارے میں

صرف اتنا ہے کہ روح کا تعلق قبر والے کے ساتھ ہے اور مردہ صرف قریب والے کی بات سنتا ہے اور سننے میں بھی خدا کا محتاج ہے۔ کیونکہ اتنا نیچے رہ کر سننا اس کے بس کی بات نہیں۔ خدا سناتا ہے۔ لیکن یہ سنانا قانون بنا کر انسانوں کو اللہ نے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے بتا دیا کہ جب بھی جا کر قریب سے سلام، کلام، تلاوت وغیرہ کرو گے۔ وہ سنے گا۔ بہر حال اتنی بات تو سورج کی روشنی کی طرح واضح ہوگئی کہ سماع موتی کا قائل ہونا شرک سے خالی ہے۔ شرک یا کفر بالکل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس بارے میں وہ عقیدہ قائم نہیں کیا جاتا جو خدا کے بارے میں کیا جاتا ہے۔ لہٰذا صرف اسی بات سے فتوے لگانا کہ یہ سننے کے قائل ہیں۔ لہٰذا مشرک، کافر، بدعتی، معتزلی ہوئے۔ یہ پرلے درجے کی جہالت ہے۔ علم سے ناواقفیت کی قوی دلیل ہے اور دوسروں پر بہتان تراشی ہے۔

مردوں کے ساتھ زندوں والا سلوک کیا جائے

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ سماع اور سننے کا قائل ہونا شرک نہیں۔ تو اب یہ دیکھنا ہے۔ کہ قبر والے کے ساتھ سلوک کس طرح کرنا ہے؟ غیر جاندار چیزوں والا یا جاندار چیزوں والا؟ یہ ہم نے احادیث سے فیصلہ کرنا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ:

۱...... جب قبر والے کے پاس سے گزرو تو اس کو سلام کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے سلام کا جواب دیں گے۔

(احکام القرآن)

۲...... کسی مردے کی ہڈیاں توڑنا ایسا ہے۔ جیسے کسی زندہ کی ہڈیاں توڑنا۔

۳...... جب میت کو دفن کر چکو تو اس کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو۔ (مشکوۃ ص ۲۶)

۴...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے کے بعد روضۂ اقدس پر پردہ کر کے جایا کرتی تھیں۔ جیسے زندوں سے پردہ کیا جاتا ہے۔

۵...... حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے قبر پر تکیہ لگائے ہوئے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ قبر والے کو تکلیف مت دو۔ (مشکوۃ ص ۱۴۹)

۶...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ اپنے مردوں کو اچھے کپڑوں میں دفن کیا کرو۔ بے شک وہ اس پر فخر کرتے ہیں اور اپنی قبروں میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔

(کتاب الروح ص ۳۶، التذکرہ للقرطبی ص ۸۱)

فائدہ! ان چھ احادیث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مردہ کے ساتھ زندوں جیسا سلوک کیا جائے۔ گویا مردہ زندہ انسان کا شریک ہے۔ احکام میں، سلوک میں، ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ میں، اتنا تو کہا جاسکتا ہے کہ مردہ انسان کو زندہ انسان کے ساتھ شریک کر دیا۔ یہ تو بالکل نہیں کہا جاسکتا کہ اس کو خدا کے ساتھ شریک کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ بھی ثابت ہوگئی کہ جب سلوک زندوں جیسا کرنا ہے تو ہوگا بھی زندہ۔ یعنی اس مردے کی روح کا اس کے جسم عنصری سے تعلق ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی چیز کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ہر بات، ہر کسی کی۔ ہر جگہ سے، ہر وقت سنتا ہے۔ یہ عقیدہ شرک والا عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔ چاہے یہ عقیدہ فرشتوں میں سے کسی فرشتے کے متعلق رکھا جائے یا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کے متعلق رکھا جائے

(جیسے بعض جہال یہ عقیدہ آپ ﷺ کے متعلق رکھتے ہیں) چاہے زندہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے یا کسی مردے کے بارے میں رکھا جائے۔ ہر صورت میں انسان مشرک بن جاتا ہے۔ الحمد اللہ! ایسا عقیدہ علماء دیوبند میں سے کسی نے بھی، کسی شئی کے متعلق نہیں رکھا اور جو ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ علماء دیوبند اہل سنت والجماعت کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسا عقیدہ مشرکین اپنے معبودوں کے متعلق رکھتے تھے جس کا قرآن پاک نے خوب رد کیا ہے اور یہ عقیدہ رکھنا مردوں کے متعلق اور فوت شدہ گان کے متعلق کہ کسی کی نہیں سنتے کوئی بات، نہیں سنتے کسی جگہ سے، نہیں سنتے، نہ قریب سے نہ بعید سے کسی وقت نہیں سنتے ایسا عقیدہ رکھنا بھی گمراہی ہے۔ بدعت ہے۔ معتزلہ والا عقیدہ ہے۔ یہ شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔ اس نے تفریط کی راہ لے لی ہے۔ افراط کی راہ لینے والے بھی مشرک ہے اور تفریط کی راہ لینے والے بھی بدعتی اور گمراہ ہیں۔ لیکن مشرک نہیں۔ جیسے منکرین حیات عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ قریب سے سنتے ہیں۔ دور سے نہیں سنتے، کسی وقت سنتے ہیں، کسی وقت نہیں بھی سنتے، کسی کی بات کو سنتے ہیں اور کسی کی بات کو نہیں بھی سنتے اور اللہ کے سنوانے سے سنتے ہیں اپنی مرضی سے نہیں یہ عقیدہ عین قرآن وحدیث کے موافق ہے اور یہی عقیدہ ''خیر الامور اوسطھا'' کا کامل مصداق ہے۔ اسی عقیدہ کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ سماع فی الجملہ ثابت ہے۔

سماع فی الجملہ کا مطلب

سماع فی الجملہ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ عام مردوں کے لئے سننا صرف اتنا ثابت ہے۔ جتنا احادیث سے ثبوت ملتا ہے۔ جیسے سلام، تلقین، تلاوت وغیرہ اور باقی حال وغیرہ اللہ کے سپرد ہے۔ چاہے تو سنا دے، چاہے تو نہ سنائے، یعنی اللہ ہی خوب جاننے والا ہے۔

مردوں کے نہ سننے کا مطلب

قارئین! یہ بات بھی ذہین نشین کرلیں کہ اگر آپ حضرات اکابرین میں سے کسی کی کتاب میں یہ لکھا ہو ادیکھیں اور پڑھیں یا کسی بزرگ کا قول یا کسی مفتی صاحب کا فتویٰ دیکھیں یا کسی روایت میں یہ بات ملے کہ عام مردے نہیں سنتے اور میت کو کوئی فہم نہیں ہوتا یا اس جیسی کوئی اور بات جس سے اندازہ ہو کہ شاید مردہ نہیں سنتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر وقت، ہر بات نہیں سنتا۔ ہاں! جو احادیث سے ثابت ہے۔ وہ یقینا سنتا ہے۔ جو حدیث سے ثابت نہیں وہ اللہ کے سپرد ہے۔ اسی کو بعض کہہ دیتے ہیں کہ عام مردہ نہیں سنتا یعنی ہر وقت ہر کسی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ بالکل ہی نہیں سنتے۔ پتھر کی طرح ہیں جیسے کہ منکرین حیات کہتے ہیں کہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے مردے کو سنانا۔

سماع، اسماع اور استماع کا مطلب

''اسماع'' (سنانا) زندہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے دیوار کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے انسان کو آہستہ آواز سے نہیں سنا سکتا اور زور لگا کر بھی مشکل سے کچھ نہ کچھ صرف سنا سکتا ہے پورا پھر بھی نہیں سنا سکتا۔ اسی طرح لوگوں کے مکان ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لیکن پھر بھی ایک دوسرے کی بات نہیں سن سکتے۔ کیونکہ درمیان میں دیوار ہے۔ اسی طرح چھت پر بیٹھا انسان۔ کمرے والے کو اور کمرے والا چھت والے انسان کو کچھ نہیں سنا سکتا۔ اتنی

آواز سے جتنی آواز سے انسان قبرستان میں جاکر سلام کرتا ہے۔ جب صرف اتنی آڑ سے ہم ایک دوسرے کو نہیں سنا سکتے تو قبر والے کو جو کہ کئی من مٹی کے نیچے ہیں کیسے سنا سکتے ہیں۔ اپنی قدرت سے اور اپنی ہمت سے، جب ہم قدرت نہیں رکھتے تو اسی کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا کہ:''انک لا تسمع الموتی، وما انت بمسمع من فی القبور'' کہ آپ ﷺ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اپنی طاقت اور قدرت سے۔

استماع (اپنی مرضی اور طاقت سے سننا)

اسی طرح مردے بھی اتنی طاقت اور قدرت نہیں رکھتے کہ وہ کان لگا کر بذات خود سن لیں۔ اگرچہ پوری طرح اس کے جسم میں روح لوٹا دی جائے۔ خلاصہ یہ کہ استماع یعنی مردہ بذات خود اپنی طاقت سے کچھ نہیں سن سکتا۔ اب نہ سنانے والا اپنی قدرت سے سنا سکتا ہے۔ نہ ہی سننے والا اپنی قدرت سے اتنی آہستہ آواز کو جو قبرستان میں ہوتی ہے سن سکتا ہے۔ دونوں بے بس ہیں اسماع بھی نہیں اور استماع بھی نہیں صرف ہے سماع۔

سماع یعنی سننا

اب مردے کے سننے کا صرف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مردے کو اپنی قدرت سے زندہ کی آواز سنا دیتا ہے۔ اس میں نہ سنانے والے کا کچھ دخل ہے۔ نہ سننے والے کا کچھ دخل ہے۔ سارا کام اللہ کی قدرت کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی قدرت کو قانون بنا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا ہے اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی زبان مبارک سے لوگوں کو بتا دیا ہے کہ جب سلام کرو گے وہ سلام سنیں گے۔ تلقین کرو گے وہ بھی سنیں گے۔ تلاوت کرو گے، وہ انس حاصل کریں گے وغیرہ وغیرہ! جتنی باتیں احادیث سے ثابت ہیں وہ جب بھی قبرستان میں جاکر انسان بجالاتا ہے تو مردہ یقیناً سن لیتا ہے اور آواز کو بھی پہچان لیتا ہے۔ اگر پہلے سے جان پہچان ہو تو یہی بات اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کہتے ہیں کہ مردہ کا سننا قدرت خداوندی کے ذریعہ بہرحال ثابت ہے۔

فائدہ! اب جن آیات میں یہ بات آئی ہے کہ تم نہیں سنا سکتے یا احادیث میں کہیں نفی کی بات آئی کہ تم نہیں سنا سکتے اور مردہ نہیں سنتا۔ اس سے مراد صرف اسماع کی نفی ہے کہ تم اپنی قدرت سے نہیں سنا سکتے اور مردہ اپنی قدرت سے نہیں سن سکتا۔ سماع کی نفی ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اس مردے کو زندہ کی بات نہیں سناتے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج۱ ص۶۵) اس تشریح سے ہر اس دلیل کا جو منکر حیات یا کوئی رافضی، خارجی، معتزلی مردے کے نہ سننے پر پیش کرے جواب واضح ہو گیا۔

سماع موتی کے قائل کو کسی صحیح العقیدہ سنی نے کبھی بھی مشرک نہیں کہا

اس بات پر تو تمام علماء اہل سنت والجماعت متقدمین اور متاخرین کا اتفاق ہے کہ کسی نہ کسی درجہ میں مردوں کا سننا ثابت ہے جو سماع کے قائل تھے ان کا تو عقیدہ یہی تھا کہ مردے سنتے ہیں۔ لیکن جو سماع موتی کا انکار کرتے تھے۔ وہ عدم سماع کو ترجیح دیتے ہوئے بھی ان مقامات کا استثناء کرتے تھے۔ جہاں جہاں صریح احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ مثلاً: (۱) سلام سنتے ہیں۔ (۲) دفنانے کے بعد جوتوں کی آہٹ سنتے ہیں۔ (۳) انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کے بارے میں سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں تھا۔ سب کا اس پر اجماع اور اتفاق تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً آپ ﷺ بذات خود سنتے ہیں۔ بہرحال کچھ علماء حضرات نے عام مردوں کے بارے اختلاف کیا

ہے اور یہ کہا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ لیکن یہ قول کر کے بھی انہوں نے ان مقامات کو نکال دیا ہے۔ جن میں یہ بات آتی ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ گویا یوں کہہ دیا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ نفس سماع اور سماع فی الجملہ دونوں فریقوں نے مان لیا ہے۔ لیکن اس سماع سے سماع کلی کا کوئی بھی فریق قائل نہیں یعنی مردے ہر بات سنتے ہیں۔ اس کا کوئی قائل نہیں اور پوری امت کا اس بات پر بھی اتفاق ہو گیا کہ سماع موتی کا عقیدہ شرک نہیں ہے۔ یعنی جو لوگ مردوں کے سننے کے قائل نہیں تھے۔ وہ بھی اس بات پر متفق تھے کہ سماع موتی والا عقیدہ شرک نہیں ہے۔ کیونکہ اگر شرک ہوتا تو استثناء نہ کرتے اور جو شرک والا عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس اختلاف کو خود ہی کفر وایمان، مشرک اور موحد کا اختلاف بنایا ہے۔

عدم سماع موتی پر منکرین حیات کے شبہات

شبہ نمبر ۱...... زیادہ تر منکرین حیات درج ذیل آیت پڑھ کر سیدھی سادھی عوام کو گمراہ کرتے ہیں اور آیت کے معنی میں تحریف کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ مردہ نہیں سنتا حالانکہ آیت کا یہ معنی کسی نے نہیں کیا کہ مردہ نہیں سنتا۔ اصل معنی یہ ہے کہ آپ (ﷺ) سنا نہیں سکتے۔ وہ آیت یہ ہے ''انک لا تسمع الموتیٰ'' کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

و ماانت بمسمع من فی القبور سے غلط استدلال

شبہ نمبر ۲...... نہیں ہیں آپ (ﷺ) سنانے والے ان حضرات کو جو قبروں میں ہیں۔ یعنی آپ ﷺ اور قیامت تک آنے والے تمام انسان مردوں کو اپنی قدرت سے نہیں سنا سکتے۔ ان آیات سے زیادہ تر منکرین حیات یوں گمراہ کرتے ہیں کہ جب سنا نہیں سکتے تو ثابت ہو گیا کہ وہ سن بھی نہیں سکتے۔ یہ استدلال اور دلیل ان کے مسلک پر کبھی بھی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ آیت سے صرف اتنی بات ثابت ہو رہی ہے کہ تم سنا نہیں سکتے۔ یہ بات بالکل ثابت نہیں ہو رہی کہ وہ سن بھی نہیں سکتے۔

خلاصہ...... یہ کہ جس آیت یا حدیث سے جتنی بات ثابت ہو رہی ہے اتنی ہی ثابت رکھو۔ اس سے زائد ثابت کرنا فاسد ہے۔ بالکل اسی طرح ''انک لا تسمع الموتی'' اور ''وماانت بمسمع من فی القبور'' سے صرف اتنی بات ثابت ہو رہی ہے کہ آپ سنا نہیں سکتے مردوں کو۔ یہ بالکل ثابت نہیں ہو رہا کہ وہ سنتے بھی نہیں۔ جب یہ ثابت نہیں ہو رہا تو اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ وہ سنتے بھی نہیں ضعیف ہے۔ ہم ضعیف استدلال سے کسی مسئلہ کو ثابت نہیں کرنے دیتے۔ چہ جائے کہ کسی کو ضعیف دلیل سے کوئی عقیدہ ثابت کرنے دیں۔ پھر وہ بھی حنفی کہلوانے والے کو۔ اگر آپ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہو تو اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ وہ مردے نہیں سنتے صحیح نہیں ہے۔ اسی بات کو علامہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو سب سے بہتر جانتا ہے ہمیں جو بات نصوص سے حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مردوں کا سننا، مردوں کا سماع فی الجملہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ باقی رہا زندہ انسانوں کا مردوں کو سنانا۔ وہ تو قرآن کے سیاق سے منفی ہے اس کی تحقیق جیسا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں کی ہے۔ (فتح الملہم ص ۴۷۹، ج ۲)

حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دلچسپ مکالمہ

حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ درسگاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس دو پروفیسر آگئے۔ آتے ہی کہنے لگے کہ مولوی صاحب قرآن میں سینکڑوں آیات ہیں کہ مردے نہیں سنتے حضرت فرماتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ایسے نہیں کہا جاتا بلکہ یوں کہو کہ ہم قرآن پر سینکڑوں جھوٹ بولتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ پورے قرآن میں ایک آیت بھی نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو کہ مردے نہیں سنتے اور نہ ہی پورے ذخیرۂ احادیث میں کوئی ایسی حدیث ہے جس میں یہ بات ہو کہ مردے نہیں سنتے۔ کہنے لگے کہ نہیں جی! وہ تو پڑھتے ہیں۔ آیتیں میں نے کہا کہ (منکرین حیات سے) لکھوا کر لائی تھیں۔ کہتا ہے کہ یاد تو آپ کو بھی ہوں گی۔ آپ ہی سنا دیں میں نے کہا کہ (منکرین حیات) یہی پڑھتے ہوں گے ''انک لا تسمع الموتیٰ'' کہتا ہے کہ ہاں ہاں! بالکل یہی پڑھتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے ترجمے والا قرآن پاک اٹھایا کھول کر سامنے رکھ دیا۔ میں نے کہا پڑھو کیا لکھا ہے؟ اس کا ترجمہ یہ تو نہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ بلکہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ ارے جب نہیں سنا سکتے تو یہ کیسے ثابت ہو گیا؟ یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ سنتے بھی نہیں۔ اگر میں تم کو کہوں کہ میں نے آج تمہیں ناشتہ نہیں کرایا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے کیا بھی نہیں؟ پھر میں نے کہا کہ خود ترجمہ پڑھ لو اور مجھے بتاؤ کہ کن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سناتے؟ اور کن کو سناتے ہیں؟ یہ بھی تو آیت میں ہے کن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں ''ان تسمع الا من یومن بآیتنا فھم مسلمون'' جی مسلمانوں کو سناتے ہیں تو پتہ چلا کہ جن کو نہیں سناتے مردہ کہا وہ کافر ہوئے نا؟ پھر میں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب وعظ ونصیحت فرماتے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آواز سنتے تھے؟ ابوجہل کیا خیال ہے سنتا بھی نہیں تھا؟ اگر زندہ کافر سنتا ہی نہیں تھا تو ان کو پھر کافر کہنا بھی جائز نہیں۔ دیکھو نا؟ اس دیوار کو کوئی کافر نہیں کہتا۔ کیونکہ اس نے سنا ہی نہیں۔

ہاں! اگر سنتا ہے اور سننے کے بعد انکار کرے گا۔ تب تو کافر کہا جائے گا نا؟ پتھر کو کوئی کافر نہیں کہتا تو اگر وہ زندہ کافر سنتے ہی نہیں تھے تو ان کو کافر کیوں کہا جا ہے؟ سنا ہی نہیں بے چاروں نے تو میں نے کہا کہ جب تشبیہ مردوں سے دی ہے تو تشبیہ میں کوئی وجہ تشبیہ بھی تو ہوتی ہے؟ وجہ تشبیہ کیا ہے؟ عدم سماع تو یقیناً نہیں تھا کیونکہ سارے کافر سنتے تھے آپ علیہ السلام کی بات کو۔ اس لئے وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے کہ سن کر فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، مانتے نہیں تھے۔

ہاں! مسلمان مان جاتے تھے۔ اب جیسے زندہ کافر سنتے تھے۔ لیکن مانتے نہیں تھے۔ فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ اسی طرح اس آیت سے یہ بھی پتہ چلا کہ مردے سنتے ہیں۔ لیکن فائدہ نہیں اٹھائے۔ اب وہ توبہ وغیرہ نہیں کر سکتے۔ پھر میں نے کہا کہ آیت پوری ماننی چاہیے یا ادھوری؟ پوری ماننی چاہیے نا؟ تو پہلا سوال میں نے آیت پر کیا کہ کن کو سناتے تھے؟ کن کو نہیں سناتے تھے؟ سناتے مسلمانوں کو تھے؟ کن کو نہیں سناتے تھے تو پتہ چلا کہ وہ کافر ہیں۔ اب کیا کافروں کو نہیں سناتے تھے؟ حالانکہ اللہ نے نبی کو سنانے کے لئے بھیجا ہے نہیں بلکہ اتنا سناتے تھے کہ بار بار اللہ تعالیٰ کو ترس آ گیا کہ شاید اپنے آپ کو مار ڈالے گا ''لعلک باخع نفسک'' اور دوسرا سوال میں نے کیا کہ کیا سناتے تھے؟ اور کیا نہیں سناتے تھے؟ اور ان کو کیا سناتے تھے؟ ایمان کی باتیں پھر میں نے کہا کہ کب نہیں سناتے تھے؟ ''اذا ولو مدبرین'' جب وہ مردے پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں، بھاگ رہے ہوں، تو یہ قبرستان والے

بھاگ جاتے ہیں؟ پیٹھ پھیر کر؟ اگر وہاں ہی لیٹے ہوں تو پھر تو سنتے ہیں نا؟ ''اذاولو مدبرین'' یہ کس کے بارے میں ہے؟ کافر بھاگا کرتے تھے؟ یا قبر والے بھاگا کرتے تھے؟ کہتا ہے جی ہاں اب سمجھ میں آیا کہ یہ منکرین حیات دھوکہ دیتے ہیں۔ (یادگار خطبات ص ۳۱۵)

فائدہ! اصل آیت میں کافروں کو مردوں سے نفع نہ اٹھانے کے بارے میں تشبیہ دی گئی ہے۔ اس آیت سے مردوں کا نہ سننا تو بالکل ثابت ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں مردوں سے مراد زندہ کافر ہیں قبر والے مردے مراد ہی نہیں کہ آپ ان قبر والے مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ کیونکہ ساری بات تو وعظ و نصیحت کی چل رہی ہے تو وعظ و نصیحت کافر کو ہوتا تھا۔ نہ کہ قبرستان والے مردوں کو۔ بہر حال اس آیت کی ذریعے منکرین حیات عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور قرآن میں تحریف کرتے ہیں ان سے بچ کر رہنا بے حد ضروری ہے۔ اس بات کی تائید کہ اس آیت کا سرے سے قبرستان والے مردوں سے تعلق ہی نہیں کہ اس آیت سے صرف سماع کی نفی کی جائے جس کے اثبات کے درپے سماع موتی کے قائلین ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وماانت بمسمع من فی القبور'' اس آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد ایسا کافر ہے جو مردہ دل ہو۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو اس طرح نہیں سنا سکتے کہ اس سننے سے نفع اٹھائے۔ جیسا کہ آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں اس طرح نہیں سنا سکتے کہ وہ اس سے نفع حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں کہ قبر والے قطعاً کوئی چیز سنتے ہی نہیں۔ یہ مراد کیسے ہو سکتی ہے؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ مردے رخصت ہونے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۵۵)

فائدہ! حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس مدلل بیان سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ آیت سے اللہ تعالیٰ کی ہرگز یہ مراد نہیں کہ مردے نہیں سنتے اگر ایسا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغام پہنچانے والے ہیں ہرگز سماع موتی کی خبر نہ دیتے۔ (سماع موتی ص ۲۶۷)

شبہ نمبر ۲...... مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کے دو سال بعد یعنی ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا جس میں تقریباً ۷۰ کافروں کے سردار مارے گئے تھے آپ علیہ السلام غزوۂ ختم ہونے کے تین دن بعد دوبارہ اسی جنگ والی جگہ یعنی بدر کے مقام پر تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانثار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان بدبودار لاشوں کو کنوئیں میں پھینک دیا جائے جب کنویں میں پھینک دیئے گئے تو آپ علیہ السلام نے کنویں پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا وہ تو پورا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیابی عطاء فرمائی۔ تمہارے ساتھ جو عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا یا نہیں؟ یعنی بطور ڈانٹ اور سرزنش کے آپ علیہ السلام نے ان کو یہ بات کہی یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ موجود تھے۔ وہ بولے کہ یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ قوم سے خطاب فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم اس بات کو جو میں ان مردوں سے کہہ رہا ہوں زیادہ نہیں سنتے (یعنی وہ مردے تم سے زیادہ سن رہے ہیں) لیکن وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ (مسلم شریف ص ۳۸۷، ج ۲، نسائی شریف ص ۲۹۳، ج ۱، مسند احمد ص ۲۷ ج ۱، بخاری شریف ص ۵۲۶، ج ۲)

اس حدیث کو منکرین حیات آڑ بنا کر عوام الناس کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ مردوں کے سننے کے قائل نہیں تھے اور اسی حدیث کو جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

آپ علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا ہوگا: ''ماانتم باسمع لما اقول منهم ولکنهم لا یستطیعون ان یجیبوا'' (کہ نہیں ہو تم زیادہ سننے والے اس کو جو میں کہتا ہوں ان مردوں سے لیکن یہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے) یہ نہیں فرمایا ہوگا بلکہ آپ علیہ السلام نے یوں فرمایا ہوگا:

۱...... ''انهم لیعلمون الآن ان ما اقول لهم حق (بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)''

۲...... ''ماانتم بافهم لقولی منهم اولهم افهم لقولی منکم (مسند احمد ص ۲۴۴ ج ۷)''

۳...... ''لقد علموا ان ماوعدهم حق'' یہ مختلف الفاظ احادیث کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مردوں کے سننے والی حدیث سنی تو فوراً روک دیا کہ یہ حدیث ''انک لا تسمع الموتی'' سے ٹکرا رہی ہے۔ لہٰذا یہ الفاظ نہیں ہوں گے جو تم کہتے ہو بلکہ یہ الفاظ ہوں گے کہ وہ کافر مردے اب جان گئے ہیں (انہوں نے خوب جان لیا ہے) کہ جو کچھ میں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو کہا کرتا تھا وہ حق اور سچ ہے۔ اب منکرین حیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگاتے ہوئے اور اس حدیث کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مردوں کے سننے کی قائل نہیں تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی سننے کے قائل نہیں تھے۔ اگر قائل ہوتے تو سوال نہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف یہی حدیث منکرین حیات کے ہاتھ آئی ہے اسی سے کمزور استدلال کر کے عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ اب آپ حضرات اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب

جہاں تک بات ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کی کہ انہوں نے سوال کیوں کیا؟ اس کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ یہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔ ہوسکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابھی تک اس مسئلہ کی مکمل تحقیق نہ ہوئی ہو۔ اس لئے انہوں نے ظاہر کو دیکھ کر کہ یہ لاشیں پھٹی ہوئی ہیں جن سے بو آرہی ہے۔ سوال کر دیا ہو کہ یا رسول اللہ! کیا یہ سنتے ہیں؟ جب آپ علیہ السلام نے جواب دے دیا تو پھر مکمل یقین ہو گیا کہ واقعتاً سنتے ہیں اور یہی سننے والی روایت ''ماانتم باسمع لما اقول منهم ولکنهم لا یستطیعون ان یجیبوا'' خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی چلی آرہی ہے۔ (دیکھئے مسلم شریف ص ۳۸۷، ج ۲، نسائی ص ۲۹۳، ج ۱، مسند احمد ص ۲۷، ج ۱، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۹، ج ۷) دوسرا ان کا سوال کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت مسلمہ پر رحمت خاصہ کے لئے تھا کہ تمام مسلمانوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ مرنے کے بعد انسان کے جسم سے روح کا تعلق ہوتا ہے اور وہاں روح کی پوری توجہ وادراک کرنے کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہاں عالم قبر و برزخ میں احساس اور ادراک تیز ہو جاتا ہے۔ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک اور شعور کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ (یادگار خطبات ص ۳۱۶) اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے بات ڈال دی کہ سوال کرو۔ تاکہ قیامت تک کے لئے مسئلہ واضح ہو جائے۔ ورنہ کئی دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبرستان گئے ہیں اور جا کر ان کو سلام کیا اور ان کو خطاب کیا تو اندر سے آواز آئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود سنی۔ جیسے ایک نوجوان کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ فوت ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو خطاب کر کے پوچھا کہ اللہ سے خوف کرنے والے کے لئے دو باغ ہوتے ہیں؟ تو اندر سے اس نے جواب دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باغ عطاء فرما دیئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۹، ج ۲۲)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے واقعات ہیں۔ان سب دلائل کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ''عدم سماع موتی'' کا بہتان لگائے تو سوائے، ضد، تعصب، گمراہی کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ لہٰذا منکرین حیات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا سہارا لینا باطل ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میت اور فہم میت کی قائل تھیں

اب رہی یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کیوں کہا کہ یہ حدیث قرآن پاک کی اس آیت: ''انک لا تسمع الموتی'' سے ٹکراتی ہے؟ اس کا جواب بھی آیا چاہتا ہے۔لیکن پہلے ہمارا ان منکرین سے یہ سوال ہے کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مسلک کو اگر واقعتا دل وجان سے قبول کرتے ہو تو صرف اس سماع والی بات کو قبول نہ کرو۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول سب باتوں کو قبول کرو۔مثلاً:

۱...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: عذاب وثواب میت کی قائل ہیں کہ اسی جسم عنصری کو اسی دنیا والی قبر میں عذاب ہوتا ہے۔جیسے حدیث میں آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ کافر پر دو سانپ چھوڑے جاتے ہیں۔جو اس کو کاٹتے ہیں۔(مسند احمد) اسی طرح (بخاری شریف ص ۱۸۱ ج ۱) پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے: کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ کئی حدیثوں میں یہ بات آئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبر میں عذاب وثواب والی روایات کو نقل کیا ہے۔ان سب سے معلوم ہوا کہ وہ عذاب میت کی قائل تھیں اور عذاب میت روح کے تعلق کے ساتھ ہوتا ہے۔نہ کہ روح کے بغیر اے منکرو! تم بھی قائل ہو جاؤ۔

۲...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میت کی بھی قائل ہیں جیسے کہ فرمایا ''انھم لیعلمون الآن (بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)'' وہ بدر میں جو کافر سردار جو مارے گئے تھے۔وہ اب تم سے زیادہ جان رہے ہیں۔معلوم ہوا کہ علم میت کی قائل ہیں اور علم میت بھی سوائے روح کے تعلق اور سننے کے حاصل نہیں ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روح کے تعلق اور سماع اور علم اور عذاب کو مانتی ہیں۔جیسے اہل سنت والجماعت کا قول ہے۔اے منکرو تم بھی مانو۔

۳...... فہم میت کی بھی قائل تھیں۔یعنی مردے کے سمجھنے کی بھی قائل تھیں کہ مردہ بات کو سمجھتا ہے۔جیسے حدیث میں آیا۔''ماانتم بافھم منھم'' آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم ان مردوں سے زیادہ سمجھنے والے نہیں ہو۔یعنی مردے زیادہ سمجھتے ہیں۔(مسند احمد ص ۲۴۴ ج ۷) اب یہ سمجھنا بھی سماع پر موقوف ہے کہ مردہ سنے گا تو سمجھے گا بھی۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علم اور فہم میت کی قائل تھیں تو منکرین حیات کو چاہیے کہ وہ بھی قائل ہو جائیں۔اگر سچے دعویدار ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوال کو ماننے میں ورنہ ہم یہی سمجھیں گے کہ یہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔گمراہ کرتے ہیں۔ان کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حقیقتاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ان باتوں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ احضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع کی قائل تھیں۔کیونکہ علم سے سماع خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔جیسے علامہ داؤد بن سلمان البغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء امت نے یہ کہا ہے کہ علم (یعنی جاننا) سماع کو لازم ہے۔اس کے منافی نہیں۔ (المنحۃ الوہبیہ ص ۹)

جواب...... اب اس حدیث کا جواب دیکھو کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ: ''قالت عائشة انما قال النبی ﷺ: انهم لیعلمون الان ان ماکنت اقول لهم حق وقد قال

اﷲ تعالیٰ: انک لاتسمع الموتی (بخاری شریف ص ۱۸۳، ج ۱) '' آپ علیہ السلام نے یوں فرمایا تھا کہ وہ مردے اب جان رہے ہیں کہ میں جوان کو کہہ رہا ہوں وہ حق ہے تو اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ یہ واقعہ ۲ ھ کا ہے۔ اس وقت تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے صرف یہ آیت تھی اسی کو سامنے رکھ کر ان کا اپنا مسلک یہ تھا کہ مردے نہیں سنتے۔ باقی آپ علیہ السلام سے مردوں کے سننے کے بارے میں ابھی کچھ نہیں سنا ہوگا۔ اس لئے آیت کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرما دیا کہ میرا خیال یہ ہے کہ یوں نہیں کہا ہوگا کہ وہ مردے تم سے زیادہ سن رہے ہیں۔ بلکہ یوں کہا ہوگا کہ وہ اب عذاب کو زیادہ جان رہے ہیں یا سمجھ رہے ہیں۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا خیال تھا کہ یوں کہا ہوگا۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایسے ہی فرمایا تھا جیسے خود حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''ماانتم باسمع لما اقول منھم '' کیونکہ یہی الفاظ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے (صحیح بخاری ص ۵۶۶، ج ۲ اور مسلم ص ۳۸۷، ج ۲ پر اور مسند احمد ص ۲۹، ج ۴ پر) مروی ہیں اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے (طبرانی کبریٰ ص ۱۹۸، ج ۱۰، مجمع الزوائد ص ۹۱، ج ۶ اور فتح الباری ص ۳۰۵، ج ۶ میں) یہی الفاظ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والے مروی ہیں۔ اب ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا خیال ہے۔ کیونکہ وہ مقام بدر پر موجود نہیں تھیں اور ایک طرف بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو خود مقام بدر میں اس قول کو اپنے کانوں سے سن رہے تھے تو ان کا قول زیادہ راجح ہوگا اور زیادہ قبول ہوگا بنسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی وہی حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما والے الفاظ منقول ہیں ''انھم یسمعون الآن '' (طبرانی کبیر ص ۱۹۷، ج ۳، مجمع الزوائد ص ۹۱، ج ۶) ان سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا خیال تھا بات اصل وہی ہے جو حضرت عمر اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابوطلحہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے نقل کی ہے اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل اسلام نے مسئلہ سماع موتی کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما سے مخالفت کی ہے اور انھوں (جمہور) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے۔ کیونکہ دوسرے حضرات کی روایتیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے موافق ہیں (فتح الباری ص ۲۷۷، ج ۳،) اور یہ بات ہم نے جو کہی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا خیال تھا۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ یہ واقعہ ۲ ھ کا ہے (یعنی بدر والا واقعہ) اس وقت تک ابھی پوری تفصیل اماں جان کے سامنے نہیں آئی تھی اور یہود یہ عورتوں والا واقعہ کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور چلتے چلتے جب عذاب قبر کی بات آئی تو یہود یہ عورتوں نے کہا کہ عذاب میت کو قبر میں دیا جاتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو جھٹلا دیا کہ نہیں۔ تمہارا یہ قول صحیح نہیں جب وہ چلی گئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ علیہ السلام سے پوچھا کہ یارسول اللہ! میرے پاس، اس اس طرح عورتیں آئیں تھیں اور یوں بات کرتی تھیں کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے، تو کیا وہ سچ کہتی تھیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! وہ سچ کہتی تھیں۔ یقیناً قبر والوں کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے جس کو تمام جاندار سنتے ہیں سوائے جن وانس کے (مسلم ص ۲۱۷) تو جیسے اماں صاحبہ رضی اللہ عنہا کو پہلے عذاب قبر کے متعلق پوری تفصیل معلوم نہیں تھی اور ان کو جھٹلا دیا بالکل اسی طرح اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو مردوں کے سننے کے بارے میں ابھی مکمل تفصیل معلوم نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو روک دیا کہ ایسا نہ کہو کہ وہ مردے تم سے زیادہ سن رہے ہیں۔

جواب نمبر ۲......اماں عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے مردوں کے عدم سماع کی قائل تھیں۔ جب بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مردوں کے سننے کے متعلق احادیث سنیں تو اپنے عدم سماع والے قول سے رجوع فرمالیا۔ جیسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں "ومن الغریب ان فی المغازی لابن اسحاق، روایة یونس بن بکیر باسناد جید عن عائشہ رضی اللہ عنہا مثل حدیث ابی طلحة رضی اللہ عنہ، وفیه ماانتم باسمع لما اقول منهم واخرجه احمد باسناد حسن، فان کان محفوظاً فکانہار جعت عن الانکار لماثبت عندها من روایات هؤلا الصحابة لکونهالم تشهد القصة۔ (فتح الباری ص ۳۰۵)" بڑی نرالی اور خوشی کی بات یہ ہے کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے مغازی میں یونس بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے جید اسناد کے ساتھ حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت منقول ہے۔ جیسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس میں یہ الفاظ "ماانتم باسمع لما اقول منهم" موجود ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حسن اسناد کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔ سو اگر یہ لفظ محفوظ ہوں تو گویا یہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کے انکار سے رجوع کرلیا تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان جلیل القدر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایتیں ان کے سامنے آگئی تھیں (جو بدر والے مقام میں موقع پر حاضر تھے) اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع موتی کی روایت بیان کرنے میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اکیلے ہی نہیں بلکہ حضرت ابوطلحہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت عبداللہ بن سیدان رضی اللہ عنہم بھی اس قصہ اور واقعہ کے بیان کرنے میں ان کے مؤید ومصدق ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ باسناد جید اور باسناد حسن سماع موتی کی روایت مروی اور ثابت ہے۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں سماع کا لفظ محفوظ ہے اور جب بقول ان کے سند جید اور حسن ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ یہ لفظ محفوظ ہیں تو پھر یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انکار سماع موتی سے رجوع کرلیا تھا۔ کیونکہ جب ان کے نزدیک دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات ثابت ہوگئیں جو اصل موقع پر موجود تھے اور وہ خود موجود نہ تھیں تو انھوں نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع فرمالیا تھا اور اس مسئلہ میں ان کی ہمنواء ہوگئیں۔ کیونکہ اکثریت دوسری طرف تھی۔ (سماع موتی ص ۲۸۸)

جواب نمبر ۳......اب پہلے دو جوابوں سے جمہور اہل سنت والجماعت یہی کہتے ہیں کہ سیدہ طاہرہ طیبہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مسلک وموقف سے رجوع فرمالیا تھا۔ اس کے باوجود اگر منکرین سماع موتی ضد پر اتر آئیں تو صرف یہی کہا جائے گا کہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی عدم سماع والی روایت قابل قبول نہیں۔ کیونکہ ان کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے اور قاعدہ ہے کہ کوئی راوی (یعنی صحابی) اپنی ہی روایت کردہ حدیث کے خلاف کوئی قول کرے اور فتویٰ دے یا اپنی ہی روایت کردہ حدیث کے خلاف کوئی عمل کیا کی اور اس (صحابی) راوی کی یہ مخالفت یقین کے درجہ میں ہو تو اس حدیث پر بالاتفاق عمل کرنا ساقط ہوجاتا ہے اور وہ قاعدہ اصول فقہ کی کتاب حسامی شریف میں جو عربی مدارس کے درجہ خامسہ میں پڑھائی جاتی ہے موجود ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

"ویسقط العمل بالحدیث اذا ظهر مخالفته قولا او عملا من الراوی بعد الروایة او من غیره من ائمة الصحابة والحدیث ظاهر لا یحتمل الخفاء علیهم ویحمل علی الانتساخ (الحسامی ص ۱۵۲)" اور

حدیث پر عمل ساقط ہوجائے گا۔ جب روایت کرنے کے بعد راوی کی طرف سے یا ائمہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس کی قولاً یا عملاً مخالفت ظاہر ہوجائے اور حدیث بھی ایسی ظاہر ہو، جو ان پر خفاء کا احتمال نہ رکھتی ہو (یعنی جنہوں نے مخالفت کی ہے ان کو یقین ہونا چاہیے کہ ہمارا یہ قول اور عمل فلانے کی حدیث کے خلاف ہے اور وہ حدیث ہمیں خوب معلوم ہے) تو اس حدیث کو منسوخ ہونے پر محمول کیا جائے گا۔ اب اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی راوی اپنی ہی حدیث کے خلاف کوئی قول کرے یا عمل کرے یا ائمۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس کی مخالفت کی ہے تو اس کی بیان کردہ روایت بالاتفاق ساقط ہوجائے گی تو اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عدم سماع والی روایت کے خلاف خود قول بھی کیا ہے، عمل بھی کیا ہے اور ائمہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اس کے ہوتے ہوئے پہلی روایت عدم سماع والی بالکل ساقط ہوجائے گی اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اب آپ حضرات یہ دیکھیں کہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی روایت کے خلاف کیسے قول اور عمل کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنی ہی روایت کے خلاف قول

’’عن عائشه رضی اللہ عنہا قالت: كان رسول الله ﷺ كلما كان ليلتها من رسول الله ﷺ يخرج آخر الليل، الى البقيع، فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤ منين واتاكم ماتوعدون غدا مؤجلون وانا ان شاء الله بكم لاحقون اللهم اغفر لاهل بقيع الغرقد (صحيح ابن حبان ج۷ ص۲۷، مسلم شريف ج ۱ ص ۳۱۳، مؤطا امام مالك ص ۲۲)‘‘ (اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی جس رات میرے پاس رہنے کی باری ہوتی تو آپ علیہ السلام رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع کے قبرستان میں چلے جاتے اور فرماتے۔ اے قوم مومنین کے گھر والے تم پر سلام ہو۔ ہمارے اور تمہارے پاس کل قیامت کا وعدہ آنے والا ہے جس کی ابھی ہمیں مہلت دی گئی ہے اور بے شک ہم آپ کے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع الغرقد والوں کی مغفرت فرما)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا ذاتی عمل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ۵۳ھ میں جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ کے قریب حبشی کے مقام پر وصال ہوا تو ان کو وہاں سے منتقل کر کے مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں ان کو دفن کیا گیا جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج کے موقع پر مکہ مکرمہ آئیں تو اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی تشریف لے گئیں اور وہاں ان کو مخاطب کر کے کچھ اشعار بھی پڑھے پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر میں تیری وفات کے وقت موجود ہوتی تو تجھے وہاں ہی دفن کیا جاتا جہاں تیری وفات ہوئی تھی اور اگر میں اس وقت موجود ہوتی تو اب تیری قبر کی زیارت کے لئے نہ آتی۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰)

<u>فائدہ</u>! اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قبر پر جانا پھر ان کو خطاب کرنا یہ سارا عمل اس حدیث کے خلاف ہے جو عدم سماع پر دلالت کرتی ہے۔ اب ان کا اپنی ہی روایت کے خلاف عمل کرنا اس بات پر قوی دلیل ہے کہ عدم سماع والی روایت ساقط ہے قابل قبول نہیں اور قاعدہ کی رو سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اماں صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مسلک سے رجوع فرما لیا تھا اور اس رجوع پر یہ بھی قوی دلیل ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرہ مبارک میں دفن ہوئے تو اماں

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اب پورے کپڑے وغیرہ سنبھال کر جاتی تھی۔ حیاء من عمر! عمر رضی اللہ عنہ کے حیاء کی وجہ سے۔ ان کا یہ عمل بھی اپنی روایت کے خلاف جاتا ہے جو عدم سماع پر دلالت کرتی ہے۔

اعتراض...... منکرین حیات وسماع اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ محض افسوس اور غم کے اظہار کے لئے تھا۔ نہ کہ اس کو سنانے اور خطاب کرنے کے لئے اور اسی طرح سلام سے مراد بھی صرف دعا ہے کہ سلام سے مردے کو دعا کرنا اصل مقصود ہوتا ہے نہ کہ خطاب۔

جواب...... یہ افسوس اور غم کا اظہار اور دعا یہ سب کچھ مردے کے لئے ہر جگہ سے ہو سکتا ہے۔ انسان جہاں بھی ہو ان کے لئے دعا بھی کر سکتا ہے اور اپنے غم کا اظہار بھی کر سکتا ہے ان کے لئے قبرستان میں جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر صرف یہی مراد لیا جائے تو پھر حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قبر پر حاضر ہو کر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو مدینہ طیبہ میں دور سے ہی ایسا کر لیتیں۔ ان کا قبر پر جانا اور پھر ان کو خطاب کرنا اور آپ کا قبرستان میں جا کر سلام کرنا، صرف اور صرف اس لئے تھا کہ وہ سنتے ہیں اور یہ ساری باتیں سماع میت پر دلیل ہیں۔ باقی ائمہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول اور عمل تو اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت عدم سماع والی کے خلاف واضح ہے اور بیان بھی ہو چکا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی صورت میں بھی عدم سماع والی روایت قبول نہیں۔

جواب نمبر ۲...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس لئے روکا تاکہ قرآن وحدیث میں ظاہری تعارض نہ ہو۔ حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اماں عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کا ذوق وتحقیق یہ تھی کہ قرآن وحدیث میں اس طرح تطبیق دیدی جائے کہ دونوں میں کسی قسم کا تعارض باقی نہ رہے۔ نہ لفظی، نہ معنوی۔ اس لئے ظاہری تعارض کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے یہ صورت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بتائی کہ سماع کی جگہ علم کا لفظ بول دیا جائے (تو بہتر ہوگا، کیونکہ علم بھی سماع کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اگر "ما انتم باسمع بما اقول لهم" کی جگہ یہ الفاظ کہے جائیں گے۔ "انهم يعلمون الآن ان ما اقول لهم حق" تو قرآن وحدیث میں مطابقت بھی ہو جائے گی اور معنی ومفہوم بھی ایک ہی رہے گا۔ (تسکین الاتقیاء ص ۲۹۹)

سماع موتی (مردوں کا سننا) احادیث کی روشنی میں

اب سماع موتی کو ثابت کیا جائے گا احادیث کی روشنی میں لیکن اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ ہمارا مقصد سماع موتی والی جملہ احادیث کا احاطہ کرنا نہیں اور نہ ہی یہ ہمارے بس کی بات ہے۔ بلکہ بعض احادیث پیش کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو لوگ سماع موتی کے قائل ہیں۔ وہ بھی قرآن وحدیث کے موافق عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کا کوئی اپنا بنایا ہو عقیدہ انہیں ان کے دعویٰ اور دلیل کو کلیۃً رد کر دینا فہم وبصیرت، علم وانصاف سے کوسوں دور ہے۔ ہاں! اختلاف مسائل میں اپنے پسندیدہ مسلک کو دلائل سے ثابت کرنا اور انصاف اور دیانت کے ساتھ علم وتحقیق کی روشنی میں فریق ثانی کو جواب دینا ایک خالص علمی ودینی خدمت ہے جس کو اہل علم حضرات وقتاً فوقتاً انجام دیتے رہتے ہیں۔

مردہ جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے

حدیث نمبر ۱...... "عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العبد اذا وضع فی قبره وتولى وذهب

اصحابه حتی انه لیسمع قرع نعالهم اتاه ملکاناالخ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۸، سنن کبری ج ۴ ص ۸۰، ابو دائود ص ۹۸۲، ج ۲، شرح السنة ص ۴۱۵، ج ۵) ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندے کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی (اس کو دفنانے والے) واپس آ رہے ہوتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سن ہی رہا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاس دو فرشتے (منکر نکیر) آ جاتے ہیں۔

فائدہ! ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے قسم اٹھا کر فرمایا ’’والذی نفسی بیده انه یسمع خفق نعالهم حین یولون عنه‘‘ (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ وہ مردہ ان کی جوتیوں کی آہٹ کو سنتا ہے جس وقت لوگ واپس ہوتے ہیں) (مستدرک حاکم ص ۳۸۰، ج ۱) صحیح احادیث میں آپ علیہ السلام قسم اٹھا کر بتا رہے ہیں۔ تاکہ سننے والا کسی قسم کا کوئی شک نہ کرے کہ مردہ کیسے سنتا ہے؟ بلکہ یقین رکھے کہ مردہ آواز کو سنتا ہے۔ جب جوتوں کی آواز سن لیتا ہے تو انسانوں کی آواز کو بطریق اولیٰ سنتا ہوگا۔ اس کی مثال ایسے سمجھو:

مردے کے سننے کی مثال

بعض مکانوں کی چھت لوہے وغیرہ کی چادروں سے بنائی جاتی ہے۔ اب جب آدمی اس لوہے وغیرہ کی چھت کے نیچے بیٹھا ہو۔ اس کو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر چھت کے اوپر کوئی تنکا بھی گرے یا کوئی درخت چھت کے قریب ہو تو اس کے پھول، پتے پھل وغیرہ اس پر گریں تو اندر والے کو فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ اوپر کوئی شئ گری ہے۔ اسی طرح بارش کے قطرات بھی اگر گریں تو فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ بارش شروع ہوگئی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی انسان اس چھت پر چلے تو فوری طور پر بیٹھنے والے کو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی اوپر چل رہا ہے جیسے جیسے وہ چلتا جائے گا اس کو پتہ چلتا جائے گا کہ اب وہ کہاں پہنچا ہے۔ بالکل اسی چھت کی طرح مردے کے لئے اوپر والی مٹی ہوتی ہے۔ اگر کوئی سلام کرے یا چلے پھرے یا اس قبر پر تکیہ لگائے تو اس کو پتہ چل جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ٹیک لگانے کے ساتھ مردہ کو تکلیف مت دو۔ باقی جوتیوں کی آواز کا سننا یہ حقیقت پر محمول ہے کہ واقعتاً جب انسان چلتا ہے تو اس کی جوتی کی آہٹ وہ مردہ سنتا ہے جیسا کہ ملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ علامہ ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے کہ قرع نعال سے جوتیوں کی زمین پر پڑنے کی آواز مراد ہے اور اس حدیث میں مردہ کے قبر میں زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ (مرقات ص ۱۹۸، ج ۱)

نوٹ: حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردہ سچ مچ دفن کر کے واپس جانے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس حدیث کا یہی مطلب اور صحیح مراد ہے اور جمہور شراح حدیث سے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (سماع موتیٰ ص ۱۵۰)

حدیث نمبر ۲...... حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام سے پوچھا کہ ’’یارسول الله! ان طریقی علی الموتی فهل من کلام اتکلم به اذا مررت علیهم قال: قل السلام علیکم یااهل القبور من المسلمین و المؤ منین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا ان شاء الله بکم لاحقون قال ابو رزین

یارسول اللّٰہ ھل یسمعون؟ قال یسمعون ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا، قال یاابارزین الا ترضی ان یردعلیک بعددھم من الملائکۃ (شرح الصدور ص ۸۴)" (حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام سے پوچھا؟ کہ یارسول اللہ! میرا راستہ مردوں کے پاس (یعنی قبرستان) سے گزرتا ہے۔ پس کوئی کلام ہے کہ میں گزرتے ہوئے کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ کہا کرو سلامتی ہو تم پر اے قبروں والے، جو مسلمان اور مومن ہو تم ہمارے پیش رو ہو (یعنی امام) اور ہم تمہارے تابع ہیں اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ نے (تعجب سے) عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا وہ سنتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں! وہ سنتے ہیں۔ مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے (ایسا جواب جس کو انسان اور جنات سن سکیں) آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابورزین رضی اللہ عنہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں؟ کہ تم جتنے مردوں کو سلام کرو۔ اتنی تعداد میں فرشتے تمہیں جواب دیں)

حدیث نمبر ۳...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرمایا کہ "ما من رجل یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام (کتاب الروح ص ۱۳، جامع صغیر ص ۱۵۱، ج ۲)" (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے (مسلمان) بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے۔ جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا۔ وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے)

فائدہ! یہ انس حاصل کرنا اور آنے والے کے ساتھ مانوس ہو جانا۔ یہ سب کچھ سلام و کلام سننے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گویا سماع موتی کی واضح دلیل ہے۔ جتنی احادیث بیان کی گئی ہیں ان میں واضح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ میت سنتی ہے۔ جو اہل سنت والجماعت کا راجح اور اقوی قول ہے۔ اب آپ حضرات ذرا اجماع کی صورت میں یہ مسئلہ پڑھیں کہ سماع موتی پر ائمہ اسلاف کا بھی اجماع ہو چکا ہے اور "سماع سے مراد سماع فی الجملہ" ہے۔

حدیث نمبر ۴...... حضرت ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل سند کے ساتھ عبید بن مرزوق سے نقل کیا ہے کہ ایک عورت مدینہ منورہ میں رہتی تھی اور مسجد کی صفائی وغیرہ کا اہتمام رکھتی تھی۔ اچانک وہ فوت ہو گئی۔ آپ علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہوا۔ جب آپ علیہ السلام اس کی قبر کے پاس سے گزرے (تو قبر کو نیا نیا دیکھ کر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا؟ کہ یہ قبر کس کی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ام محجن کی ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو مسجد میں (صفائی وغیرہ کے لئے) رہا کرتی تھی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی جی ہاں! "فصف الناس، فصلی علیھا، ثم قال: ای عمل وجدت افضل؟ قالوا یا رسول اللّٰہ أ تسمع؟ قال ما انتم باسمع منھا، فذکرانھا اجا بتہ قم المسجد (شرح الصدور ص ۹۸)" پس لوگوں نے صفیں بنائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر (اس عورت کو مخاطب کر کے) فرمایا تو نے کس عمل کو افضل پایا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا وہ سن رہی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم سے زیادہ سن رہی ہے اور آپ علیہ السلام نے بتایا کہ اس نے جواب دیا ہے کہ مسجد میں رہنے والا عمل سب سے افضل ہے۔

فائدہ! منکرین حیات وسماع اسی حدیث کو آدھا نقل کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی یوں کوشش کرتے ہیں کہ دیکھو آپ علیہ السلام نے اس عورت کا جنازہ پڑھا۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو نماز جنازہ نہ پڑھاتے یہ ان کے نام نہاد علامہ فہامہ کی بات نقل کی ہے جس کو اتنا پتہ بھی نہیں کہ کس زندگی کے بارے میں ہمارا اختلاف ہے اور کس زندگی کی وجہ سے جنازہ وغیرہ پڑھا جاتا ہے تو اس کو علم ہونا چاہئے کہ جنازہ ہے دنیا والی زندگی ختم ہونے کی وجہ سے اور زندگی

ہے۔ عالم برزخ والی، دونوں کے علیحدہ علیحدہ محل ہیں۔ ان کا یہ استدلال انتہائی ناقص و جاہلانہ ہے اور یہ حدیث ہمارے مسلک کے عین مطابق ہے کہ مردہ سنتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے۔ قارئین دیکھو ہم نے جو دعویٰ کیا ہے کہ مردہ سنتا ہے اسی کے عین مطابق احادیث آ رہی ہیں جن میں صراحتاً یہ لفظ موجود ہے کہ قبر والا سنتا ہے اور منکرین حیات کے پاس کوئی قول تک نہیں ہے جس نے کہا ہو کہ مردہ کلیۃً نہیں سنتا۔

حدیث نمبر ۵ ...... حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور اسی طرح حافظ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ سے یہ روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی فوت ہو جائے اور تم اس پر مٹی ڈال کر قبر درست کر چکو" فلیقم احدکم علی راس القبر ثم لیقل یافلان بن فلانۃ فانہ یسمعہ ولا یجیب (شرح الصدور ص ۴۴، قرطبی ص ۳۱)" تو تم میں سے ایک آدمی اس قبر کے سرہانے کھڑا ہو جائے اور یہ کہے اے فلاں فلاں عورت کے بیٹے پس بے شک وہ سنتا ہے۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکتا (ایسا جواب جس کو تم سن سکو)

حدیث نمبر ۶ ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ میں غزوۂ بدر کیا جس میں کفار کے بڑے بڑے ستر سردار مارے گئے۔ ان میں سے چوبیس کافروں کی لاشوں کو بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا تھا تو آپ علیہ السلام تیسرے دن اس کنویں کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہوئے ارشاد فرمایا ایک ایک کافر کو اس کے باپ کے نام کے ساتھ۔ کیا تمہیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ ہمارے ساتھ اللہ نے جو وعدہ کیا تھا وہ تو پورا ہو گیا۔ کیا جو (عذاب و سزا والا) وعدہ تم سے کیا تھا۔ وہ بھی پورا ہو گیا یا نہیں؟ اس گفتگو کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! ایسی قوم کو آپ خطاب کر رہے ہیں جن میں ارواح ہی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم ہے۔ اس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے" ماانتم باسمع لما اقول منھم "نہیں ہو تم زیادہ سننے والے اس بات کو جو میں ان سے کہہ رہا ہوں (یعنی تم سے زیادہ یہ مردے سن رہے ہیں۔ کیونکہ روح کی تمام توجہات صرف اجسام کی طرف ہیں۔ اس لئے وہ زیادہ سن رہے ہیں۔ (بخاری ص ۵۶۶، ج ۱، مسلم ص ۳۸۷، ج ۲، مسند احمد ص ۱۰۴، ج ۳)

حدیث نمبر ۷ ......" روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال آنس مایکون المیت فی قبرہ اذا زارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا (شرح الصدور ص ۲۰۳)" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میت کی کوئی ایسا شخص زیارت کرتا ہے جس کو وہ دنیا میں محبوب رکھتا تھا تو میت اس کی زیارت سے انس حاصل کرتی ہے۔

سماع موتی اجماع کی روشنی میں

۱ ...... حافظ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے لئے یہ حکم ثابت ہے کہ وہ جب اہل قبور کو سلام کریں تو اس طرح سلام کریں جس طرح مخاطب سے (سامنے والے سے) سلام کیا جاتا ہے۔ سو سلام کہنے والا کہے" السلام علیکم دار قوم مؤمنین "اے مؤمنوں کی بستی میں رہنے والو تم پر سلام ہو اور یہ خطاب اس کو ہے جو سنتا ہے اور جانتا ہے۔ اگر ان کو یہ خطاب نہ ہوتا تو اس میں (یعنی سننے میں) وہ ایسے ہوتے جیسے معدوم و جماد (یعنی پتھر وغیرہ کی طرح ہوتے)" والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الاثار عنھم بان المیت یعرف بزیارۃ الحی ویستبشر بہ۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۸، ج ۳)" اور سلف صالحین نے اس پر اجماع کیا ہے اور

تواتر کے ساتھ ان سے آثار مروی ہیں کہ جب کوئی زندہ مردہ کی زیارت کے لئے آتا ہے (اور اسے سلام کہتا ہے تو اس کی آواز سے) مردہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے آنے سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اپنے اسی مذکورہ دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے کئی روایات اور آثار نقل کئے ہیں اور پھر اس بحث کے اختتام پر لکھتے ہیں: ''فھذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع ویخاطب ویعقل ویرد وان لم یسمع المسلم الرد، واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۹ ج ۳)'' (پس یہ سلام اور خطاب اور ندا اس موجود کو ہے جو سنتا ہے اور اس سے خطاب کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دے سکتا ہے۔ اگرچہ سلام کہنے والا میت کے جواب کو (عادتاً) سن نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ خوب اور بہتر جاننے والا ہے)

فائدہ! حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان صحیح احادیث اور سلف صالحین کے اجماع اور اتفاق کے پیش نظر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ کا یہ بیان اور تشریح خالص حق ہے اور شرعی طور پر اس میں ذرہ بھر بھی افراط اور تفریط نہیں۔ (سماع موتی ص ۱۵۶)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ کا قول کہ سماع موتی پر سلف نے اجماع کیا ہے

۲...... حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ لکھتے ہیں تحقیق سے آپ ﷺ نے اپنے امتیوں کے لئے یہ مشروع قرار دیا ہے کہ وہ جب اہل قبور کو سلام کریں تو ان سے ایسے انداز سے سلام کریں جیسے مخاطب سے کیا جاتا ہے اور خطاب ان سے ہے جو سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا۔'' والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الاخبار عنھم بان المیت یعرف زیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ (کتاب الروح ص ۴)'' حالانکہ سلف صالحین کا اسی پر اجماع ہو چکا ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے یہ خبریں منقول ہیں کہ مردہ اس زندہ کو (آواز سے) پہچان لیتا ہے جو اس کی زیارت کے لئے آتا ہے اور مردے کو اس سے خوشی بھی حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ! سرمایۂ اہل سنت والجماعت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ اپنے دور کے اندر موحدین کے سربراہ اور امام تھے جس چیز کے بارے میں ان بزرگوں کو ادنیٰ سا وہم بھی ہو جاتا تھا کہ یہ چیز شرک یا ذریعہ شرک (یا شبۂ شرک) ہے اس کا صاف اور صریح الفاظ میں اور جاندار الفاظ کے ساتھ بے باک قلم سے ''بغیر خوف لومۃ لائم'' رد کر دیتے تھے اور اس میں کسی مصلحت یا خطرہ کو دل میں بالکل نہیں لاتے تھے، ان موحدین حضرات کا یہ اقرار ہی نہیں۔ بلکہ واضح عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ثابت کرنا کہ سماع موتی حق ہے اور پھر اس پر اجماع پیش کرنا اس بات کی کھلی اور واضح دلیل ہے کہ (مسئلہ سماع موتی نہ شرک ہے۔ نہ ذریعۂ شرک ہے، نہ شائبۂ شرک ہے) بلکہ شرعی دلائل کے پیش نظر اس سماع موتی کے انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ (سماع موتی ص ۱۶۰)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ کا قول کہ مردہ جانتا ہے اس پر اجماع ہو چکا ہے

۳...... ''قال التفتازانی: فی شرح المقاصد: ان علم المیت مجمع علیہ ولکنہ لا حرکۃ لہ: اقول ان نقل اجماع التفتازانی فی حیز الخفاء.'' علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں کہ میت کے علم پر سب کا اتفاق ہے لیکن مردہ حرکت نہیں کرتا میں (حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ) کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ کا اجماع نقل کرنا حیز خفاء میں ہے۔

فائدہ! میت کے علم پر اجماع ہو گیا ہے اور علم بغیر سننے کے آ نہیں سکتا لہٰذا سننا خود بخود اجماع سے ثابت ہو گیا۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

۴...... سوال: کیا موت کے بعد انسان کے لئے ادراک وشعور باقی رہتا ہے؟ اور وہ اپنی زیارت کرنے والوں کو پہچانتا ہے اور ان کا سلام وکلام سنتا ہے یا نہیں؟

جواب......"انسان را بعد موت ادراک باقی می ماند براین معنی شرع شریف وقواعد فلسفی اجماع دارند امادر شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم بتواتر ثابت است . . . الی ان قال بالجملہ انکار شعور وادراک اموات اگر کفریہ نباشد درالحاد بودن او شبہ نیست (فتاوی عزیز ص۸۸، ج ۱ فارسی، ۱۵۸، ج ۱ اردو ترجمہ)" (حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ موت کے بعد انسان کا ادراک باقی رہتا ہے اس نظریہ پر شرع شریف اور قواعد فلسفہ کا اجماع ہے رہا شرع شریف کا معاملہ تو قبر کا عذاب وراحت تواتر سے ثابت ہے...... (پھر آخر میں فرمایا کہ) بالجملہ اموات کے شعور اور ادراک کا انکار اگر کفر نہیں تو اس کے الحاد ہونے میں (بے دین ہونے میں) تو شک وشبہ ہی نہیں ہے)

فائدہ! مردوں کے لئے احادیث مبارکہ اور اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ سماع فی الجملہ ثابت ہے اور ان کو شعور وادراک ہوتا ہے اس کا انکار اگرچہ کفر نہیں لیکن بے دینی وگمراہی والحاد ضرور ہے جس سے (یعنی عدم ادراک وشعور کے قول سے) توبہ ضروری ہے۔ ورنہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب لازم آئیگا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حق وسچ سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ سماع موتیٰ ضروریات دین میں سے ہے

۵...... علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قلیب بدر کے کفار کے سماع کا جو انکار کیا ہے وہ اس میں بے قصور ہیں، معذور ہیں کیونکہ وہ اس بدر والے موقع پر موجود نہ تھیں اور ان کو یہ ارشاد نہیں پہنچا اور دوسرے ان کی طرح معذور نہیں ہو سکتے "لان ھذہ المسئلۃ (سماع موتیٰ) صارت معلومۃ من الدین بالضرورۃ (المنحۃ الوھبیہ ص ۱۳۰)" اس لئے کہ سماع موتیٰ کا مسئلہ ضروریات دین سے معلوم ہو گیا ہے۔

فائدہ! اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سماع موتیٰ کے مسئلے کو ضروریات دین کے مسائل میں شمار کرتے ہیں اور ضروریات دین کے مسئلہ کا بغیر تاویل کے انکار کرنا کفر ہے اور تاویل وتحریف کے ساتھ انکار الحاد اور بے دینی ہے۔

سماع موتیٰ فتاویٰ کی روشنی میں

فتویٰ نمبر ۱...... حضرت مفتی کبیر امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف قاضی خان (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قبروں کے پاس اس نیت سے قرآن پاک پڑھا کہ اس قرآن کریم پڑھنے کی آواز (سننے) سے مردہ انس حاصل کرتا ہے اور مانوس ہوتا ہے تو بلاشک وہ (قبر پر) پڑھے اور اگر یہ نیت (مردہ کو سنانے والی) نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ سے قرأت قرآن کو سنتا ہے (قبر کے پاس پھر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟) (فتاویٰ قاضی خان ۱۹۷ ج ۴)

فتویٰ دارالعلوم دیوبند کہ تلقین جائز ہے

فتوی نمبر ۲......سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب سے یہ سوال ہوا کہ میت کو دفن کرنے بعد تلقین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب......تلقین بعد الدفن کو فقہاء نے جائز رکھا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۳۹۲ ج ۵)

فائدہ! تلقین یہ ہوتی ہے کہ قبر کے پاس بیٹھ کر لا الہ الا اللہ پڑھنا، یا ذکر کرنا، قرآن کی تلاوت کرنا، میت کے لئے استغفار کرنا، ثابت قدمی کی دعا کرنا اور قبر والے کو مخاطب کر کے یوں کہنا کہ "من ربک" کا جواب کہو ربی اللہ، وغیرہ یہ سب تلقین میں شامل ہے یہ اس لئے کی جاتی ہے۔ تا کہ میت منکر نکیر کے، سوال کا جواب صحیح دے سکے اور بعض سلف حضرات خود اس کی وصیت کرتے تھے کہ مجھے دفنانے کے بعد کچھ دیر کے لئے میری قبر پر بیٹھ کر ذکر وغیرہ ضرور کرنا۔

میت تلقین کو سنتی ہے

فتوی نمبر ۲......سوال؟ "هل يسمع الميت التلقين" کیا میت تلقین کو سنتی ہے؟

جواب......حضرت امام ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح کے جسم سے تعلق کی وجہ سے تلقین کو (میت) سنتی ہے۔ (فتاویٰ ابن الصلاح ص ۴۰)

میت کو تلقین کرنے سے منع نہ کیا جائے

فتوی نمبری ۴......علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فتوی دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دفن کرنے کے بعد تلقین کرنے سے منع نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں کوئی نقصان نہیں بلکہ نفع ہی ہے۔ اس لئے کہ میت ذکر سے انس حاصل کرتی ہے۔ جیسا کہ آثار میں وارد ہوا ہے۔ (شامی ص ۱۸۱ ج ۳)

فائدہ! علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میت قبر پر حاضرین سے انس حاصل کرتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۱۸) دوسری کتاب میں فرماتے ہیں کہ احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ میت زیارت کرنے والے کا علم رکھتی ہے اور اس کے کلام کو سنتی ہے اور اس سے انس حاصل کرتی ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتی ہے او یہ ساری چیزیں شہداء اور دوسروں کے حق میں عام ہیں اور اس میں کسی وقت کی کوئی قید نہیں۔ (طحطاوی ص ۶۲۰)

سماع موتی ثابت ہے

فتوی نمبر ۵......شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ سماع موتی صحیح ہے یا نہیں؟ مردے زندہ کی پکار (آواز) کو سنتے ہیں یا نہیں؟ اگر سنتے ہیں تو جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب......یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں (۱) اسماع (۲) استماع (۳) سماع اور استماع کی نفی ہے (سنانے اور اپنی قدرت سے سننے کی) قبرستان میں جا کر سلام کرنا سنت ہے، مسنون ہے، اتنی زیادہ مٹی کے نیچے

میت تک آواز پہنچانا تو آواز والے کی قدرت میں نہیں۔ لیکن اس کے باوجود مردوں کے لئے سماع سننا ثابت ہے، جن روایات سے نفی معلوم ہوتی ہے وہاں استماع کی نفی ہے۔ (فتاوٰی محمودیہ ص ۶۵ ج ۱)

فتوی نمبر ۶...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے سماع موتی کے بارے میں کئی فتوے جاری کئے ہیں۔ ان میں سے ایک فتوی یہ ہے کہ اعدل الاقوال اور اصح ومختار یہ ہے کہ جن جن مواقع میں میت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے وہاں بغیر سوچے سمجھے بلا تامل یقین کیا جائے (کہ میت کلام وسلام سنتی ہے) باقی نص کے علاوہ عام کلام کے متعلق کوئی ضابطہ تو ہے نہیں کہ ضرور سنتے ہیں۔ لیکن یہ نہ سننا بھی ضروری نہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سنا دے...... ہذا ہو التحقیق۔ (امداد المفتیین ص ۲۹۱)

فائدہ! ان تمام فتاوٰی جات سے معلوم ہوا کہ اہل تحقیق کے نزدیک سماع فی الجملہ میت کے لئے ثابت ہے جو اس کا قائل ہے وہ حق پر ہے اور جو اس کو برا بھلا کہے وہ گمراہی اور ضلالت کی راہ چل رہا ہے۔

عقیدہ سماع موتی علماء اسلام کی نظر میں

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے

۱...... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے مسلک کے مطابق احادیث سے ثابت ہیں۔ مثلاً یہ کہ مردہ دفن کرنے والوں کی واپسی پر ان کی جوتیوں آہٹ سنتا ہے اور یہ کہ قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں اور یہ کہ جب ہتھوڑے سے پیٹا جاتا ہے تو اس کی آواز سنی جاتی ہے اور یہ کہ جب اس کے دو کانوں کے درمیان گرز مارا جاتا ہے اور یہ کہ منکر نکیر اس کو بیٹھاتے ہیں' وکل ذلک صفات الاجسام'' اور یہ تمام (مذکور) کام اجسام کی صفات ہیں (نہ کہ روح کی)۔ (فتح الباری ص ۱۸۲ ج ۳)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ مردہ کلام وسلام سنتا ہے

۲...... حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فان سائر الاموات ایضا یسمعون السلام والکلام'' کہ بے شک تمام مردے بھی سلام وکلام سنتے ہیں (یعنی یہ سماع صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی کی خصوصیت نہیں ہے) بلکہ عام مردے بھی سلام وکلام سنتے ہیں۔ (مرقات ص ۲۱۰ ج ۲)

علامہ محمد بن اسماعیل کا قول کہ مردہ سلام سنتا ہے

۳...... علامہ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۱۸۲ھ) السلام علیکم یا اہل القبور کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وفیہ انھم یعلمون بالمار بھم وسلامہ علیھم والا لکان اضاعۃ'' کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کے قریب سے گزرنے والوں اور ان کو سلام کہنے والوں کو مردے (ان کی آواز سے) پہچانتے ہیں۔ ورنہ انہیں سلام کرنا ایک بیہودہ حرکت ہوگی لغو کام ہوگا۔ (سبل السلام ص ۱۵۷ ج ۲)

فائدہ! اس قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ سلام والی حدیثوں میں تاویل کرتے ہیں کہ مردے کو سلام کرنے کا مطلب ہے دعا کرنا وہ غلط ہے، ان کی تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے۔ کیونکہ مذکورہ قول اس طرف مشیر

ہے کہ اگر کوئی تاویل کی گنجائش ہوتی تو حضرت یہ نہ فرماتے کہ اگر وہ مردے سلام وکلام اور آنے والوں کو نہ پہچانیں، تو یہ کام لغو اور بیہودہ حرکت ہوتی، بلکہ یہ فرماتے کہ ٹھیک ہے اور دعا میں یہ چیزیں شمار ہو جاتی ہیں۔

علامہ محمد بن احمد الانصاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے

۴...... علامہ محمد بن احمد الانصاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں سماع موتی پر بحث کرتے ہوئے کہ قبر پر سلام کہنے والی روایات اور وہ جو روایت کیا گیا ہے کہ روحیں بعض اوقات قبروں کے کنارے پر ہوتی ہیں اور یہ کہ میت واپس جانے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے۔ پس اگر مردہ نہ سنتا ہو تو اس کو سلام نہ کہا جاتا اور یہ بالکل واضح ہے اور ہم نے اپنی کتاب تذکرہ میں اس کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۳۳ ج ۱۳)

علامہ آلوسی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ مردہ سلام سنتا ہے

۵...... حضرت علامہ آلوسی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مردے سلام تو سنتے ہیں۔ لیکن جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے طاقت نہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس معہود (رائج) طریقے پر رد نہیں کرتے کہ اس کا جواب زندہ لوگ سن سکیں۔ (روح المعانی ص ۵۱ ج ۲۱)

عقیدہ سماع موتی علماء دیوبند کی نظر میں

حجۃ اللہ علی العالمین مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

۱...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) بانی دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ میں اپنے خیال نارسا کے موافق سمع اموات، حد اسماع سے پرے ہے (دور ہے) لیکن استماع اموات (اللہ کی قدرت کے ساتھ) ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے "انک لا تسمع الموتیٰ" فرمایا (اسماع کی نفی کی ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس آیت کے سلام اہل قبور مسنون کر دیا۔ اگر استماع ممکن نہیں تو پھر یہ (سلام) بیہودہ حرکت یعنی سلام اہل قبور ملحدوں کی (منکرین حات کی) زبان درازی کے لئے کافی ہے۔ (جمال قاسمی ص ۸)

حضرت علامہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ مردہ سنتا ہے

۲...... میں (انور شاہ) کہتا ہوں کہ مردوں کے سننے کی احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور ایک حدیث میں آتا ہے جس کی تصحیح امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے کہ جب مردہ پر سلام کیا جاتا ہے۔ تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر وہ اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو پہچان بھی لیتا ہے۔ اس روایت کو امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے۔ پس سماع موتی کا انکار بالکل بے موقع ہے، خاص طور پر جب کہ ہمارے احناف میں سے کسی سے یہ منقول نہیں تو ضروری ہے فی الجملہ سماع کا التزام کیا جائے۔ (فیض الباری ص ۴۶۷ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ سماع موتی ثابت ہے

۳...... حضرت فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ یہی حق ہے جو قبول کے لائق ہے اور قرآن کریم کا صیغہ اور شان نزول بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اسی سے ان روایات میں توافق پیدا ہو جاتا

ہے جو آپ علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیو بند دامت برکاتہم کا بھی یہی مختار قول ہے۔ (احکام القرآن ص ۱۰۴)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ مردہ سنتا ہے

۴...... حضرت فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ مردہ مطلقاً خطاب کا اہل ہے کیونکہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص بھی اپنے مؤمن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو دنیا میں وہ پہچانتا تھا اور وہ (گزرنے والا) اسے سلام کہتا ہے تو مردہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (فتح الملہم ص ۵۰۸ ج ۲) دوسری جگہ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں ہمیں مجموعۂ احادیث سے حاصل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی خوب جانتا ہے۔ وہ چیزیں یہ کہ سماع موتی فی الجملہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ (فتح الملہم ص ۴۷۹ ج ۲)

عقیدہ سماع موتی واقعات کی روشنی میں

واقعہ نمبر ۱...... مصر کے شہر اسکندریہ میں شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ۷۰۹ھ کو "شارح ھدایہ" ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور سورۃ ھود کی تلاوت شروع کی ایصال ثواب کی نیت سے جب اس آیت پر پہنچے "فمنهم شقی وسعید" تو قبر کے اندر سے آواز آئی کہ "یاکمال لیس فینا شقی" (کہ اے کمال ہمارے قبرستان میں کوئی بد بخت نہیں ہے) (مقدمہ اکمال الشیم از شارح ابی داؤد مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ! اس واقعہ سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ میت آنے والے کا سلام وکلام سنتی ہے اور اس کو پہچانتی ہے۔ وہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی گزشتہ زمانے کے لوگ ماشاء اللہ اکثر نیک ہوتے تھے۔ نہ یہ کہ آج کل کی طرح اکثر بد ہوتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبر والوں کا خبر دینا

واقعہ نمبر ۲...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ جنت البقیع میں تشریف لے گئے تو آپ نے قبر والوں کو سلام کیا پھر یہ ارشاد فرمایا کہ ہماری دنیا والوں کی خبر تو یہ کہ تمہاری بعض بیواؤں نے دوسرے خاوندوں سے نکاح کر لیا اور تمہارے گھروں میں دوسرے لوگ آباد ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم کر دیئے گئے۔ اندر سے آواز آئی اور یوں آپ کو جواب دیا گیا کہ اے خطاب کے بیٹے ہماری خبر یہ ہے کہ جو اعمال ہم نے کئے تھے۔ ان کا اجر مل گیا اور جو مال اللہ کے نام دیا تھا۔ اس میں ہمارا نفع رہا اور جو چھوڑ آئے تھے۔ اس میں نقصان ہی نقصان رہا۔ (تفسیر قرطبی سورۃ بقرہ ص ۱۶۹)

فائدہ! معلوم ہوا کہ مردے سنتے ہیں سلام وکلام کرنے والوں کو پہچانتے بھی ہیں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے وضاحت ہوئی۔

حضرت سلطان الاولیاء کا فوت ہونے کے بعد ہاتھ کا اشارہ کرنا

واقعہ نمبر ۳...... حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات ہوئی اور ان کا جنازہ لوگ لے کر قبرستان کو چلے تو ان کے ایک مرید پر ایک خاص قسم کی حالت طاری ہوگئی۔ کیونکہ شیخ کے انتقال کا صدمہ مرید کو بہت زیادہ تھا غرض جنازہ جا رہا تھا کہ اس مرید نے جنازہ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھے:

اے سرو سیمنار (یہ نام ہے) کہاں جنگل میں تو جارہا ہے نہایت عدم محبت کا ثبوت ہے کہ ہمارے بغیر آپ جارہے ہیں
اے وہ ذات کہ ترا چہرہ عالم کے لئے تماشا گاہ بنا رہا آپ کہاں تماشے کے لئے جا رہے ہیں

یہ فارسی میں شعر پڑھے تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان الاولیاء کا کفن میں سے ہاتھ اونچا ہوگیا (جیسے کسی کو روکنے کے لئے کیا جاتا ہے) لوگوں نے مرید صاحب سے کہا کیا غضب کرتے ہو چپ رہو، اولیاء اللہ میں عام لوگوں سے حیات برزخی کچھ زیادہ ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی وجد میں آجاتے ہیں۔

(اشرف الجواب کامل ص ۵۰۳ از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قبر سے درد بھری آواز

واقعہ نمبر ۴......حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت صفوان بن امیہ ایک قبرستان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جنازہ آیا انہوں نے کسی دوسری قبر سے ایک غمگین شخص کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا "اے امینہ! اللہ تیری وجہ سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے۔ اے امینہ! ہمارے پاس تو آ قبر کے اندھیرے سے نہ گھبرا اگرچہ تجھ کو مٹی ہی کیوں نہ لگ جائے۔" جب لوگوں کو یہ واقعہ سنایا گیا تو لوگ اتنا روئے اتنا روئے کہ داڑھیاں تر ہوگئیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ یہ امینہ کون ہے؟ تو پتہ چلا کہ امینہ وہی عورت ہے جس کا جنازہ آرہا تھا۔ حضرت صفوان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا تھا کہ مردہ شاید نہیں بولتا۔ لیکن اب تو آواز کی وجہ سے یقین ہوگیا کہ مردے بولتے ہیں۔ (شرح الصدور، ص ۹۶)

فائدہ! علماء دیوبند کا مسلک اظہر من الشمس ہے کہ واقعتا مردہ آنے والوں کو پہچانتا بھی ہے۔ بولتا بھی ہے۔ سلام وکلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

نور کی وجہ سے میت کی آنکھوں کا چندھیا جانا

واقعہ نمبر ۵......ایک عورت کا انتقال ہوگیا۔ اس کا بیٹا روزانہ والدہ کی قبر پر جاتا اور قرآن شریف پڑھتا۔ ایک بزرگ صاحب کشف اس عورت کی قبر پر ایک دن پہنچے تو کشف کی صورت میں عورت سے بات ہوئی تو اس عورت نے کہا میرے بیٹے کو کہو کہ جب وہ میری قبر کے پاس آیا کرے تو ذرا دیر ٹھر جایا کرے۔ پھر اس کے بعد تلاوت شروع کیا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کو ایک نظر دیکھوں۔ لیکن جب وہ آتا ہے تو آتے ہی فوراً قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے اس کے منہ سے اتنا نور نکلتا ہے کہ میری آنکھیں چکا چوند ہو جاتیں ہیں اور میں اس کو دیکھ نہیں سکتی۔ (جیسے سورج کو دیکھنے سے آنکھیں بند ہونا شروع ہو جاتیں ہیں اور انسان دیکھ نہیں سکتا) (ملفوظات فقیہ الامت قسط نمبر ۵ ص ۶۹)

فائدہ! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ میت ہر آنے والے کو پہچانتی ہے۔ اس کے کلام سنتی ہے اور خوشی محسوس کرتی ہے اور مزے کی بات یہ کہ میت دیکھتی بھی ہے۔ یہ دیکھنا اس طرح سمجھو جیسے قبر کی اوپر والی مٹی کو اللہ تعالیٰ نے میت کے لئے کالے شیشے کی طرح بنا رکھا ہے کہ شیشے کے اندر والا باہر والے کو دیکھتا ہے اور باہر والا اندر والے کو نہیں دیکھ سکتا۔ نیز واقعہ سے اس حدیث کا مطلب بالکل واضح ہوگیا کہ آنے والے کو میت پہچانتی ہے۔ یہ پہچاننا کبھی آواز کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی دیکھنے کے ساتھ۔

ایک مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے

واقعہ نمبر ۷...... شیخ نجم الدین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کے جنازہ میں شریک ہوئے جب لوگ ان کو دفن کر چکے تو تلقین کرنے والے نے قبر کے قریب بیٹھ کر تلقین شروع کر دی۔ شیخ نجم الدین ہنسنے لگے جب کہ ان کی عادت شریفہ ہنسنے کی بالکل نہیں تھی۔ بعض خدام نے پوچھا کہ حضرت کس لئے ہنس رہے تھے؟ حضرت شیخ نے جھڑک کر روک دیا کہ یہ پوچھنے کی باتیں نہیں ہوتیں کئی دن کے بعد خود ہی فرمانے لگے کہ اس لئے ہنسا تھا کہ جب تلقین کرنے والا قبر پر تلقین کے لئے بیٹھا تھا تو میں نے اس دفن ہونے والے بزرگ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے دیکھو جی حیرانگی کی بات ہے کہ ایک مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔ (فضائل حج ص ۲۳۳)

فائدہ! حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میت کو دفن کر دیتے ہیں تو ایک شخص اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر کلمہ طیبہ ذکر وغیرہ پڑھتا ہے اور منکر نکیر کے سوال و جواب دہراتا ہے۔ اس کو تلقین کہتے ہیں اور بزرگ کا یہ ارشاد کہ مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے ظاہر ہے کہ مرنے والا اللہ تعالیٰ کے عشق کی وجہ سے زندہ ہے اور جو تلقین کر رہا تھا۔ وہ اللہ کے عشق والی دولت سے محروم ہے۔

ایک نیک عورت کا واقعہ

واقعہ نمبر ۸...... ایک عورت بڑی عبادت گزار جب مرنے لگی تو اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی ''یا اللہ! مجھے مرتے وقت رسوانہ کرنا اور قبر میں مجھے وحشت میں نہ رکھنا۔'' جب وہ انتقال کر گئی تو اس کے بیٹے نے ہر جمعہ کو اس کی قبر پر جانے کا معمول بنالیا اور قرآن پاک پڑھ کر اس کو ثواب بخشتا تھا اور سب قبرستان والوں کے لئے دعا بھی کرتا تھا۔ ایک دن اس لڑکے نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اماں جان تمہارا کیا حال ہے؟ ماں نے جواب دیا کہ موت کی سختی بڑی خت چیز ہے۔ میں اللہ کی رحمت سے قبر میں بڑی راحت کے ساتھ ہوں۔ ریحان میرے نیچے بچھی ہوئی ہے۔ ریشم کے تکئے لگے ہوئے ہیں۔ قیامت تک میرے ساتھ یہی برتاؤ رہے گا۔ بیٹے نے کہا کہ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو حکم کریں۔ تو اماں نے کہا کہ تو ں ہر جمعہ کو میرے پاس آ کر جو قرآن پاک پڑھتا ہے اس کو نہ چھوڑنا۔ جب تو آتا ہے تو سارے قبرستان والے خوش ہو کر مجھے خوشخبری دینے آتے ہیں کہ تیرا بیٹا آ گیا ہے۔ مجھے بھی تیرے آنے سے بڑی خوشی ہوتی ہے اور ان سب کو بھی بہت خوشی ہوتی ہے۔ وہ لڑکا کہتا ہے میں اسی سابقہ طریقے پر ہر جمعہ کو اہتمام سے جایا کرتا تھا۔ (عذاب قبر سے بچو ص ۳۳۳)

فائدہ! دلائل، فتوے، اقوال اور علماء دیوبند کی عبارات اور واقعات سے مسئلہ سماع موتی اتنا واضح ہو گیا ہے کہ اب انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

عقیدہ ایصال ثواب...... چودھواں اختلاف

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

اہل سنت علماء دیوبند کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کو ایصال ثواب کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اس کے ایصال ثواب کا فائدہ اس شخص کو ہوتا ہے جس کیلئے ایصال ثواب کیا گیا ہے یعنی ایصال ثواب برحق ہے یہی مذہب

احناف کا ہے۔ خواہ ایصال ثواب زندہ کو کریں یا مردہ کو کریں۔ اگر مردہ کو ایصال ثواب کیا گیا اس کو اگر قبر میں عذاب ہو رہا تھا تو یقیناً اس کو قبر میں ثواب پہنچے گا اور اس کا عذاب ہلکا ہوگا یا بالکل ختم ہو جائے گا اور اگر وہ نیک آدمی ہے تو اس کے درجات بلند و بالا ہوں گے۔ ایصال ثواب چاہے عبادت مالیہ کے ذریعے کیا جائے جیسے کپڑے یا جوتا یا نقد پیسے یا کتابیں یا قرآن پاک یا حدیث یا کوئی ایسی چیز خرید کر کے دے دیں جس کا وہ حاجت مند ہے۔ احادیث میں بھی اس کی صراحت ہے جیسا کہ آنے والے واقعات میں آپ پڑھ لیں گے یا ایصال ثواب، عبادت قولیہ کے ذریعے ہو جیسے تلاوت قرآن یا ذکر اللہ، یعنی تسبیح وغیرہ، یا ایصال ثواب، عبادت بدنیہ کے ذریعے ہو۔ جیسے نفلی نماز وغیرہ کا ثواب یا حج وعمرہ کا ثواب، یا روزہ کا ثواب جس طریقے سے بھی آپ ایصال ثواب کریں۔ انشاء اللہ! اگر یہ سنت کے مطابق بدعات ورسوم سے ہٹ کر کیا گیا ہے تو ضرور اس کے ثواب سے مردے کی روح اور جسم دونوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

منکرین حیات کا عقیدہ

یہ ہے کہ اگر ایصال ثواب کیا گیا مردے کو جو زمینی قبر میں ہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ قبر میں تو جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق نہیں۔ یہ جسم عنصری تو مثل لکڑی اور پتھر کے ہے۔ اس کو ثواب یا عذاب کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ جسم عنصری تو کچھ دنوں کے بعد ریزہ ریزہ ہوتا ہے۔ قبر میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جب قبر میں کچھ نہیں تو اس قبر والے کو ایصال ثواب کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ خواہ مخواہ وقت ضائع کرنا ہے۔ اس لئے منکرین حیات وسماع کہتے ہیں کہ ایصال ثواب کرنا جائز نہیں۔ نہ ہی ایصال ثواب کی نیت سے قبرستان میں جانا جائز ہے۔

بدنی، مالی طریقہ پر ایصال ثواب کا حکم

حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ میت کے لئے ایصال ثواب درست جائز ہے۔ خواہ بدنی عبادت کے ساتھ ہو، خواہ مالی عبادت کے ساتھ ہو، حق اور اقرب الی الصواب یہی بات ہے کہ بدنی اور مالی ہر قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ مگر اس ایصال ثواب کے لئے چند بنیادی اور اصولی شرطیں ہیں جب تک وہ شرطیں نہ ہوں تو ایصال ثواب کا کوئی فائدہ نہیں۔

ایصال ثواب کرنے کے لئے بنیادی اصول اور شرطیں

ا...... میت مومن اور مسلمان اور صحیح العقیدہ ہو چاہے کتنی گنہگار ہی کیوں نہ ہو اسی طرح ایصال ثواب کرنے والا بھی مومن اور مسلمان صحیح العقیدہ ہو۔ ورنہ سب محنت وروپیہ رائیگاں جائے گا۔

فائدہ! پہلے اصول میں تین شرطیں لگائیں: (۱) مسلمان ہو، (۲) صحیح العقیدہ ہو، یعنی ایصال ثواب کرنے والے کا بھی عقیدہ قرآن وحدیث کے مطابق ہو اگر اس کا عقیدہ غلط ہے تو اس کو کسی شے کا کچھ ثواب نہیں ملے گا، تو یہ آگے ثواب کیا پہنچائے گا۔ ایصال ثواب کا فائدہ تب ہوگا جب عقائد بالکل ٹھیک ہوں۔ ورنہ تلاوت وغیرہ کا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ (۳) جو میت ہے جس کو ایصال ثواب کیا جا رہا ہے وہ بھی صحیح العقیدہ ہو۔ یعنی مرنے والے کی جب موت آئی تھی، اس وقت اس کے سارے عقائد صحیح ہوں، قرآن وحدیث کے مطابق ہوں، اگر اس مرنے والے کے عقائد ٹھیک نہیں تھے۔ تو جتنا بھی ایصال ثواب کرتے رہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

چاہے جتنا بڑا بزرگ اس کو ایصال ثواب کرتا رہے۔ کیونکہ سارے اعمال کا اور ثواب کا دارومدار عقائد پر ہے۔ عقائد دونوں کے ٹھیک ہونے چاہئیں ورنہ کچھ ثواب نہیں ہوگا۔

۲...... ایسی کسی عبادت میں ریا، نام ونمود، شہرت اور اپنی مصنوعی عزت اور ناک کی حفاظت کا ہرگز سوال نہ ہو اور نہ ہی لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچنے کا خیال دل میں ہو (یعنی لوگوں کے طعنوں سے بچنے کے لئے قل خوانی اور جمعراتیں کرتا ہے۔ اگر نہ کی تو لوگ کیا کہیں گے؟) اور خیرات من واذی سے پاک ہو (یعنی کسی پر احسان نہ ہو اور نہ ہی کسی کو تکلیف دینا مقصود ہو)۔

۳...... جو مال صدقہ، خیرات میں دیا جائے وہ حلال اور پاک ہو خبیث، ناپاک اور غلول (خیانت والا) غیر طیب ہرگز نہ ہو، جیسا کہ قرآن کریم، صحیح احادیث اور اقوال حضرات فقہائے کرام سے یہ بالکل واضح ہے۔

۴...... جس مال کا صدقہ وخیرات دیا جائے، اس میں کوئی وارث غائب اور نابالغ بچہ نہ ہو، ورنہ اس کا صدقہ کرنا بغیر کسی اختلاف کے حرام ہے اور عذاب خداوندی کا سبب ہے۔

فائدہ! جس مال سے ایصال ثواب کرنا ہے۔ اس میں کسی غائب آدمی کا حصہ نہ ہو کہ اس کو پتہ ہی نہ ہو اور ادھر ایصال ثواب کردیں۔ ہاں! اگر غائب آدمی کے مال کے حصے سے ایصال ثواب کرنا ہے تو پھر اس کی اجازت اور دل کی خوشی لازمی ہے۔ ورنہ عذاب کا سبب تو ہوگا۔ ایصال ثواب کچھ نہیں ہوگا۔ اسی طرح جس مال سے ایصال ثواب کیا جارہا ہے۔ وہ کسی بچے کا مال نہ ہو جو ابھی نابالغ ہے۔ اگر کسی نابالغ بچے کے مال سے ایصال ثواب کیا جارہا ہے۔ تو اس کا بھی گناہ تو ہوگا۔ ثواب کچھ نہ ہوگا۔

۵...... جو قرآن کریم میت پر پڑھا جائے اور بخشا جائے۔ وہ بغیر معاوضہ اور اجرت کے ہو۔

فائدہ! یعنی قرآن پڑھنے والا کسی قسم کی کوئی طمع اور لالچ اور پیسے طے نہ کرے فی سبیل اللہ! خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے پڑھ کر مردے کو بخش دے۔ ورنہ پڑھنے کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر اجرت اور پیسے کے لالچ کے لئے پڑھا ہے۔ جیسے آج کل جاہلوں کے ہاں رواج ہے۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

۶...... اپنی ظرف سے دنوں اور خاص کیفیتوں کی تعیین نہ کی جائے اور نہ کھانے کی اقسام میں تعین ہو۔

فائدہ! کوئی دن ایصال ثواب کے لئے متعین کرلینا کہ صرف انہی دنوں میں ایصال ثواب ہوگا ورنہ نہیں۔ جیسے تیسرے دن، چالیسویں دن، جمعراتیں اور سال کے بعد۔ بالکل جائز نہیں۔ کچھ بھی ثواب نہیں ملتا۔ شریعت نے اجازت دی ہے جب مرضی ایصال ثواب کرو۔ متعین کرنا یہ شریعت کے خلاف ہے اور جو چیز شریعت کے خلاف ہو۔ اس پر عذاب تو ہوتا ہے۔ ثواب کچھ نہیں ہوتا اور کیفیات کا تعین کہ ایصال ثواب میں صرف مخصوص آیات پڑھنی ہیں اور اسی طرح کھانے کے اقسام کا تعین کرنا کہ دودھ وغیرہ سامنے ہوگا تو ایصال ثواب ہوگا ورنہ نہیں۔ یہ سب کچھ شریعت کے خلاف ہے۔ جائز نہیں۔

۷...... یہ کھانا صرف فقراء اور مساکین کو دیا جائے اور کھلایا جائے۔ اپنی ہی برادری اور اغنیاء کو صرف کھلانا جائز نہیں۔

ان سب اصولوں کا ثبوت قرآن وحدیث سے بخوبی واضح ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ (راہ سنت ۲۴۹)

۱...... ”لاتیمموا الخبیث“ کہ خبیث اور ناپاک چیز اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی کوشش نہ کرو۔

فائدہ! یہ تیسری شرط کا ثبوت ہے۔ پہلی دو شرطیں واضح تر ہیں۔ کسی ادنیٰ کلمہ گو کو بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ پہلی دو شرطوں کے بغیر بھی ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔

۲...... ''لا یقبل اللّٰہ صدقۃ من غلول (ترمذی ص ۲ ج ۱)'' اللہ تعالیٰ حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا اس میں بھی تیسری شرط کا ثبوت ہے۔

۳...... امام قاضی خان لکھتے ہیں کہ اگر میت کے ترکہ سے فقراء کے لئے کھانا تیار کیا جائے تو اچھا ہوگا۔ جب کہ وارث سب بالغ ہوں اگر وارثوں میں ایک بھی نابالغ ہو تو ترکہ سے یہ کھانا تیار نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں چوتھی شرط کا ثبوت ہے کہ سب موجود ہوں اور بالغ ہوں۔

۴...... قرآن پڑھنا ایک بہت عمدہ عبادت ہے اور پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخشا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایصال ثواب کے لئے جو قرآن پڑھا گیا ہے اس پر اجرت نہ لی گئی ہو۔ مگر چونکہ عرف عام اور رسم ورواج یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ اجرت ضرور لی اور دی جاتی ہے۔ ''لان المعھود کالمشروط'' کے تحت جائز نہیں ہے۔ چنانچہ تاج الشریعت محمود بن احمد الحنفی رحمۃ اللہ (المتوفی ۶۷۳ھ) شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ جو قرآن میت پر پڑھا جاتا ہے تو اس کا ثواب نہ میت کو پہنچتا ہے اور نہ ہی پڑھنے والے کو۔ (بحوالہ انوار ساطعہ ص ۱۰۷) اور علامہ عینی الحنفی لکھتے ہیں کہ: ''قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ ہمارے زمانہ میں جو قرآن کریم کے پاروں کا اجرت کے ساتھ پڑھنا رائج ہو چکا ہے۔ وہ جائز نہیں۔ (بنایہ شرح ہدایہ ص ج ۳ ص ۶۵۵) اس میں پانچویں شرط کا ثبوت ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ پس جو کچھ ملاؤں کو دیا جاتا ہے۔ وہ اجرت ان کے پڑھنے کی ہے اور جو پڑھائی اجرت پر ہوتی ہے اس کا ثواب پڑھنے والے کو ہوتا ہے اور نہ ہی مردہ کو۔ لہٰذا ان کا یہ فعل باطل ہے اور لینا دینا دونوں حرام ہیں اور ثواب کا سبب نہیں۔ بلکہ عذاب کا سبب ہے۔ مردہ کو اس کا ثواب نہیں ہوتا ہے۔ دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کام کا ترک واجب ہے۔ اگر اللہ کی رضا کے لئے ثواب پہنچانا مقصود ہے تو ہر شخص اپنے مکان پر پڑھ کر ثواب پہنچا دے اور تیسرے دن کا کیوں انتظار کیا جاوے؟ نفس ایصال ثواب سے کوئی منع نہیں کرتا۔ اگر بلا تعین ہو۔ مگر ان قیود وخصوصیات کے ساتھ بدعت بھی ہے اور ثواب بھی نہیں پہنچتا۔ (راہ سنت ص ۲۵۵، فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۴)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں خاص یہ رسم سوم (یعنی قل خوانی تیسرے دن والی) کی ہے اور کسی ولایت حکومت میں کوئی جانتا بھی نہیں۔ سو یہ ہنود کے تیجہ کو دیکھ کر وقوع ہوا ہے۔ (البراہین القاطعہ ص ۱۱۱)

فائدہ! یہی سب کچھ کلمہ پڑھنے والے کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ان تمام غیر اسلامی رسموں نے اسلامی شکل اختیار کر لی ہے۔ اب اس پر تنقید کرنا گویا اسلام پر تنقید کرنا ہے۔ جاہلوں نے خوب اپنے جاہلانہ کام کی جاہل عوام میں تشہیر کی ہے۔ اب یہ جاہلوں کا طبقہ ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا کامل مصداق ہے کہ دنیا میں بھی خوب خرچ اور ضائع ہو رہی ہے گناہ علیحدہ اعمال نامے میں پڑ رہے ہیں۔ یہاں بھی کچھ فائدہ نہ ہوا سوائے ذلت ورسوائی کے۔ وہاں! آخرت، قبر میں تو خوب خبر لی جائے گی۔ میت کے گھر جمع ہونا اور کھانا پکانا حدیث وفقہ کے اندر یہ بات آتی ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جائے تو اس کے گھر والے چونکہ صدمہ میں، غم میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ اس لئے محلہ

والے، بستی والے، یا قریبی رشتہ دار میت کے گھر والوں کا کھانا تیار کرلیں اور جو نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکا، ہو وہ تعزیت بھی کرسکتا۔ لیکن میت کے گھر اجتماع اور اہل میت کا لوگوں کے لئے کھانا تیار کرنا، ایک بہت بڑا گناہ ہے (جیسے قل خوانی کے لئے) اور بہت سارے علاقے اس غلط وقبیح حرکت کا شکار ہوکر مقروض ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات سود پر قرض لیا جاتا ہے اور یتیموں کا اور وارثوں کا مال برباد کیا جاتا ہے۔ (راہ سنت ص ۲۶۱) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ''كنا نرى الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النياحة (ابن ماجه ص ۱۱۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۴)'' کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میت کے گھر جمع ہونے کو اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ سمجھتے تھے اور مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ میت پر آواز کے ساتھ رونا، نوحہ کرنا، بین کرنا، اہل جاہلیت کا کام ہے اور نوحہ کرنا جمہور سلف وخلف کے نزدیک حرام ہے۔ جیسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نوحہ کی حرمت پر اجماع ہوچکا ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۰۳)

فائدہ! آج کل مرگ (فوتگی) ہوجانے پر جو رسم و رواج چل رہے ہیں۔ تقریباً سب کے سب اگر انہیں دین سمجھ کر کرتا ہے اور نہ کرنے والوں کو برا سمجھتا ہے تو بدعتی اور ملحد ہے۔ غیر شرعی اور سنت کے مقابلہ میں بدعات ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا۔ کیونکہ یہ ساری رسمیں خیر القرون کے طریقے کے خلاف ہیں۔ خیر القرون میں یہ طریقہ ہوتا تھا کہ جب بھی جس کا جی چاہتا تھا حسب موقع تلاوت قرآن نفلی نماز، نفلی روزہ حج وغیرہ کرکے یا صدقہ وخیرات نقدی کے ذریعے، یا کھانا مساکین ویتامیٰ کو کھلا کر، باغ وغیرہ وقف کر کے اور یا اس کے علاوہ کچھ بھی پڑھ کر اپنے اعزہ واقارب یا بزرگان کو بغیر کسی رسم ورواج کے ایصال ثواب کردیتے تھے۔ آج کے لوگوں کی طرح نہیں کرتے تھے کہ جب تک کوئی دن متعین نہ کرلیا جائے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایصال ثواب مردے کو نہیں ہوا ہی نہیں یہ سب غلط اور بدعت ہے۔

ایصال ثواب کرنے کا طریقہ

ایصال ثواب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی ایصال ثواب کرنا ہو، رات، ہو یا دن ہو چوبیس گھنٹوں میں جب دل کرلے، جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دے دے کچھ پڑھ کر، یا وہ چیز جس کا فائدہ دیر تک رہے۔ جس کو صدقہ جاریہ کہا جاتا ہے۔ جیسے تعمیر مدرسہ یا مسجد وغیرہ، یہ سب کچھ کرکے صرف اتنی نیت دل سے کرلیں کہ یا اللہ! میں فلاں چیز یا فلاں عمل کا ثواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل والدین کو یا اس کے علاوہ جس کو ثواب پہنچانا مقصود ہو اس کو پہنچانا چاہتا ہوں، تو قبول فرما کر اس کو پہنچادے۔ ایصال ثواب کرنے والا اس طرح ایصال ثواب کرے گا تو انشاء اللہ ثواب پہنچ جائے گا یا آپ حضرات نے تلاوت کی ہے کچھ پڑھا ہے یا کچھ نیک عمل کیا ہے اب بھی آپ یوں کہہ دیں کہ یا اللہ تعالیٰ جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب میرے والدین یا اساتذہ، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادے تو ان شاء اللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے قبول کرلیا تو ضرور پہنچ جائے گا۔ اصل طریقہ تو یہ ہے ایصال ثواب کا باقی اس کے علاوہ سب خرافات ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ ہیں یا اللہ کہ اس کا ثواب فلاں کی روح کو پہنچادے یہ بھی بالکل ٹھیک ہے۔ کوئی حرج نہیں۔ جب روح کو پہنچ جائے گا۔ چونکہ عالم برزخ میں روح اصل ہوتی ہے اور جسم اس کے تابع ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اکثر و بیشتر روح کا ذکر کرکے ایصال ثواب کردیا جاتا ہے۔ بالکل ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ صحیح سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

ایصال ثواب دلائل کی روشنی میں

اب دلائل کی روشنی میں یہ بات سمجھیں کہ ایصال ثواب کا فائدہ روح مع الجسد دونوں کو ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ا...... ''عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ :اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلثة: الامن صدقة جارية، او علم ينتفع به، او ولد صالح يدعوله (رواه مسلم مشكوٰة ص ۳۲)''
(حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پاک ارشاد فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے، تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے (جن کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے) (۱) صدقہ جاریہ (کنواں، نلکا، تعمیر مسجد و مدرسہ وغیرہ) (۲) وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے۔ (جیسے کسی کو حافظ قاری یا عالم بنا دیا، یا کتاب لکھی ہے) (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہے)

فائدہ! معلوم ہوا کہ تین چیزوں کا ثواب انسان کو قبر میں پہنچتا رہتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے حدیث مبارکہ میں لفظ ''یدعولہ'' فرمایا ہے اور ''ہ'' ضمیر کا مرجع انسان ہے۔ نہ کہ روح اور انسان روح مع الجسم کو کہتے ہیں۔ روح کو بھی فائدہ ہوا اور جسم کو بھی جو قبر میں رکھا ہے۔ نہ کہ صرف روح کو اگر صرف روح کو فائدہ ہوتا جیسا کہ منکرین حیات کہتے ہیں تو حدیث میں ''ہ'' ضمیر کا ذکر ہی نہ کیا جاتا ''ہ'' ضمیر کو ذکر کرنا ہی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ انسان کو قبر میں ثواب پہنچتا ہے۔

دلیل نمبر ۲...... ''عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ : ان مما يلحق المومن من عمله و حسناته بعد موته علماً علمه و نشره، او ولداً صالحاً تركه، او مصحفاً ورثه، او مسجداً بناه، او بيتاً لا بن السبيل، بناه، او نهراً اجراه، او صدقة اخرجها من ماله في صحته و حياته تلحقه من بعد موته (مشكوة ص ۳٦)'' (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ بے شک وہ چیزیں جن کا ثواب مومن کو پہنچتا رہتا ہے یعنی اس کے کئے ہوئے عمل سے اور اس کی نیکیوں سے، اس کے مرنے کے بعد (وہ یہ ہیں) (۱) علم کہ اس کو سکھایا اور (کتابوں وغیرہ کے ذریعہ سے اسے پھیلایا (۲) نیک اولاد جس کو چھوڑ کر گیا ہے۔ (۳) یا قرآن پاک کہ کسی کو وارث بنا دیا (یعنی اپنے شاگرد تیار کر گیا جو پڑھا رہے ہیں) (۴) مسجد بنائی ہو۔ (۵) مسافروں کے لئے کوئی مکان یا جگہ وغیرہ بنائی ہے (یعنی مسافر خانہ) (٦) یا کوئی نہر جاری کی ہے (لوگوں کے نفع کے لئے) (۷) یا صدقہ نکالا ہے اپنے مال سے اپنی صحت اور زندگی کے زمانہ میں، ''تلحقه من بعد موته'' ان سب چیزوں کا ثواب اس کو اس کی موت کے بعد پہنچتا ہے)

فائدہ! حدیث کے اندر لفظ مومن آیا ہے کہ ایمان والے شخص کو مذکورہ بالا اشیاء کا ثواب مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے اور مومن کا لفظ روح مع الجسد پر بولا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قبر میں رکھے ہوئے جسم کو بھی ثواب پہنچتا ہے اور فائدہ ہوتا ہے۔ نہ کہ صرف روح کو کیونکہ روح کا لفظ حدیث میں نہیں آیا۔ اگر صرف روح کو فائدہ ہوتا تو آپ ﷺ بھی روح کا تذکرہ فرماتے نہ کہ مومن کا اور حدیث مبارکہ میں ''ہ'' ضمیروں کا مرجع بھی مومن ہے تو مسئلہ بالکل واضح اور صاف ہو گیا کہ روح مع الجسد دونوں کو ایصال ثواب پہنچتا ہے۔

دلیل نمبر ۳...... "عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث، ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام، او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا و مافیہا، و ان اللّٰہ تعالیٰ لیدخل علی اھل القبور، من دعاء اھل الارض امثال الجبال و ان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم (مشکوۃ ص ۲۰۶)" (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت کائنات ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ میت مردہ ہونے کی حالت میں قبر کے اندر ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی طرح ہوتی ہے۔ گویا وہ انتظار کرتا ہے کہ اس کے باپ، یا ماں، یا بھائی، یا دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے اور جب (کسی اہل ایمان کی) دعا پہنچتی ہے، تو وہ دعا کا پہنچنا اس کو دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے، سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کو اہل قبور پر پہاڑوں کی طرح (بڑھا چڑھا کے رحمت اور بخشش اور ہوسکتا ہے کہ ہدیہ کی شکل وصورت بنا کے) قبروں میں پہنچا دیتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ ہدیہ، مردوں کے لئے یہی ہے کہ ان کے بخشش کی دعا کریں)

فائدہ! اس حدیث کے اندر تو صراحت آ گئی ہے اس بات کی کہ مردے کو قبر میں دعا وغیرہ کا فائدہ ہوتا ہے اور قبر میں یہی جسم رکھا ہے نہ کہ روح۔ گویا جسم کو فائدہ پہنچا تو روح کو خود بخود پہنچ گیا۔ اور حدیث میں "ان اللہ تعالیٰ" لفظ "ان" تاکید کے ساتھ بیان فرمایا تا کہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اور اکثر و بیشتر جہاں کہیں بھی آپ ﷺ نے قبر کے اندر کے حالات وغیرہ بتائے، تو لفظ "انّ" کے ساتھ اور اسی طرح تاکید کے دوسرے الفاظ کے ساتھ بیان فرمائے ہیں تا کہ بات پختہ ہو جائے اور کسی کو دھوکہ نہ لگے جیسے لیدخل میں لام بھی تاکید کے لئے ہے اور شاید کہ کسی کو یہ دھوکہ لگے کہ آپ ﷺ نے لفظ میت بولا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ تو مردہ ہے۔ بے جان ہے، لکڑی اور پتھر کی طرح ہے، اس کو کہاں فائدہ ہوگا۔ تو خوب سن لو کہ میت کا لفظ دنیاوی زندگی کے لحاظ سے بولا گیا ہے کہ دنیاوی زندگی جب ختم ہوگئی ہے۔ تو وہ دنیا کے لحاظ سے مردہ ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر جسم کا تعلق روح کے ساتھ قائم کر دیا ہے۔ اب اس کو ایک قسم کی زندگی حاصل ہے۔ لہٰذا یہ پتھر اور لکڑی کی طرح نہیں ہے جیسے پوری حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو دعا وغیرہ کا فائدہ پہنچے گا۔ معلوم ہوا کہ پتھر نہیں۔ یہ فقط منکرین حیات وسماع کا اشکال اور دھوکہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اہل زمین خصوصیت کے ساتھ اہل قبور کے لئے دعا کریں۔ آپ دوسروں کے لئے کریں گے پھر دوسرے آپ کے لئے دعا کریں گے۔

دلیل نمبر ۴...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت، امت مرحومہ ہے (یعنی رحمت کی ہوئی ہے) وہ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوتی ہے۔ پھر جب قبروں سے نکلے گی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مومنین کے استغفار کی وجہ سے اس کو گناہوں سے پاک کر دے گا۔ (شرح الصدور ص ۱۲۸)

فائدہ! معلوم ہوا کہ قبروں میں رکھے ہوئے جسم کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ اسی جسم نے گناہ کئے تھے تو اسی جسم سے دعا کی وجہ سے گناہ معاف ہوں گے۔ جو جسم زمین والی قبر میں رکھے ہوئے ہیں نہ کہ صرف روح کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ روح مع الجسد کو اکٹھا فائدہ ہوگا۔ کیونکہ امت کا لفظ روح مع الجسم کے لئے بولا گیا ہے۔ صرف روح کو امت نہیں کہتے اور نہ ہی صرف جسم کو کہ اس کا تعلق ہی روح کے ساتھ نہ ہو بلکہ جسم متعلق روح یہ امت ہے۔

دلیل نمبر ۵...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے جو صدقات، خیرات کرتے ہیں اور ان کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ کیا اس کا ثواب ان مردوں کو پہنچتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے

تاکید کے ساتھ فرمایا کہ بیشک پہنچتا ہے (اس میں شک کی کیا بات ہے؟) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ مردے اسی طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح تمہارے اعلیٰ، عمدہ اور مرغوب تحفوں سے زندہ خوش ہوتے ہیں۔ (مسند احمد)

دلیل نمبر ۶...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے کہ جب بھی کوئی مرتا ہے تو پھر اس کے ورثاء اس کے لئے صدقہ خیرات کرتے ہیں تو حضرت جرائیل علیہ السلام اس صدقہ کو ایک طبق (برتن وغیرہ) میں رکھ کر اس مردے کی قبر کے کنارے پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ حضرت جرائیل علیہ السلام کہتے ہیں، آواز دیتے ہیں کہ اے قبر والے یہ ہدیہ آیا ہے تیرے اہل کی طرف سے۔ پس وہ مردہ اسے قبول کرتا ہے۔ پھر قبر میں داخل ہوتا ہے۔ خوش ہوتا ہے اور بشارت دیا جاتا ہے اور دوسرے مردے جن کے اہل نے ہدیہ نہیں کیا۔ وہ اس کو دیکھ کر غمگین ہوتے ہیں۔ (شرح الصدور ص ۱۲۹)

فائدہ! ان تمام روایات سے صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ میت کو ایصال ثواب قبر میں پہنچتا ہے۔ لہٰذا خوش دلی سے کرنا چاہئے بغیر کسی تردد کے۔

دلیل نمبر ۷...... "عن علی مرفوعا من مر علی المقابر، وقرأ قل هو الله احد عشر مرة ثم وهب اجره للاموات اعطی من لاجر بعدد الاموات" (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان سے گزرے اور دس مرتبہ "قل ھو اللہ احد" پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اسے بھی مردوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا)

فائدہ! اس حدیث سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جو شخص ان مردوں کو اگر ایصال ثواب کرے تو خود کرنے والے کو بھی ثواب ہوتا ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ قبر یہی زمینی قبر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان سے گزرے وہ ایصال ثواب کرے ہم اسی زمینی قبرستان سے گزرتے ہیں نہ کہ علیین یا سجین والے قبرستان سے، منکرین حیات سے یہ پوچھیں کہ اگر یہ مردہ ہیں۔ ایسے کہ روح کا تعلق بھی نہیں ہوتا تو آپ ﷺ نے یہ کیوں فرمایا؟ کہ اسی مردہ کو ایصال ثواب کرو۔ جب روح کا تعلق ہی نہیں تو کیا آپ ﷺ نے العیاذ باللہ لغو کام کا حکم دیا ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس لئے صراحت کے ساتھ یہ واضح ہوگیا کہ اسی مردہ کو جس کو ہم دنیا کے لحاظ سے مردہ کہتے ہیں۔ لیکن اسے روح کے تعلق کی وجہ سے فائدہ اور ثواب پہنچتا ہے۔

دلیل نمبر ۸...... "عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: من دخل مقابر ثم قر أفاتحة الكتاب، و قل هو الله احد، وألهكم التكاثر، ثم قال انی جعلت، ثواب هذا ما قرأت لاهل المقابر من المومنين و المومنات كانوا شفعآئه الى الله تعالىٰ" (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر فاتحہ، سورۃ اخلاص، سورۃ التکاثر پڑھے۔ پھر کہے کہ اے اللہ میں نے جو تیرا کلام پڑھا اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخشتا ہوں تو وہ سب اس کی شفاعت کریں گے)

دلیل نمبر ۹...... "عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال: من دخل المقابر فقرأ سورة يسين خفف الله عنهم وكان به بعدد من فيها حسنات" (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد عالی فرمایا کہ بے شک کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہوا اور اس نے سورۃ یٰسین کی تلاوت کی تو مردوں سے اللہ تعالیٰ عذاب ہلکا فرمادیں گے اور اس پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں ملیں گی)

فائدہ! منکرین حیات زیادہ زور اس بات پر لگاتے ہیں کہ قبر سے مراد شرعی قبر ہے اور وہ علیین میں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن وحدیث سے یہی قبر مراد ہے اور شریعت کا دارومدار بھی اسی قرآن وحدیث پر ہے تو ان کی شرعی قبر پتہ نہیں کس شریعت سے ثابت ہے۔ اگر یہی شریعت ہے قرآن وحدیث تو پھر تو صراحت ہے کہ قبر یہی قبر ہے۔ اگر کوئی اور ان کی شریعت ہے اور اس شریعت سے شرعی قبر مراد لیتے ہوں، تو پھر اعلان کر دیں کہ ہمارا قائلین حیات کے ساتھ قرآن وحدیث میں بھی اتفاق نہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں یہی قبر مراد ہے اور ہم کوئی اور قرآن مانتے ہیں جس میں یہ بات ہے کہ قبر شرعی علیین ہے۔ تاکہ عوام بے چاری مغالطہ میں نہ پڑی رہے کہ یہ بھی قرآن وحدیث مانتے ہیں۔ واقعات سے مشاہدہ اب ذرا واقعات سے مشاہدہ کریں اس بات کا کہ عذاب وثواب اسی جسم عنصری کو زمینی قبر میں ہوتا ہے پھر ایصال ثواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ عذاب کو ختم فرما دیتے ہیں۔

عقیدہ ایصال ثواب واقعات کی روشنی میں

واقعہ نمبر ا...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف گئے۔ جب کہ وہ وفات پا چکے تھے تو آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ کے بعد جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو قبر کے اندر رکھ دیا گیا اور مٹی ڈال دی گئی تو آپ ﷺ نے (اچانک) تسبیح (یعنی سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ) پڑھنا شروع کر دی۔ ہم نے بھی تسبیح شروع کر دی۔ کافی دیر تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر تکبیر (یعنی اللہ اکبر) پڑھنا شروع کر دی۔ تو ہم نے بھی تکبیر شروع کر دی (کچھ دیر بعد جب آپ ﷺ نے تسبیح وتکبیر بند کی) تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے تسبیح کیوں کی؟ پھر تکبیر کیوں پڑھی؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نیک بندے پر قبر تحقیق تنگ ہو رہی تھی (ہمارے پڑھنے سے) اللہ تعالیٰ نے قبر کو کشادہ کر دیا ہے۔ (مشکوۃ ص ۲۶)

فائدہ! معلوم ہوا کہ اسی قبر کے اندر مردے کو قبر دباتی ہے پھر ایصال ثواب سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ جیسے آپ نے واقعہ پڑھ لیا۔ یہ سب کچھ علیین میں نہیں ہو رہا تھا نہ ہی روح کو دبایا جا رہا تھا۔ بلکہ حدیث کے الفاظ پر غور کرو "العبد" کا لفظ بتا رہا ہے کہ بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی اور "عبد" کا لفظ جسم مع الروح پر بولا جاتا ہے اور یہاں پر بھی آپ ﷺ نے "لقد" دو تاکیدوں کو ذکر کیا ہے۔ ایک "لام" اور دوسرا "قد" تاکہ کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔ یہ سب کچھ اسی قبر میں ہو رہا ہے۔ اگر مردہ پتھر یا لکڑی کی طرح ہوتا، تو یہاں کچھ بھی نہ ہوتا۔

واقعہ نمبر ۲...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کی پیاری صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دفنانے کے لئے آپ ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ہم قبر پر پہنچے آپ ﷺ نہایت مغموم و پریشان تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی آپ ﷺ سے بات کرنے کی ہمت نہ کرسکتا تھا۔ قبر کی لحد بنانے میں ابھی کچھ معمولی دیر تھی۔ آپ ﷺ قبر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ہم لوگ آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ ہم سب پر ایک قسم کی حیرانی کا عالم طاری تھا۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ قبر تیار ہوگئی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ قبر کے اندر تشریف لے گئے (اور کچھ پڑھتے رہے) تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ قبر سے باہر تشریف لے آئے۔ اب آپ ﷺ کا چہرہ انور نور سے کھلا ہوا تھا۔ غمگینی کے آثار ختم ہو چکے تھے۔ طبیعت مبارک ایسی ہشاش بشاش (جیسے تازہ نرم ونازک نور سے بنا ہو خدائی پھول) تو

طبیعت کو خوش دیکھ کر ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم پہلی حالت کے متعلق کلام کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے (یعنی ہم پوچھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کچھ پریشان اور غمگین ہیں) اب آپ ﷺ کی طبیعت میں بشاشت ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ (یعنی پہلے پریشان کیوں؟ اور اب اتنے خوش کیوں؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ قبر کی تنگی اور خوفنا کی میرے سامنے تھی اور زینب رضی اللہ عنہا کا ضعف اور کمزوری بھی مجھے معلوم تھی۔ یہ بات مجھے بہت ناگوار گزر رہی تھی (جس کی وجہ سے پریشانی تھی) پس میں نے اللہ عزوجل سے (قبر کے اندر) دعا کی ہے کہ یا اللہ عزوجل زینب رضی اللہ عنہا کے لئے اس حالت کو آسان فرمادے تو اللہ تعالیٰ نے منظور فرما لیا ہے اور زینب رضی اللہ عنہا سے اس مشکل کو دور کر دیا گیا۔ (بنات اربعہ مؤلفہ: حضرت مولانا محمد نافع، محمدی شریف ص ۱۵۶ بحوالہ مجمع الزوائد للہیثمی ج ۳ ص ۴۷، کنزل العمال ج ۸ ص ۱۲۰، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸)

فائدہ! وضاحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہی قبر تنگ ہوتی ہے اور جسم عنصری کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تبھی تو آپ ﷺ پریشان ہو رہے تھے۔ اگر قبر میں کچھ نہ ہوتا، تو آپ ﷺ پریشان بھی نہ ہوتے اور قبر مبارک میں اتر کر دعا وغیرہ بھی نہ کرتے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تلاوت ودعا وغیرہ کے ذریعے قبر کی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ جیسے آپ ﷺ نے بتایا کہ اللہ عزوجل سے میں نے کشادگی قبر کا سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے منظور فرمالیا ہے۔ یہی ایصال ثواب کا مقصد ہوتا ہے کہ قبر میں رکھے ہوئے جسم کو راحت پہنچے اور تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قبر میں ہوتا ہوا سب کچھ نظر آتا ہے لیکن ہر کسی کو نظر نہیں آتا۔

واقعہ نمبر ۳...... یہ واقعہ پہلے بھی گزرا ہے کہ قبر میں مردے کے جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ نے دو قبروں سے عذاب کی آواز سنی تو فرمایا ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ لیکن بڑی وجہ سے نہیں۔ ایک ان میں سے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک شاخ لی اس کو بیچ سے چیرا ایک ایک کر کے دونوں قبروں پر رکھ دیا اور پوچھنے پر فرمایا کہ شاید ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔ جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۵)

اعتراض...... اس قسم کے واقعات اور بھی حدیثوں میں آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی قبر تنگ ہو جاتی تھی اور ذکر و دعا اور ایصال ثواب کے ذریعے وہ تنگی ختم ہو جاتی تھی۔

اب اعتراض یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو مغفور ہیں۔ بخشے بخشائے ہیں۔ یہ قطعی عقیدہ ہے تو عذاب کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، تو پھر قبر کیوں تنگ ہوئی؟

جواب نمبر ۱...... یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم واقعی مغفور ہیں۔ بخشے بخشائے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انسانوں سے کچھ ایسی خطائیں ہو جاتی ہیں۔ جس کا خود انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور انسان ان غلطیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ ذمہ میں باقی رہ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ قبر میں ہی اس کو اس خطا کی سزا دے دیتا ہے۔ تا کہ کل قیامت والے دن بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمادے اور اگر حساب ہو بھی تو اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ جس کی وجہ سے قیامت کے روز کسی قسم کے عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا (اور دوسری بات یہ ہے کہ برزخ من وجہ دنیا ہے۔ یعنی دنیا کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ اس کا بدن اسی دنیا والی زمین میں کچھ نیچے مدفون ہے تو جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں رہتے ہوئے، بھول چوک کرنے پر تنبیہ ہوتی تھی ایسے ہی قبر میں تنبیہ ہوتی ہوگی۔ (خطبات حکیم ج ۴ ص ۱۵۱)

جواب نمبر ۲...... قبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے دباتی تھی جیسے ماں پیار سے اپنے بیٹے کا سر دباتی ہے اور سر دبانے سے جس طرح راحت ملتی ہے اور تھکاوٹ اترتی ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی قبر تھکاوٹ اتارنے کے لئے اور دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے دباتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات کو اگر قبر میں اس طرح ہوتا ہے تو ہم کس باغ کے پھول ہیں؟ کہ توکل کر کے گناہوں میں مصروف رہیں۔

واقعہ نمبر ۵...... شیخ ابو یزید قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات سنی کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے گی تو میں نے یہ خبر سن کر ستر ہزار مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' اپنے لئے بھی کئی دفعہ پڑھا اور اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا اور ذخیرۂ آخرت بنالیا۔ ابو یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ اس کو کشف بہت ہوتے ہیں اور یہ صاحب کشف ہے۔ حتیٰ کہ اس کو جنت و دوزخ کا بھی کشف ہوتا ہے۔ مجھے اس کی صحت کے بارے میں شک تھا۔ ایک مرتبہ وہ ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ اچانک اس نے ایک چیخ ماری اور اس کا سانس پھولنے لگا اور کہنے لگا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے۔ مجھے اپنی ماں کی حالت نظر آئی ہے۔ حضرت قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ پریشانی دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب ستر ہزار والا اس کی ماں کو بخش دوں تو میں نے چپکے سے بخش دیا۔ اس کو بھی پتہ نہ چلا۔ حضرت قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سواء کسی کو نہ تھی۔ (یعنی میں نے جو نصاب پڑھا ہوا تھا۔ اس کا علم کسی کو نہیں تھا اور نہ ہی میں نے کسی کو بتایا ہوا تھا) تو وہ نوجوان اب کہنے لگا کہ چچا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی ہے۔ حضرت قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے دو فائدے ہوئے۔ ایک فائدہ تو اس برکت کا جو میں نے ستر ہزار والا سنا ہوا تھا۔ اس کا تجربہ ہوا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ دوسرا اس نوجوان کے کشف کی سچائی کا۔ (فضائل اعمال حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۸۴)

واقعہ نمبر ۶...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے علمائے دیوبند کے بڑے حضرات میں سے گزرے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست بھی رہے ہیں اور بڑے فقیہ اور بزرگ عالم دین بھی تھے۔ مستقل خانقاہ بھی تھی۔ حضرت مولانا شیخ الہند مولانا محمود الحسن حضرت مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور جتنے بھی دیوبند کے اندر بڑے بڑے علماء گزرے ہیں۔ ان میں سے اکثر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور مرید تھے اور دیوبندی نسبت اصل کے اعتبار سے ان کی طرف ہی منسوب ہے۔ حضرت کی خانقاہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ خانقاہ میں گھڑے کے ساتھ جو برتن پانی پینے کے لئے رکھے جاتے تھے۔ وہ پانی پینے کے برتن بھی مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ ان کو مٹی کا پیالہ بھی کہتے ہیں اور مٹی کا گلاس بھی کہتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ مٹی کا گلاس خانقاہ میں نیا لایا گیا۔ جب اس میں لوگ پانی ڈال کر پیتے تو پانی بہت کڑوا ہوتا اور ذائقہ بہت بدمزہ ہوتا۔ اسی پانی کو اگر کسی دوسرے برتن میں ڈال کر پیتے تو پانی بالکل صحیح خوش ذائقہ اور ٹھیک ہو جاتا، دوبارہ پھر اس پانی کو اسی نئے مٹی والے گلاس میں ڈالتے تو وہ پھر کڑوا، بدذائقہ ہو جاتا، لوگ بڑے حیران اور تعجب میں مبتلا کہ بھائی یہ کیا واقعہ ہے؟ اس طرح کیوں ہوتا ہے؟ تو صوفیاء حضرات جو اس خانقاہ میں جمع تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کی خبر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دی کہ حضرت معاملہ اس طرح ہے۔ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبہ کیا۔ مراقبہ کے بعد بتایا کہ یہ گلاس مٹی کا جس مٹی سے بنا ہوا ہے۔ یہ مٹی قبرستان کی ہے اور کسی قبر کی ہے اور اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے اور اس عذاب کے

اثرات ہیں۔ اس برتن میں اس وجہ سے جب پانی اس میں ڈالا جاتا ہے، تو یہ اثرات پانی میں بھی آجاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ بدمزہ ہوجاتا ہے۔ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے خانقاہ والوں کو کہا کہ ستر ہزار دفعہ کلمہ پڑھو (لا الہ الا اللہ) کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ لا الہ الا اللہ ستر ہزار دفعہ پڑھ کر ایصال ثواب کیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مردے کو بخش دیتے ہیں۔ جب کلمہ پڑھ لیا گیا، تو اس کا ثواب اسی قبر والے کو جس کی قبر کی مٹی سے برتن بنا ہوا تھا، ایصال ثواب کروادیا اور ایصال ثواب کے بعد دعا کرائی۔ اس کی مغفرت کے لئے جب دعا ہوگئی تو اب حضرت نے فرمایا کہ اب اس برتن میں پانی ڈال کر چیک کرو اور پانی کو چکھو تو اب لوگوں نے چکھا تو پانی بالکل ٹھیک اور خوش ذائقہ تھا، کڑواہٹ ساری ختم ہوگئی تھی۔ (الحمد اللہ) (خطبات حکیم العصر ج ۶ ص ۱۳۱)

فائدہ! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اسی قبر میں عنصری جسم کو روح کے تعلق کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے اور اس عذاب کے اثرات مٹی میں بھی ہوتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ظاہر کردیتے ہیں۔ پھر ایصال ثواب سے اسی جسم عنصری کو قبر میں راحت بھی ملتی ہے اور عذاب ہلکا، یا بالکل ختم بھی ہوجاتا ہے اور پھر جو اثرات مٹی وغیرہ میں ہوتے ہیں۔ وہ بھی ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں صراحت کے ساتھ معلوم ہو رہی ہیں۔ ان کا انکار عقل میں آنے والی بات نہیں۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کو بہت اونچی شان دی ہے۔ یہ ہمارے اکابر ہیں۔ اگر ان جیسے کسی فرقے کے اکابر ہوں تو سامنے لائے۔

اولا ئک آبائی فجئنی بمثلهم اذا اجمعتنا یاجریر المجامع

تیسری یہ بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قبر میں رکھے ہوئے جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق قوی ہوتا ہے۔ یہ جسم مثالی جسم نہیں اور نہ ہی صرف عذاب روح کو دیا جاتا ہے بلکہ روح مع الجسد کو دیا جاتا ہے۔

واقعہ نمبر ۷...... حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ حضور میری بیٹی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ اس کو خواب میں دیکھوں۔ تاکہ اداسی ہلکی ہوجائے۔ آپ مجھے کوئی عمل بتا دیں جس سے میں اپنی بیٹی کو دیکھ سکوں۔ حضرت نے کوئی عمل بتا دیا۔ رات کو اس نے خواب میں اپنی بیٹی کو دیکھا کہ وہ بے چاری عذاب میں مبتلاء ہے۔ تارکول (لک کا لباس پہن رکھا ہے۔ گردن میں زنجیر ہے اور پاؤں میں بیڑیاں ہیں۔ اس عورت نے یہ خواب حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ کو بتایا کہ اس طرح میں نے دیکھا۔ حضرت نے دعا وغیرہ کی ہوگی۔ خیر کچھ عرصہ بعد وہی لڑکی حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ کے خواب میں آئی۔ حضرت نے دیکھا کہ وہ بڑی خوش وخرم، سر پر تاج، لڑکی نے کہا کہ اے حسن رحمۃ اللہ تم نے پہچانا؟ میں اسی عورت کی بیٹی ہوں جو آپ کے پاس آئی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ نے فرمایا اس نے تو کچھ اور بتایا تھا۔ آپ کو یہ مقام کیسے مل گیا؟ تو وہ کہنے لگی کہ ایک بار ایک شخص قبرستان کے قریب سے گزر رہا تھا، تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود شریف پڑھا اور قبرستان والوں کو بخش دیا۔ اس قبرستان میں پانچ مردوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ آواز آئی کہ آدمی کے درود شریف پڑھنے کی وجہ سے اور درود پاک برکت سے ان مردوں سے عذاب ہٹا دو۔

فائدہ! معلوم ہوا کہ اس قبرستان میں جسم عنصری کو عذاب ہوتا ہے۔ کیونکہ درود پاک پڑھنے والا شخص اسی قبرستان سے گزر رہا تھا۔ نہ کہ علیین والے قبرستان سے (جو منکرین حیات کا نظریہ ہے) گزرتے ہوئے درود پاک پڑھا اور بخش دیا اور اس لڑکی نے یہ بھی بتایا کہ قبرستان میں پانچ مردوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روحیں

آپس میں ملاقات بھی کرتی ہیں اور ایک دوسرے کے حالات بھی دیکھتی اور سنتی ہیں اور ان روحوں کا جسم عنصری کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے جسم بھی عذاب وراحت کو محسوس کرتے ہیں اور ایصال ثواب کا فائدہ بھی پہنچتا ہے۔

عذاب قبر کا عبرت انگیز واقعہ اور ایصال ثواب

واقعہ نمبر ۸......حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے تھے کہ میرے ایک ملنے والے تھے جن کا نام مولوی مصطفی صاحب ہے۔ انہوں نے ایک بڑا عجیب واقعہ سنایا ہے کہ ہندوستان کے شہر دلی میں دریائے جمنا کے اندر سیلاب آ گیا۔ جس کی وجہ سے ایک قبرستان میں کچھ قبریں اکھڑ گئیں۔ ایک قبر کھلی تو کچھ لوگوں نے دیکھا کہ مردہ پڑا ہوا ہے۔ اور اس کی پیشانی پر ایک چھوٹا سا کیڑا ہے۔ جب وہ ڈنگ مارتا ہے تو پوری لاش لرز جاتی ہے۔ تھرتھرا جاتی ہے اور اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لاش اپنی اصلی کیفیت پر آ جاتی ہے۔ تو وہ کیڑا پھر ڈنگ مارتا ہے۔ لاش کی پھر وہی کیفیت ہو جاتی ہے۔ سب لوگ دیکھ بھی رہے ہیں اور حیران و پریشان اور خوف زدہ بھی ہو رہے ہیں۔ ایک آدمی دھوبی کا کام کرتا تھا۔ وہ جمنا کے گھاٹ پر آیا ہوا تھا۔ وہ بھی اس واقعہ میں شامل تھا۔ اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے ایک کنکری اس بچھونما کیڑے کو ماری۔ وہ کیڑا اچھل کر باہر آیا اور اس دھوبی کی پیشانی پر اڑ کر ڈنگ مار دیا۔ پھر دوبارہ وہیں جا کر بیٹھ گیا۔ بس پھر کیا تھا کہ وہ دھوبی چلانے لگا اور تڑپنے لگا۔ ہائے ہائے درد کی وجہ سے برا حال۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہو گیا؟ نظر تو کچھ نہیں آ رہا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے ایسی تکلیف ہے کہ مجھے صرف ایک بچھو نے اور ایک سانپ نے نہیں ڈنگ مارا، بلکہ میرے بدن کے ایک ایک عضو میں بلکہ ایک ایک رونگٹے اور بال میں گویا ہزاروں بچھوؤں کا زہر اور آگ کی چنگاریاں بھر دی گئی ہیں۔ ایسی کیفیت ہے۔ چنانچہ وہ تین دن تک یوں ہی ہسپتالوں میں تڑپتا رہا بالآخر وہ مر گیا۔ تو مولوی مصطفی صاحب فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ یہ اس دنیا کا کیڑا نہیں۔ بلکہ دوزخ کے عذاب کی ایک شکل ہے تو میں نے سوچا کہ اس کا دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ہمت کر کے میں قریب جا کر اس مردے کے پاس بیٹھ گیا۔ اور کچھ سورتیں یٰسین شریف، سورۃ اخلاص وغیرہ پڑھنا شروع کر دیا۔ جب میں نے قرآن کی تلاوت شروع کی تو وہ کیڑا چھوٹا ہونا شروع ہو گیا اور ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہو گیا تو ہم لوگ بڑے خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مردے کو عذاب سے نجات دے دی ہے۔ اس کا کفن وغیرہ برابر کر کے قبر بند کر دی گئی اور لوگ توبہ توبہ کرتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ (ماہنامہ لولاک ذوالقعدہ ص۳۰، ۱۴۳۲ھ)

فائدہ! قارئین آپ حضرات نے بخوبی جان لیا ہوگا کہ اس زمینی قبر میں جسم عنصری کو گناہوں کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ پھر ایصال ثواب کے ذریعے وہ عذاب ہلکا یا بالکل ختم بھی ہو جاتا ہے۔

عجیب وغریب میت کا دنیا کے اندر واقعہ اور ایصال ثواب

واقعہ نمبر ۹......ایک تبلیغی ساتھی نے ہندوستان کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک علاقہ میں ہماری جماعت گئی۔ ہم ایک مسجد میں اپنے تبلیغی کاموں میں مصروف تھے کہ اچانک محلہ کے کچھ لوگ گھبرائے ہوئے خوف زدہ آئے اور آ کر کہا کہ ذرا جلدی سے آپ حضرات ہمارے گھر چلیں کیونکہ ہمارے گھر میں ایک فوتگی ہو گئی ہے اور اس کے ساتھ بڑا عجیب

معاملہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ ہم جماعت والے سب ساتھی جلدی سے چلے گئے۔ جا کر کیا دیکھتے ہیں؟ کہ ایک عورت کی لاش کمرے میں رکھی ہے۔ اور بہت بڑے کن کھجورے (یہ ایک قسم کا زمین پر چلنے والا کیڑا ہے جس کے پاؤں دائیں بائیں بہت زیادہ ہوتے ہیں اور بڑا خوفناک ہوتا ہے) دائیں بائیں منہ کھولے کھڑے ہیں اور اتنی خوفناک شکل کے ساتھ تھے کہ ان کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ قریب جانے کی تو کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ سارے گھر والے بھی بے چارے خوف کے مارے پریشان ایک علیحدہ کمرہ میں جمع تھے۔ دہشت کی وجہ سے اس کے قریب بھی کوئی نہیں جاتا تھا۔ اب گھر والوں نے کہا کہ ہم آپ کو اس وجہ سے بلا کر لے آئے ہیں کہ آپ لوگ نیک انسان ہیں۔ ہمارا تو خوف سے برا حال ہے۔ آخر اس میت کو قبر میں پہنچانا بھی ہے۔ غسل اور کفن، نماز جنازہ بھی پڑھنی ہے۔ اس کو اس جگہ سے ہم کیسے اٹھائیں؟ چاروں طرف سے وہ کیڑے بڑے بڑے گھیرے ہوئے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر کچھ قرآن پاک کی تلاوت اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کوئی آسانی والا معاملہ فرمائے اور اس مصیبت سے ہماری جان چھوٹے۔ کم از کم اتنا موقع تو مل جائے کہ ہم اس کو قبرستان تک تو پہنچا دیں اور اپنی ذمہ داری سے چھٹکارا حاصل کریں۔ جماعت والے ساتھیوں نے سوچا کہ یہ عذاب اس کے گناہ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے ظاہر فرما دیا ہے۔ کیوں نہ ہم سارے مل کر اس لاش کے لئے استغفار کریں اور دعا کریں اور ایصال ثواب کریں۔ اللہ تعالیٰ انشاء اللہ مہربانی فرمائے گا۔ چنانچہ ہم سب مل کر ایک جگہ پر بیٹھ کر استغفار اور دعا اور قرآن وغیرہ پڑھا اور اللہ سے یوں دعا کی کہ یا اللہ اتنی دیر کے لئے تو اس سے عذاب کو دور کر دے کہ ہم اپنا فرض ادا کریں اور اس کو قبر تک پہنچا سکیں۔ روتے رہے۔ آنسو گرتے رہے اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ کافی دیر بعد دیکھا کہ وہ سب کن کھجورے میت کا محاصرہ چھوڑ کر ایک کونہ میں جمع ہو گئے ہیں۔ ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو گئی ہے۔ اب جلدی سے اس کو غسل دو اور جنازہ پڑھ کر قبر میں اتار دو۔ انہوں نے جلدی سے یہ سارے کام مکمل کئے اور قبرستان لے گئے۔ جب قبر میں اتارنے لگے تو دیکھا کہ وہ سب کن کھجورے قبر کے اندر ایک کونہ میں جمع ہیں (ہم نے جلدی سے وہ قبر بند کی اور توبہ توبہ کرتے ہوئے واپس لوٹ آئے) اب اس گھر والوں سے پوچھا گیا کہ کیا گناہ کرتی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ٹی وی بہت دیکھتی تھی۔

(ٹی وی اور عذاب قبر، از مولانا عبدالرؤف دارالعلوم کورنگی کراچی ص ۲۳)

عقیدہ نبوت...... پندرھواں اختلاف

(انکار حیات النبی ﷺ دراصل انکار نبوت ہے)

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا عقیدہ

ختم نبوت کے بارے میں یہ ہے کہ آپ علیہ السلام پر ہر قسم کی نبوت اور وحی کا اختتام ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کا آخری نبی و رسول ہونا اسلام کے ان بدیہی مسائل اور عقائد میں سے ہے، جن کو تمام عام و خاص، عالم و جاہل شہری و دیہاتی، صرف مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ غیر مسلم بھی بخوبی جانتے ہیں اور سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ ہر قسم کی نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہو چکی ہے اور یہ مسئلہ اتنا بدیہی ہے کہ اس میں شک و شبہ کرنے والا بھی کافر اور زندیق ہے۔ اس کے کفر و ارتداد میں بھی کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ جس طرح یہ عقیدہ بالکل واضح ہے اور اس پر ایمان لانا فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔

عقیدہ نبوت

اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا بھی فرض ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر آپ ﷺ وفات کے بعد بھی اپنی اپنی مزار مقدسہ میں اسی طرح حقیقۃ نبی اور رسول ہیں جس طرح وفات سے پہلے ظاہری حیات کے ساتھ تھے۔ یعنی آپ ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں، اسی طرح وصف نبوت اور وصف رسالت کے ساتھ حقیقۃً موصوف ہیں جس طرح دنیا کے اندر نبوت اور رسالت کے ساتھ موصوف تھے مثلاً علم، شعور، فہم، ادراک حیات، رسالت و نبوت، سماع یعنی سننا، احساس، یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اپنی مزارات میں اور بالخصوص آپ علیہ السلام کو روضۂ اطہر کے اندر جو حیات حاصل ہے۔ وہ خود ان کے حق میں حسی ہے اس طور پر کہ وہ اپنے جسم مبارک کے تمام اعضاء میں حیات کے آثار و علامات محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح دنیا میں ایک تندرست انسان روح کا اثر اپنے تمام اعضاء میں محسوس کرتا ہے بعینہ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام دنیا سے رخصت ہونے کے بعد۔ اپنے اپنے بدن مبارک میں زندگی کی علامات دنیاوی زندگی سے بھی زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ یہی عقیدہ علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاقی واجماعی عقیدہ ہے اس پر ایمان رکھنا فرض ہے۔

منکرین حیات کا عقیدہ نبوت

یہ ہے کہ موت آنے کے بعد کسی بھی فرد بشر کے جسم عنصری میں کسی قسم کی کوئی حیات نہیں۔ نہ ہی روح کا تعلق ہے جسم عنصری سے، نہ روح جسم عنصری میں آتی ہے۔ اس بارے میں سب انسان فوت ہونے کے بعد برابر ہوتے ہیں۔ خواہ انبیاء کرام علیہم السلام ہوں، یا کوئی عام انسان خاص کر انبیاء کرام علیہم السلام اور آپ علیہ السلام کو اپنی اپنی مزارات کے اندر کسی قسم کا کوئی علم نہیں۔ نہ ہی کچھ سنتے ہیں۔ نہ کچھ حیات ہے۔ نہ کچھ احساس۔ نہ ہی جسم عنصری نبوت و رسالت سے موصوف ہے۔ غرض زندگی کی کوئی علامت جسم عنصری کو حاصل نہیں۔ اپنے اعضاء مبارک میں زندگی کے کوئی آثار محسوس نہیں کرتے۔ بے جان، بے حس اور بے شعور ہیں۔ گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دنیا کے اندر تو جسم بھی نبوت و رسالت کے ساتھ موصوف تھا روح کے ساتھ۔ لیکن روح کے نکلنے کے بعد جسم عنصری کو کسی قسم کی کوئی نبوت و رسالت حاصل نہیں۔ کیونکہ نبوت و رسالت کے لئے حس و علم اور حیات سے موصوف ہونا لازم ہے اور یہ چیزیں جسم عنصری کو حاصل نہیں۔ جب یہ حاصل نہیں تو اس پر حقیقی اعتبار سے رسول اللہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ سب چیزیں روح کو حاصل ہیں وہی روح حقیقی طور پر رسول اللہ اور نبی اللہ ہے۔ جسم کو اس میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں۔ اس لئے کہ بغیر تعلق روح کے ابدان مدفونہ مثل جمادات کے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک! جیسے صاحب ندائے حق کہتا ہے کہ بات تو ثابت اور محقق ہو چکی ہے کہ رسالت اور نبوت دراصل روح کی صفت ہے۔ نہ کہ جسم عنصری مع الروح کی اور موت کا روح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں یعنی روح نہیں مرتی۔ للہذا رسالت و نبوت بھی بقائے روح کی وجہ سے اپنے حال پر حقیقی طور پر قائم ہے (یعنی روح باقی ہے کہ اس پر موت نہیں آئی۔ للہذا نبوت و رسالت بھی باقی ہے۔ لیکن جسم عنصری کو موت آتی ہے للہذا وہ نبوت و رسالت سے ختم ہو گیا ہے) (ندائے حق ص ۵۰۸ ج ۱)

فائدہ! نبوت و رسالت کا سارا دارومدار حیات ابدان پر ہے اور حیات ثابت ہوتی ہے روح کے بدن مبارک کے ساتھ تعلق کی وجہ سے۔ جب روح کا بدن سے قوی تعلق مانیں گے تو حیات، علم و شعور، نبوت و رسالت

غرض سب چیزیں خود بخود ثابت ہو جائیں گی۔ گویا یہ عقیدہ رکھنا ضروری اور فرض ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو وفات کے بعد بھی روح کے تعلق کی وجہ سے ادراک وشعور وغیرہ حاصل ہے۔ منکرین حیات چونکہ حیات ابدان نہیں مانتے اور روح کا جسم عنصری سے تعلق نہیں مانتے۔ علم وشعور وغیرہ بھی نہیں مانتے۔ تو ان چیزوں سے خود بخود ثابت ہو گیا ہے کہ نبوت ورسالت بھی جسم کے لئے نہیں مانتے۔ کیونکہ نبوت ورسالت کے لئے، علم وفہم، شعور وادراک ضروری ہے۔ یہ نہیں مانتے تو نبوت ورسالت بھی نہیں۔ ہاں! اگر یہ منکرین حیات اس چیز کا اقرار کریں کہ روضۂ اطہر میں جو شخصیت مدفون وموجود ہے۔ اس کو رسول اللہ بھی مانتے ہیں اور نبی اللہ بھی مانتے ہیں لیکن ہے العیاذ باللہ بے شعور، بے حس وبے حیات تو ان کی یہ بات بڑی جسارت اور گستاخی پر مبنی ہوگی۔ کیونکہ ایک ذات کو نبی ورسول بھی کہنا اور ساتھ ساتھ بے علم وبے احساس بھی کہنا نہایت مکروہ اور نازیبا وگستاخانہ الفاظ ہیں۔ جو گناہ کبیرہ ہیں۔ ان سے تو یہ فرض ہے۔ اگر اس کو صحیح سمجھتے ہیں تو پھر اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ کیونکہ جس طرح حرام کو حلال سمجھنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے اسی طرح ایسا بد عقیدہ آدمی بھی اگر توبہ نہ کرے تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ بہر حال علماء اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق واتحاد واجماع ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں جسم عنصری کے ساتھ نبوت ورسالت والی صفت کے ساتھ موصوف ہیں حقیقۃً جو شخص وفات کے بعد نبوت اور رسالت والی صفت حقیقۃً جسم عنصری کے لئے نہیں مانتا۔ وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (قبر کی زندگی ص ۴۳۴)

آپ ﷺ کا جسم عنصری نبوت ورسالت سے موصوف ہے

قارئین! اب آپ حضرات دلائل پڑھیں اس بات پر کہ آپ ﷺ کا جسم عنصری بھی نبوت ورسالت کے ساتھ اسی طرح موصوف ہے جس طرح دنیا کے اندر موصوف تھا۔ جتنی ختم نبوت پر دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔ وہ ساری کی ساری اسی جسم عنصری کے لئے ہیں اکیلی روح کے لئے نہ کوئی لفظ آیا ہے نہ ہی اکیلی روح صرف نبی ہو سکتی ہے۔ روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے رسول اللہ، نبی اللہ، محمد رسول اللہ ﷺ۔

عقیدہ نبوت دلائل کی روشنی میں

دلیل نمبر ۱...... ''ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النّبیین (الاحزاب: ۴۰)'' اس آیت میں رسول اللہ کا لفظ اور خاتم کا لفظ روح اور جسم دونوں کے مجموعے کے لئے بولا گیا ہے۔ جس طرح قران پاک کی اس آیت کا حکم آپ علیہ السلام کی زندگی میں تھا کہ رسول اللہ اور خاتم آپ ﷺ کی ذات اقدس کو کہا جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح قیامت تک یہ حکم جاری رہے گا اور آپ علیہ السلام کی ذات اقدس کو یعنی جسم مبارک اور روح مبارک دونوں کے مجموعے کو رسول اللہ کہیں گے۔ جو یہ نہیں مانتا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ کفر میں داخل ہو چکا ہے۔

دلیل نمبر ۲...... ''وما محمد الا رسول (آل عمران: ۱۴۴)''

دلیل نمبر ۳...... ''محمد رسول اللّٰہ والذین معه اشداء علی الکفار (فتح: ۲۹)'' اور جہاں کہیں رسول اور نبی کے لفظ آئے ہیں۔ اس سے مراد آپ ﷺ کی ذات مبارک ہے جسد مع الروح کے یعنی آپ ﷺ ان آیات کے اترتے وقت اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ اسی جسم عنصری کے ساتھ رسالت ونبوت والی صفت اکمل طور پر قائم

تھی۔ بالکل اسی طرح قیامت تک یہی حکم رہے گا کہ آپ علیہ السلام کی ذات اقدس جس طرح دنیا میں جسم عنصری کے ساتھ نبوت ورسالت کے ساتھ موصوف تھی۔ اب بھی ہے روضۂ اطہر میں قیامت تک اور قیامت کے بعد ابدال آباد تک۔ خوب سمجھ لینا چاہیے یہی عقیدہ علماء دیوبند کا ہے۔ (الحمدللہ) اوراسی طرح احادیث مبارکہ کے اندر بھی جہاں کہیں نبی اور رسول کے الفاظ آئے ہیں ان سے مراد بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ یعنی نبی اور رسول کا لفظ جس طرح آپ علیہ السلام کے لئے دنیا میں اپنے جسم مع الروح پر بولے جاتے تھے۔ اسی طرح دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی وہ الفاظ آپ کے جسم مع الروح پر بھی بولے جائیں گے نہ کہ صرف اکیلی روح پر جیسے کہ منکرین حیات کہتے ہیں۔

عقیدہ نبوت احادیث کی روشنی میں

حدیث نمبر ۱...... ''قال رسول اللہ ﷺ لانبی بعدی ولاامته بعد امتی (رواہ البیہقی)'' آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں ہوگی)

فائدہ! جہاں اس حدیث سے مرزائیوں کا بطلان واضح ہورہا ہے۔ وہاں ان کے چھوٹے بھائیوں کا بھی بطلان واضح نظر آرہا ہے کہ نبی سے مراد جیسے دنیا کے اندر آپ کی ذات اقدس تھی اب بھی ذات اقدس ہی مراد ہے نہ کہ صرف اکیلی روح۔

دلیل نمبر ۲...... ''وعن انس رفعه ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا نبی بعدی ولا رسول (اخرجه ابو یعلی من الفتح ص ۲۳۲ ج ۱۲)'' (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد پاک فرمایا کہ رسالت اور نبوت ختم ہوگئی ہے۔ میرے بعد نہ کوئی نبی ہوسکتا ہے نہ رسول ہوسکتا ہے)

فائدہ! قادیانیوں اور منکرین حیات کی ان احادیث سے جڑ ہی ختم ہوجاتی ہے کہ ان کا عقیدہ کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ لفظ ''بعدی'' میں یاضمیر متکلم کی روح مع الجسد پر دلالت کرتی ہے نہ کہ صرف روح پر۔

دلیل نمبر ۳...... ''عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (رواہ الخطیب)'' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔

فائدہ! اس حدیث میں بھی لفظ نبی جس طرح آپ ﷺ کی ذات پر دنیا میں بولا جاتا تھا۔ اب بھی بعینہ اسی طرح بولا جائے گا۔ اس لفظ نبی ورسول کا آپ ﷺ کی ذات پر بولا جانا مستقل حیات کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ کا نبی ورسول زندہ ہوتا ہے۔ اس کو مردہ کہنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے۔

دلیل نمبر ۴...... ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ انا احمد وانا محمد، والحاشر، والمقفی والخاتم (رواہ الخطیب، وابن عساکر من الکنز ص ۱۱۶ ج ۲)'' (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ میں احمد ہوں اور محمد ہوں اور حاشر ہوں اور مقفی اور خاتم ہوں)

فائدہ! جتنے نام حدیث مبارک میں آئے ہیں جیسے آپ ﷺ کی ذات اقدس پر دنیا میں بولے جاتے تھے۔ اسی طرح اب بھی آپ ﷺ کی ذات پر ہی بولے جائیں گے۔ جیسے دنیا میں روح کا جسم کے ساتھ بدخول روح تعلق تھا۔ اب بھی ایسے ہی ہے بلکہ اس دنیا سے بھی قوی تعلق ہے۔

دلیل نمبر ۵...... حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ بات صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ فرط محبت میں آ کر آپ ﷺ کی قبر مبارک پر اپنا چہرہ مبارک رکھ دیا۔ (یعنی قبر مبارک کو چمٹ گئے جیسے بچہ پیار سے ماں کو چمٹ جاتا ہے) کسی شخص نے دیکھ کر ان پر نکیر فرمائی (کہ ایسے کرنا صحیح نہیں ہے) انہوں نے جواب دیا کہ میں اینٹ یا پتھر کے پاس نہیں آیا بلکہ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔

فائدہ! حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی اینٹ یا پتھر کی پاس نہیں آیا۔ جو بے جان اور بے شعور ہوتے ہیں ان میں کسی قسم کی حیات نہیں ہوتی بلکہ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں جو وصف نبوت ورسالت سے موصوف ہیں اور حیات ہیں اور سارا میرا معاملہ دیکھ رہے ہیں۔ یہ فرما کر قائلین حیات ومنکرین حیات کو الگ الگ کر دیا کہ قائلین حیات شعور، علم، احساس والے ہیں اور منکرین حیات بے شعور، بے علم، بے حس بے حیات ہیں اگر بالفرض والمحال روضۂ اطہر میں کچھ حیات آپ علیہ السلام کے لئے ثابت نہ ہوتی جیسے کہ منکرین کہتے ہیں تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کبھی بھی ایسے الفاظ نہ کہتے اور نہ ہی ایسا فعل کرتے جیسے کیا ہے۔

قارئین! سینکڑوں ہزاروں دلیلیں اس لفظ رسول اور نبی پر پیش کی جاسکتی ہیں کہ جس طرح دنیا میں یہ لفظ جسم مع الروح کے لئے بولا جاتا تھا۔ اب بھی ویسے ہی بولا جاتا ہے اور جتنے مسلمان درود وسلام پڑھتے ہیں دور سے یا قریب روضۂ اطہر سے وہ بھی سب کے سب الفاظ عقیدۂ حیات النبی ﷺ پر واضح ثبوت ہیں اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس میں موت کی وجہ سے کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں آیا جیسے قرآن پاک میں آیا ''وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ'' آپ ﷺ کی اخرت دنیا سے بہتر ہے۔ یعنی ہر آنے والی گھڑی آپ ﷺ کے لئے بہتر ہوگی، پچھلی گھڑی سے مزید دلائل کی ضرورت نہیں سمجھنے والوں کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کے جسد اطہر کا روضۂ اطہر میں نبوت ورسالت سے موصوف ہونا

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقوق نبوت میں سے چھ حق ایسے ہیں اور اس قدر اعلیٰ اور اشرف اور ضروری ہیں کہ ان پر ایمان لانا ضروری اور فرض ہے۔ اس کے بغیر انسان مسلمان ہی نہیں رہ سکتا۔

حق نمبر ۱...... نبوت کے ابدی ہونے پر ایمان لانا۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک سچے رسول پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس طرح یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ وہ آج بھی نبی ہیں (جسد اطہر نبوت اور رسالت سے موصوف ہے) جیسے علماء اسلام نے فرمایا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اگر بالفرض والمحال نبی سے اگر کوئی خلاف اولیٰ کام سرزد ہو جائے تب بھی اس سے نبوت کو نہیں چھینا جاتا۔ اسی طرح جب کہ آپ ﷺ پر موت طاری ہوگئی تو اس موت سے نبوت پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ وہ اب بھی اسی طرح نبی اور رسول ہیں جس طرح اس دنیا میں نبی اور رسول تھے جیسا کہ نیند کے وقت بھی نبی، نبی ہی رہتا ہے موت کو بھی نیند کا بھائی کہا گیا ہے۔ یعنی جس طرح آپ ﷺ کی نیند اور عام انسانوں کی نیند بظاہر ایک طرح کی نیند ہے، کوئی فرق ظاہراً نظر نہیں آتا۔ مگر لیکن درحقیقت زمین وآسمان کا فرق ہے اس طرح کہ عام لوگوں کا نیند کی حالت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا وضو باقی رہتا ہے۔ اس پر نیند کچھ اثر نہیں کرتی اس لئے انبیا کرام علیہم السلام نیند کے بعد وضو کی ضرورت محسوس نہیں کرتے بالکل اسی طرح عام انسانوں اور انبیاء کرام علیہم السلام پر موت آجاتی ہے۔ ظاہراً سب کو ایسے لگتی ہے جیسے سب موت میں برابر

ہوں۔لیکن عام انسانوں کے موت کی وجہ سے سب کمالات ختم ہوجاتے ہیں سلب ہوجاتے ہیں۔مگر اللہ کا نبی، نبی ہی رہتا ہے موت سے نبوت اور رسالت والی صفت ختم نہیں ہوتی۔اسی طرح باقی رہتی ہے جس طرح پہلے تھی اس لئے موت کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت اور رسالت سے معزول سمجھ لینا ''فرقہ متقشفہ'' کا مذہب ہے اور یہ واضح کفر ہے (جس کے صحیح جانشین منکرین حیات بنے ہوئے ہیں) (التمہید ص ۸۰، رحمت کائنات ص ۳۵۷)

فائدہ! اگر نبوت اور رسالت موت کی وجہ سے معاذ اللہ ختم ہوجاتی تو ہم کلمہ میں جو رسالت کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں، یہ عقیدہ صحیح نہ ہوتا بلکہ ایک گزشتہ بات کی خبر ہوتی کہ معاذ اللہ حضرت محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول تھے اب نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ایسے گندے عقیدے رکھنے سے نجات عطا فرمائے۔

نوٹ: ابونصر وائلی (المتوفی ۴۴۴ھ) نے یہ انکار حیات والد عقیدۂ باطلہ شائع کرنے اور پھیلانے کی کوشش کی تھی کہ جب کوئی نبی علیہ السلام دنیا سے سفر کر جاتا ہے تو اس کی نبوت والی صفت ہی جسد اطہر سے ختم ہوجاتی ہے اور اس کی دعوت بھی ختم ہوجاتی ہے۔دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیں کہ اس لعین کا یہ عقیدہ تھا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول نہیں رہے۔اس لئے اس وقت کے علماء کرام نے اس باطل عقیدہ کی پرزور تردید کی اور امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کو بیان کرنے کے بعد لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ابدی نبی ہیں۔یہی اہل حق کا مذہب ہے جو اس کے خلاف دوسرا عقیدہ رکھے یا اپنے غلط عقیدے کو علماء حق کی طرف منسوب کرے (جیسے منکرین حیات کرتے ہیں) فعلیه لعنت الله والملا ئكة والناس اجمعين اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور لوگوں کی لعنتیں ہوں۔(حاشیہ السیف الصیقل از علامہ کوثری مصری ص ۵۴) مفسر قرآن علامہ عبدالرحیم بن علی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام رسول اور نبی علیہم السلام جب اس دنیا والے گھر سے انتقال کر جاتے ہیں تو پھر بھی وہ حقیقی نبی اور رسول رہتے ہیں ہمارے حنفی مشائخ کا یہ مذہب ہے کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام اس جہاں سے تشریف لے جانے کے بعد اسی طرح رسول اور نبی ہوتے ہیں (جیسے پہلے تھے) اور دلیل اس پر دیتے ہوئے فرماتے ہی کہ: ''لانفرق بين احد من رسله'' یہ آیت امام الانبیاء پر نازل ہوئی جس سے ظاہر ہورہا ہے کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام دور فانی سے جاچکے ہیں۔وہ آج بھی اس طرح وصف رسالت اور نبوت سے موصوف ہیں جس طرح اپنے اپنے زمانہ میں تھے۔اگر یہ عقیدہ نہ رہا تو آپ علیہ السلام کے متعلق بھی یہی کہا جاسکے گا کہ آپ بھی اس دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد حقیقی نبی اور رسول نہ رہے۔بلکہ حکماً (نہ کہ حقیقتاً) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننا پڑے گا۔(جو سراسر کفر ہے) (نظم الفرائد فریدہ نمبر ۳۳ ص ۶۶، رحمت کائنات ص ۳۵۹)

فائدہ! جس عقیدے کو سراسر کفر کہا گیا ہے یہی عقیدہ منکرین حیات کا ہے اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

اعتراض..... منکرین حیات کا یہ اعتراض بڑے زور شور سے کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر صرف روحوں کو نبی کہا ہے جیسے: ''واذ اخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب وحكمة ... الخ (آل عمران)'' (اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد و میثاق لیا کہ البتہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت میں سے دوں) اسی طرح حدیث پاک کے اندر بھی لفظ نبی صرف اور صرف روح کے لئے بولا گیا ہے۔جیسے ''رای الانبياء فيهم مثل السراج عليهم النور (الحدیث)'' یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی روحوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا (یعنی ان کی روحوں کی دیکھا) کہ وہ چراغ کی طرح چمک رہی ہیں اسی طرح دوسری حدیث میں لفظ آتے ہیں:

"کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" "کہ" میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ (یعنی ابھی تک مکمل تیار نہیں ہوئے تھے کہ میں نبی بنا دیا گیا تھا۔

اب اعتراض یہ ہے کہ ان سب حدیثوں میں صرف روح کو نبی کہا جا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور رسالت اصل میں روح کی صفت ہے نہ کہ جسم کی اس لئے ہم نے یعنی منکرین حیات نے کہا ہے کہ نبوت اور رسالت درحقیقت روح کی صفت ہے۔

جواب...... اگر منکرین حیات علم وفہم رکھتے تو یہ اعتراض ہی نہ کرتے۔ کیونکہ جب روحوں کو اللہ تعالیٰ نے ابھی پیدا ہی نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بھی نبی تھا۔ یعنی روح ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں نبی تھا جیسے حدیث مذکور میں آیا ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ ابھی آدم علیہ السلام ہی مکمل تیار نہیں ہوئے اور روح بھی آدم کی پیدا نہیں ہوئی کہ آپ ﷺ نبی بنا دیئے گئے تھے۔ اب قائلین حیات کا منکرین حیات پر اعتراض یہ ہے کہ یہاں تو روح ہی نہیں پھر نبی کس چیز کو بنا دیا گیا؟ معلوم ہو رہا ہے کہ جہاں قرآن وحدیث میں انبیاء کرام علیہم السلام کی روحوں پر لفظ نبی یا رسول کا اطلاق ہوا ہے۔ اس لفظ سے صرف فیصلہ مراد ہے۔ یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر نبی یا رسول بنانا تھا اور ان کے بارے میں نبی اور رسول کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ان کی روحوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد وغیرہ لیا آخری نبی کے لئے تو مسئلہ صاف واضح ہو گیا کہ صرف روحوں پر نبی ورسول کا اطلاق نہیں کیا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی روحوں کو اللہ نے نبی اور رسول کہہ دیا ہو۔ بلکہ جنہوں نے دنیا میں نبی بننا تھا اور رسول بننا تھا انہی کو کہہ دیا گیا۔ نبی اور رسول تھے۔ جیسے "کنت نبیا" والی حدیث سے واضح ہو رہا ہے۔

جواب نمبر ۲...... منکرین حیات کا قیاس کرنا قیاس مع الفاروق ہے۔ یعنی منکرین حیات کا یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے جب کہ ابھی ابدان مبارک نہیں بنے تھے روح کو نبی اور رسول کہا ہے۔ لہٰذا اب موت کے بعد بھی صرف روح کو نبی اور رسول کہیں گے ان کا یہ قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس وقت عالم ارواح میں ابدان مبارک بالکل نہیں تھے۔ اب تو ابدان مبارک موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے پہلے ابدان تھے نہیں اب موجود ہیں دونوں کا حکم ایک طرح نہ ہوا جب حکم ایک طرح نہ ہوا تو ایک دوسرے پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں۔

جواب نمبر ۳...... روح کو تو سارے اعزاز واکرام ملے ہی جسم کی وجہ سے ہیں۔ کیونکہ جب تک جسم نہیں تھا۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے اکیلی روح کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور فرمایا: "ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا" اور دوسری جگہ فرمایا: "کنتم امواتا فاحیاکم" (کہ تم مردہ تھے پھر تم کو زندہ کیا) تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مردہ تھے۔ پیدائش سے پہلے حالانکہ پیدائش سے پہلے روح موجود تھی۔ اب اگر روح کا جسم سے تعلق نہ مانا جائے تو پھر ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا۔ یعنی پیدائش سے پہلے تعلق نہیں تھا تو روح کا کچھ اعتبار نہیں کیا۔ اب موت آنے کے بعد بھی تعلق نہیں۔ لیکن اعتبار ہے۔ یہ کیوں؟ حالانکہ جسم کے ساتھ تعلق نہ ہونے میں دونوں صورتیں برابر ہیں جب دونوں صورتیں برابر ہیں تو اب ایک کا اعتبار کرنا اور ایک کا اعتبار نہ کرنا یہ ناانصافی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ روح کو جتنے اعزاز واکرام اعلیٰ علیین میں مل رہے ہیں اور رزق دیا جا رہا ہے وہ صرف اور صرف اکیلی روح کے لئے نہیں بلکہ روح کے واسطہ سے اصل جسم کا اعزاز واکرم ہے۔ اس لئے اس روح کا بدنوں سے تعلق ماننا اور تعلق روح جسد اطہر کو

نبی ورسول ماننا ضروری ہو اور نہ امت کے اجماعی فیصلہ سے انحراف لازم آئے گا جو ضلالت وگمراہی ہے۔

عقیدہ نبوت واقعات کی روشنی میں

واقعہ نمبر ا...... حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب روس میں خدا کا انکار کرنے والے پیدا ہوئے تو مصر میں ایک اجلاس بلایا گیا۔ اس اجلاس میں سب مذہب والے اکھٹے ہوئے جو کسی نہ کسی نام سے یا کسی صورت میں بھی خدا کو مانتے تھے جمع ہونے کا مقصد یہ تھا کہ سب مل کر خدا کے منکرین کا مقابلہ کریں۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا سب سے پہلے ایک آدمی کو صدر منتخب کرلیا جائے۔ تا کہ اس کی اجازت سے بات شروع ہو اور ایک شخص کی بات سب خموشی سے سن سکیں۔ چنانچہ ایک شخص صدر منتخب کرلیا گیا۔ صدر صاحب نے اپنی بات شروع کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ کہا کہ میں چند باتیں صاف طور پر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ سب لوگ روس کے دھریوں کے خلاف جمع ہوئے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے۔ لیکن بات یہ ہے کہ تم سب کے دین بھی تو الگ الگ ہیں۔ یہ تمارا اتحاد کب تک رہے گا۔ آج نہیں تو کل ختم ہو جائے گا۔ اس لئے پہلے ضروری ہے کہ آپس میں غور وفکر کرلیں کہ ہمارے دینوں میں سے کونسا دین حق اور سچ ہے۔ اس سلسلہ میں میرے چار اصول ہیں۔ اس پر سب حضرات غور فرمائیں۔ اس کے بعد آگے کاروائی شروع کریں گے۔

اصول نمبر ا...... آپ سب مانتے ہیں کہ ساری دنیا کا رب اور خدا ایک ہی ہے۔ ساری دنیا والے اس کے بندے اور غلام ہیں۔ پہلے زمانہ میں جب اتنے وسائل موجود نہیں تھے تو ایک نبی کی تعلیمات کا ساری دنیا میں پہنچ جانا ایک مشکل کام تھا۔ اس لیئے ان زمانوں میں تو عقل یہی مانتی ہے کہ مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب، میں علیحدہ علیحدہ نبی ہو۔ تا کہ سب خدا کے بندوں کو خدا کے احکام پہنچ سکیں۔ لیکن پریس، ریڈیو، ہوائی جہاز، (اور آج کل خبر دینے والی تمام چیزوں) نے ساری دنیا کو ایک شہر اور ایک علاقہ کی صورت دے دی ہے اب تو خبر چند سیکنڈوں اور منٹوں میں پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ اس لیئے اب الگ الگ نبی کی ضرورت نہیں۔ اب تو چاہیے کہ ساری دنیا کے لوگ ایک ہی شریعت کے مطابق ایک ہی خدا کی بندگی کریں۔ اب اگر بات امتیوں پر چھوڑی جائے تو ہر امتی کہے گا کہ میرے نبی کی شریعت ساری دنیا میں پہلے اس لئے بحث لمبی چوڑی ہو جائے گی۔ فیصلہ اور نتیجہ شاید نہ نکل سکے۔ اس لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ یہ پتا چلایا جائے کہ کونسا نبی ایسا ہے جس نے یہ اعلان کیا ہو کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں۔ اب یہودیوں سے سوال کیا گیا کہ کیا تمہارے نبی نے یہ اعلان کیا ہے کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں۔ اسی طرح عیسائیوں اور دوسرے مذہب والوں سے سوال کیا گیا کہ تم میں سے کسی کے نبی نے ساری دنیا کے لئے نبی بننے کا اعلان کیا ہو۔ کوئی نہ بولا نہ کسی نے کوئی جواب دیا۔ سب عاجز آ گئے۔ کیونکہ کسی نبی نے بھی سوائے آپ ﷺ کے ساری دنیا کے لئے نبی بننے کا اعلان نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اتنا کہا کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں اور بس اس طرح باقیوں نے بھی صرف اپنی ہی قوم کے لئے نبی ہونے کا اعلان کیا اور بس۔ اب صدر مجلس نے کہا کہ جب خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی یہ بات نہیں کہی کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں۔ اب اگر یہودی اور عیسائی یہ چاہیں کہ ساری دنیا موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والی بن جائے اور ان کی اتباع کرنے والی بن جائے تو یہ ایسے ہوا کہ مدعی سست اور گواہ چست۔ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پوری دنیا کے نبی ہیں نہیں اور یہ یہودی اور عیسائی ناکام کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ساری دنیا ان کو ماننے والی بن

جائے۔ ایسے ہو ہی نہیں سکتا۔ بالآخر صدر مجلس نے سب کے آخر میں مسلمانوں کہ عالم سے یہ بات پوچھی کہ کیا آپ کے نبی ﷺ نے یہ دعویٰ کیا تھا؟ کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں تو اس پوچھنے پر مسلمان عالم نے قرآن ہاتھ میں لیا اور کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ جس طرح قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رب العالمین کہا ہے اسی طرح آپ ﷺ کو بھی رحمتہ العالمین کہا ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے رب ہیں کے ایسے ہی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ تمام کائنات کے نبی ہیں اور جس طرح قرآن نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں رب الناس کہا ہے تو اسی طرح آپ ﷺ کے لئے "کافۃ للناس بشیرا و نذیرا" کہا ہے تو صدر مجلس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ کسی دین والا، کسی مذہب سے تعلق رکھنے والا، کھڑا ہو اور اپنے نبی کے بارے میں اپنی الہامی کتاب میں سے یہ دکھائے کہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں۔ لیکن بار بار اعلان کرنے کے باوجود ہر طرف سے موت کی سی خاموشی چھائی رہی بالآخر مجلس کو مجبوراً کھڑا ہونا پڑا اور یہ اعلان کرنا پڑا کہ سارے نبیوں میں صرف ایک ہی نبی ایسے ہیں جنہوں نے عالمگیر نبوت کا دعویٰ کیا ہے اگر ایسے دعویٰ کرنے والے دو نبی مل جاتے پھر تو الیکشن کی ضرورت ہوتی۔ لیکن اب تو سیٹ ہی ایک ہے اور امیدوار بھی ایک ہی ہے تو فیصلہ خود بخود ہو گیا کہ عالمگیر نبی ساری دنیا کے لئے صرف اور صرف ایک ہی ہیں اور وہ آپ ﷺ ہیں اور بس۔

دوسرا اصول...... صدر مجلس نے کہا کہ اب اسلام کے خلاف کسی کو لب کشائی کا حق ہی باقی نہ رہا۔ لیکن میں بات کو مکمل کرنا چاہتا ہوں کہ آج کل لوگ اپنے آپ کو بڑے دانشور اور سمجھدار اور عقل مند کہتے ہیں اور بغیر دلیل کے بات نہیں مانتے۔ نبیوں کو ماننے والے تمام لوگ اس بات پر اتفاق و اتحاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرماتا ہے اور یہی معجزات ان کی نبوت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اب اگر یہ کہوں اور سب سے پوچھوں کہ سب لوگ اپنے اپنے نبیوں کے معجزات سنائیں تو وقت بھی بہت خرچ ہوگا اور فیصلہ بھی مشکل ہو جائے گا کہ ان معجزات میں سے کس کا معجزہ زیادہ شان والا ہے۔ اس لئے میں یوں نہیں سوال کرتا کہ معجزات سناؤ بلکہ میرا سوال یہ ہے کہ کوئی امتی اپنے نبی کا ایسا معجزہ پیش کرے جو آج بھی دنیا کو دکھایا جاسکے اور آج بھی ساری دنیا اس معجزہ کے سامنے عاجز آ جائے۔ مجمع میں سے کوئی بھی نہ بولا۔ کیونکہ کسی کے پاس کوئی اپنے نبی کا معجزہ نہیں تھا کہ لوگوں کو دیکھا یا جاسکے۔ نہ یہودیوں کے پاس ہے، نہ عیسائیوں کے پاس ہے۔ سب کے سب ایسے بیٹھے تھے جیسے "صم بکم" والی آیت انہی لوگوں کے لئے اتری ہے۔ آخر ہر طرف سے خاموشی دیکھ کر مسلمان عالم کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھ میں قرآن پاک تھا۔ اس نے کہا کہ میرے نبی ﷺ کا آج بھی معجزہ من وعن اسی طرح موجود ہے۔ صرف آج تک نہیں۔ بلکہ قیامت تک اس کے مقابلہ سے دنیا عاجز رہے گی۔ مسلمان عالم نے فرمایا کہ ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ خدا کا کام وہ ہوتا ہے جو ساری دنیا بھی مل کر وہ کام نہ کر سکے۔ جیسے آنکھ، کان، ناک غرض جاندار چیزوں میں سے کسی چیز کا بنانا بالکل یہی پہچان اللہ تعالیٰ کے کلام مقدس کی ہے۔ ساری دنیا بلکہ ساری مخلوق بھی مل کر اس کی مثال لانے سے عاجز ہے۔ تو یہاں بھی کوئی آپ ﷺ کے مقابلہ میں کھڑا نہ ہو سکا اور یہ بات سب پر واضح ہو گئی کہ پہلے وہ نبی جس کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے تھے۔ وہ برحق تھے۔ لیکن ان کا کوئی معجزہ دنیا میں موجود نہیں ہے جس سے پتہ چلا کہ ان کی نبوت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ آج اس نبی کی نبوت کا زمانہ ہے جس کی نبوت کا معجزہ قرآن پاک سورج کی طرح ہر جگہ پر سامنے موجود ہے۔ لیکن جس طرح ساری دنیا خدا کے سورج بنانے سے عاجز ہے۔ اسی طرح ساری دنیا خدا کے قرآن کی ایک سورت لانے سے بھی عاجز ہے تو یہاں بھی الیکشن کی ضرورت نہ پڑی۔

تیسرا اصول...... ہم نے وہ پیغمبر تو تلاش کر لیا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ میں عالمگیر نبی ہوں اور اس دعویٰ میں اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی ایک نبی ایسا ہے جس کی دلیل نبوت آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ اب تیسرا میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ پیغمبر کو اس لئے مانا کہ اس کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو کون کون سے نبی ایسے ہیں جنکی مکمل تعلیمات آج بھی دنیا کے اندر موجود ہوں جس طرح پہلے تھیں۔ صدر مجلس نے یہودیوں اور عیسائیوں سے کہا کہ کھولو تورات اور انجیل بتاؤ ہمیں کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کونسی تسبیح پڑھا کرتے تھے؟ صبح و شام سجدے اور رکوع میں کیا پڑھتے تھے؟ فلاں فلاں لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ زبان منہ میں ہے ہی نہیں۔ جب وہ کچھ نہ بتا سکے تو صدر مجلس نے کہا کہ ہم تو پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ آج اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام محفوظ ہے تو وہ بھی قرآن ہی کی برکت سے ہے۔ ورنہ کتنے نبی ایسے گزرے ہیں۔ جن کا نام قرآن میں نہیں آیا۔ تو دنیا ان کا نام تک نہیں جانتی۔ بھول چکی ہے۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام کا صرف ایک فقرہ جو اصل ہو زبان سے نکلا ہو تواتر اور شہرت سے کجا خبر واحد سے بھی ثابت نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانوں کو جو وہ زبان بولتے تھے سریانی، عبرانی وغیرہ مردہ کر دیا ہے۔ جن زبانوں میں تورات انجیل نازل ہوئی تھی۔ ان میں سے کوئی زبان بھی آج بطور زندہ زبان کے کسی ملک میں بھی نہیں بولی جاتی۔ اب خدا کے پکارے ہوؤں کو ساری دنیا مل کر بھی زندہ نہیں کر سکتی۔ پھر جب مسلمان عالم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے نبی ﷺ کی تعلیمات موجود و محفوظ ہیں۔ تو اس نے کہا کہ آپ عبادت کی بات کر رہے ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ کی تو آج تک عادات بھی محفوظ ہیں کہ جوتا پہنتے وقت کونسا جوتا پہلے پہنتے تھے اور کونسا بعد میں پہنتے تھے اور کھانا کیسے کھاتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ اور مسلمان عالم نے کہا کہ الحمدللہ! ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات کا ایک ایک نکتہ بھی آج موجود ہے۔ ہم سے اوجھل نہیں۔ آپ ﷺ کی ہر بات، ہر عمل ہر عادت موجود و محفوظ ہے۔ پھر انہوں نے نماز کے شرائط اور ارکان، مستحبات و فرائض و واجبات غرض ایک ایک بات کی مکمل تفصیل بتائی اور باقی سارے ادیان والے اپنے نبی کی تعلیمات بتانے سے عاجز رہے۔ صدر مجلس نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ ایک نبی کی تابعداری ممکن ہے۔ جن کی تعلیمات محفوظ ہیں اور جن کی تعلیمات محفوظ نہیں۔ ان کی تابعداری ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر مسلمان عالم سے پوچھا گیا کہ آپ کے نبی کی تعلیمات کی تشریح اور تفصیل کسی کتاب میں موجود ہے؟ کیا آپ کے نبی ﷺ نے کوئی مکمل کتاب لکھی ہے۔؟ تو مسلمان عالم نے جواب دیا کہ ہمارے نبی تو امیؐ تھے۔ وہ لکھ نہیں سکتے تھے۔ پھر پوچھا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں نبی کی تعلیمات و تشریحات موجود و محفوظ ہوں تو مسلمان عالم نے جواب دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں تو تبلیغ اور جہاد میں خرچ ہوئی ہیں۔ اس لئے ان کو تو کوئی موقع نہیں ملا لکھنے کا۔ پھر لوگوں نے پوچھا کہ پھر کون سے ایسے بزرگ ہیں؟ جنہوں نے نبی ﷺ کی تعلیمات اور طریقوں کو مکمل طور پر مدون کیا ہو؟ لکھا ہو جس کی وجہ سے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند ہے تمام ادیان کے مقابلہ میں تو مسلمانوں نے جواب دیا کہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس بات کو سن کر ایک یہودی کھڑے ہو کر رونے لگ گیا اور روتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! کاش! تو ایک ابوحنیفہ موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بھی پیدا کر دیتا تو ہمیں آج یہ ذلت و رسوائی والا دن نہ دیکھنا پڑتا۔ یہی بات ایک عیسائی پادری نے بھی کہی۔ صدر مجلس نے ان کو روکتے ہوئے کہا کہ رونے دھونے کی بات نہیں ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ضرورت صرف اور صرف محمد ﷺ کی امت میں

تھی۔ کیونکہ اس شریعت کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک باقی رکھنا تھا اور پہلے والی تمام شریعتیں۔ چونکہ ہمیشہ کے لئے نہیں آئی تھیں۔ اس لئے ان میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے شخص کی ضرورت بھی نہ پڑی۔

چوتھا اصول...... اب صدر مجلس نے یہ کہا کہ مسئلہ تو ان تینوں سوالوں سے حل ہو گیا۔ لیکن تھوڑا سا خدشہ باقی ہے۔ وہ یہ کہ جب لوگ ایک نبی پر ایمان لے آتے ہیں تو جب تک اس نبی کا زمانہ باقی رہتا ہے۔ وہ مومن اور خدا کے فرمانبردار کہلاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب کوئی دوسرا نبی آجاتا ہے۔ تو اگر لوگ اس کو نبی نہ مانیں اور اس پر ایمان نہ لے آئیں تو کافر ہو جاتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس نبی پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے بعد دوسرا نبی آجائے اور ہم اس کو پہچان نہ سکیں اور ایمان نہ لا سکیں تو ہم بھی اسی طرح کافر ہو جائیں۔ جیسے یہودی اور عیسائی خدشہ ظاہر کرتے ہیں۔ دل سے یہ خدشہ تب ہی نکل سکتا ہے کہ جب ایسے نبی پر ایمان لایا جائے کہ جس نے یہ اعلان کر دیا ہو کہ میں خدا کا آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو سب ادیان والے اپنے اپنے نبی کا اعلان دکھائیں کہ کس نبی نے یہ دعویٰ کیا ہے؟ کہ میں آخری نبی ہوں۔ آخر یہ حقیقت کھل کر سورج کی طرح ظاہر ہوئی کہ ایک لاکھ کم و بیش چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے۔ لیکن یہ اعلان صرف ایک ہی نبی نے کیا ہے "انا خاتم النّبيين لا نبی بعدی" اور کسی نبی نے یہ اعلان نہیں کیا۔ صدر مجلس نے کہا کہ اب اس کے بارے میں کوئی خدشہ باقی نہ رہا کہ دین حق صرف اور صرف اسلام ہی ہے اور نجات صرف اسی سے مل سکتی ہے اور بس۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جتنے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں مبعوث فرمائے ہیں کسی کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ خاتم النّبیین ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے کہ: "ماكان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النّبيين" (انوارت صفدر ص ۱۲)

فائدہ! جہاں قادیانیوں اور تمام باطل مذاہب کی بنیادیں۔ اس واقعہ سے ختم ہوئی ہیں۔ وہاں ان کے جانشین منکرین حیات وسماع کی بنیادیں بھی ختم ہوئی ہیں کہ دین اسلام جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت اور رسالت کے ساتھ موصوف تھے۔ بعینہٖ آج بھی اسی طرح دین اسلام قائم و دائم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت اور رسالت والی صفت کے ساتھ موصوف ہیں۔

عقیدہ نبوت پر عجیب وغریب واقعہ

واقعہ نمبر ۲...... ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی تاریخ کی کتابوں میں ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ابوالحسن علی بن عبداللہ الہاشمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ہندوستان کے بعض شہروں میں گیا۔ میں نے اس شہر کے ایک گاؤں میں سیاہ رنگ کے عجیب وغریب گلاب کے پھول دیکھے کہ گلاب کے بوٹے پر گلاب کا بڑا پھول کھلتا تھا۔ اس کی خوشبو نہایت عمدہ اور رنگ سیاہ ہوتا تھا۔ جس پر سفید رنگ میں لکھا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکر الصدیق، عمر الفارق، مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرانگی ہوئی اور میں نے یہ خیال کیا کہ شاید یہ کوئی مصنوعی پھول ہے، ہاتھ سے بنایا اور لکھا گیا ہے۔ مگر جب میں نے دوسرے غنچہ کو جو ابھی کھلا نہیں تھا، توڑ کر دیکھا، تو اس کے اندر بھی یہی لکھا پھول نکلا اور میں نے دیکھا کہ اس شہر اور گاؤں کے لوگ سب کے سب بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ کوئی اللہ کو جانتا بھی نہ تھا۔ (کذا فی الخصائص الکبریٰ للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ ص ۸ ج ۱، منقول از ختم نبوت کامل ص ۳۱۰)